سلسلہ دار المصنفین اعظم گڈہ نمبر ۲۷

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم الامن

فائدہ

جن لوگوں نے اپنے وجدان سلیم کو بے اعتدالیوں یا ترغیبات بیجا سے خلط ملط نہیں کیا، وہی امن میں ہیں،

نفسیات ترغیب

مؤلفہ

سید وہاج الدین احمد کنتوری

پروفیسر عثمانیہ کالج، اورنگ آباد دکن،

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی،

مطبع معارف اعظم گڈہ

بنامِ آنکہ نامش حرزِ جانہاست،

ھدیہ

زبان اُردو کی اس سچی اور قابل قدر خدمت کی یاد مین،

جو میرے محترم دوست،

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (دریابادی)

نے کی اور کر رہے ہین،

نیز

اس "عہدِ کہن" کی یادگار کے طور پر جب انھون نے پہلی مرتبہ

اُردو بولنے والی دنیا کو،

نفسیات جیسے اہم اور دلچسپ علم سے روشناس کیا،

یہ کتاب انھین کے نام نامی پر صدق دل اور اس آرزو کیساتھ معنون کیجاتی ہے کہ

"شاید کہ بجوئے رفتہ آب آید باز"

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف،

"خاکسار مؤلف"

فہرست ابواب

تفصیلی فہرست مباحث

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

از

(مولوی عبد الماجد صاحب بی اے)

ہندوستان اِس وقت جس دور سے گزر رہا ہے، اُس کا قدرتی تقاضا یہ ہی، کہ مغرب کے تمام علوم و فنون اِس مین بھی پھیلین، اور پھیلائے جائین، چنانچہ جدید فلسفہ اور سائنس کی تمام شاخین اُردو مین بھی ایک ایک کر کے آرہی ہین، اور لائی جارہی ہین، یہ صورت کِس حد تک مفید ہے، اِس بحث کا یہ موقع نہین، بہرحال ایک امرِ واقع ہی، مغربی انداز پر ترجمہ، تالیف، و تصنیف کا کام تیزی کے ساتھ ہو رہا ہی، اور بظاہر احوال، زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتا جائے گا،

فلسفۂ جدید کی ایک صنف، نفسیات بھی ہی، جس کا نام پُرانے مترجمین نے علم النفس رکھا تھا، مگر اب مغرب کی درسگاہون اور معملوں مں اِس فن کو جو ترقی ہو رہی ہی، اس کے لحاظ سے اس کا شمار اب اگر بجائے فلسفہ کے سائنس کے اصناف مین کیا جائے، تو زیادہ صحیح ہوگا، اپنے نفس کی کیفیات کا مطالعہ کرتے رہنا، باطن کی طرف رجوع کرنا، اپنے اعمال ذہنی پر غور و فکر کرتے رہنا، تحقیقات جدید اِن سب طریقون کو باطل ٹھہرا رہی ہے، اور اب مغربی علمِ نفس کا فتویٰ یہ ہی کہ، ان متروک اور دقیانوسی طریقون کے بجائے نفس۔ ذہن و شعور کو بھی مثل مادّیات کے خوردبین اور دیگر آلات مادی کی مدد سے جانچنا چاہیئے، حکمت قدیم یہ تھی، کہ مادّیات کو نفسِ مدرکہ کی وساطت سے پہچانا جائے، دانش جدید یہ ہے،

کہ نفسیات کو آلات مادی کے ذریعہ سے جانچا جائے، مشرق کی معراج کمال یہ تھی، کہ مادہ کو نفس و روح کے حکم مین لے آیا جائے، مغرب کا منتہائے ترقی یہ ہی کہ نفس و روح کو مادیات کی شاخ بنا دیا جائے پہلے ظاہر کو باطن کے ماتحت رکھا جاتا تھا، اب باطن کو ظاہر کا محکوم کر لیا گیا ہے۔ مغرب کی یونیورسیٹیوں مین جہان طبعیات، کیمیائیات، وغیرہ کے معمل ہین، انہین کے پہلو مین نفسیات کے تجربہ گاہوں اور معملون کی عمارتین بھی کھڑی نظر آتی ہین۔

فن نفسیات، اب بجائے خود، متعدد اور مستقل شاخون مین تقسیم ہو گیا ہے، مثلاً نفسیات نظری۔ نفسیات عملی نفسیات حیوانی، نفسیات قومی، نفسیات اجتماعی، وقس علی ہذا، اور یورپ نے انمین سے ہر شاخ پر تصانیف کا ایک طومار لگا دیا ہی، اُردو مین اس سارے ذخیرہ، یا کم از کم اسکے بڑے حصہ کو منتقل کرنا، ایک دن یا ایک شخص کا کام نہین، صدہا قابل و مستعد کارکن ہون، اور مدت دراز تک یہ کام برابر ہوتا رہے، جب کہین جا کر مغرب کا سرمایہ سرزمین ہند پر منتقل ہو سکتا ہی، اُس وقت تک گیتی کے چند افراد، جو باوجود اپنی بے بضاعتی کے محض اپنے ذوق علم اور ذاتی جوش کی بنا پر اس کٹھن کام مین لگے ہوئے ہین، اون کی محنت کی داد نہ دینا، انصاف کی آنکھ پر پٹی باندھ لینا ہے،

نفسیات میں ایک اہم اور دلچسپ بحث "ترغیب" کی آتی ہی، عمل ترغیب کی ماہیت نفسی کیا ہی؟ انسان کو خود کیونکر کسی فعل کی جانب ترغیب ہوتی ہی، اور وہ دوسرون کو کیونکر ترغیب دیتا ہی؟ جذبات اور عقل کا ترغیب سے کیا تعلق ہے؟ دلائل منطقی اور ترغیب نفس کے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے؟ مؤیدات ترغیب و موانع ترغیب کیا کیا ہین؟ ترغیب کے صحیح مواقع استعمال کیا ہین؟ غلط رجحانات و باطل ترغیبات سے کیونکر بچنا چاہیے؟ اس قسم کے سارے مباحث کے لیئے ایک جامع نام "نفسیات ترغیب" ہے، اور مغربی زبانون مین مستقل اسی

موضوع پر تصانیف تیار ہو چکی ہین، پروفیسر سید وہاج الدین صاحب نے (عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن) جن کا ذوق خالص علمی ذوق ہی، اور جو مسائل و مباحث نفسیات سے خاص دلچسپی رکھتے ہین، ہمت کر کے اُردو کے خزانہ مین یہ سرمایہ منتقل کر دینا چاہا ہی، چنانچہ اُن کی سعی و کاوش کا نتیجہ اگلے صفحات مین موجود ہی،

ہمارے جوان عمر و جوان ہمت دوست نے اپنا اصلی ماخذ، میکفرسن کی انگریزی کتاب "سائیکالوجی آف پرسوائے شن" کو رکھا ہی، لیکن اِس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و مضامین سے استفادہ کیا ہی، اور اِس لحاظ سے اُن کی کتاب ترجمہ نہین رہی، بلکہ اچھی خاصی تالیف بنگئی ہی، اُردو ابتک جن خیالات و الفاظ سے اجنبی و ناآشنا ہی، اُنھین اُردو مین لاتے وقت جو محنت و کاوش کرنی پڑتی ہی، اِس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہین، جنھین خود کبھی اِس قسم کے کام کا اتفاق ہوا ہی، وہاج الدین صاحب کی کوشش اس جماعت کے نزدیک مستحق صد داد و ہزار ستایش ہوگی، البتہ اگر اُنھون نے کچھ وقت اور صرف کیا ہوتا تو کتاب کو موجودہ حالت سے بھی بڑھکر شگفتہ، سلیس، اور دلچسپ بنا سکتے تھے، طبع ثانی مین امید قوی ہی، کہ وہ بعض الفاظ کو بدل دینگے، طرز بیان مین زیادہ شستگی اور سلجھاؤ پیدا کر دینگے، اور گردوپیش کی اور زیادہ مثالین دے کر کتاب کو زیادہ دلچسپ بنا دینگے، بہ حیثیت مجموعی، کتاب، اب بھی اِس قابل ہی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے نفسیات خوان طلبہ کے زیر مطالعہ رہے، اور دوسرے لوگ بھی جو مغربی نفسیات کی نوعیت مباحث سے واقف ہونا چاہین، اس سے فائدہ اُٹھائین، دار المصنفین کے زیر اہتمام اس سے قبل برکلے، لی بان وغیرہ حکمائے مغرب کے مقالات اُردو مین منتقل ہو چکے ہین، آج اس کتاب کی اشاعت اس کے کارنامون کی فہرست مین ایک جدید عنوان کا اضافہ کر رہی ہے،

ہونہار مؤلف کا مستقبل بہت اُمید افزا ہی، ابھی وہ الفاظ کے اُلجھاؤ مین پڑے ہوئے ہین،

خدا وہ دن جلد لائے کہ وہ عالمِ معنی کی سیر کر رہے ہون، آج میک ڈوگل ومیکفرسن کی جیب میں وہ پڑے ہوئے ہین، کل خدا کرے میک ڈوگل ومیکفرسن اُن کی جیب مین پڑے ہون، وہ مجھے فرطِ محبت سے ترغیب دے رہے ہین، کہ مین پھر "قیل وقال" کی جانب متوجہ ہو جاؤن، لیکن میری صدقِ دل سے اُن کے حق مین یہ "دعا" ہے، کہ وہ جلد "قال" سے گزر کر "حال" مین قدم رکھین، اور اُس وقت اُن پر "فی انفسکم افلا تبصرون" کی صحیح اور اعلیٰ نفسیات کے اسرار منکشف ہون، حقائق کا علم، کتبخانون کے اندر محفوظ نہین، اُس کی یافت کی تڑپ اگر دل مین ہے تو بجز ایک "اُمّی" کے نقشِ قدم پر چلنے، اور "علیم وخبیر" سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے اور کوئی سبیل نہین،

صد کتاب و صد ورق در نار کن ‏ ‏ ‏ جان و دل را جانبِ دلدار کن

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ‏ ‏ ‏ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

علمہائے اہلِ دل حمّالِ شان ‏ ‏ ‏ علمہائے اہلِ تن احمالِ شان

علم را بر دل زنی یارے بود ‏ ‏ ‏ علم را بر تن زنی بارے بود

گفت ایزد یَحمِلُ اَسفارَہٗ ‏ ‏ ‏ بار باشد علم کان نبود ز ہُو

اسم خواندی، رو مسمّٰی را بجو ‏ ‏ ‏ مہ بہ بالا دان نہ اندر آب جو

ہمچو آہن ز آہن بیزنگ شو ‏ ‏ ‏ در ریاضت آئینہ بے زنگ شو

خویش را صافی کن از اوصافِ خویش ‏ ‏ ‏ تا ببینی ذاتِ پاکِ صافِ خویش

وَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٥

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۵ء

دریاباد۔ بارہ بنکی

عبد الماجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ مؤلف

شکر کہ جہازہ بہ منزل رسید　　کشتی اندیشہ بہ ساحل رسید

کم و بیش ایک سال کی محنت کا نتیجہ اِن اوراقِ پریشان کی صورت مین ہدیۂ ناظرین ہی، **دیباچے** آجکل ہر کتاب کا ضروری جزو سمجھے جاتے ہین، اِن کا مفہوم یہ ہوتا ہے (یا یہ ہونا چاہیے) کہ مقصد کتاب کا ایک سرسری اندازہ ہو جائے، اور جس ضرورت کی تکمیل کے لیئے وہ وجود مین آرہی ہے اسکا بھی کم از کم الفاظ مین اظہار کر دیا جائے، پیشِ نظر کتاب کا دیباچہ اِسی ضرورت پر مبنی ہی، اِس کا غیر مانوس **عنوان** "نفسیات ترغیب" بجائے خود کسی نہ کسی تشریح کا محتاج ہے،

"**ترغیب**" کے لفظ سے قریب قریب ہر اُردو دان واقف ہی، لیکن لوگون کے ذہن مین اِسکا مفہوم بہت کچھ محدود ہی، کسی برگشتۂ مذہب شخص کو اوس کے قدیمی مذہب کی طرف واپس لانے کیلئے جو کچھ دلائل اِستعمال کیئے جاتے ہین، اون کو ہر شخص ترغیب کہے گا، اگر مین ایک بات پر مُصر ہون، اور میرا دوست، مجھے سمجھا بُجھا کر اوس ارادے سے باز رکھے، تو اوس کو بھی لوگ،

ترغیب وہی خیال کرینگے، لیکن کتنے لوگ ہین، جنھین اپنے ذاتی خیالات کی کشمکش، دوسرون کی چرب زبانی، اشتہارات کے جاذب توجہ عنوانات، موسیقی، نقاشی اور مصوری کے خاموش نمونون مین ترغیب کا پہلو نظر آتا ہی، حالانکہ یہ باتین آلۂ ترغیب ہین!

وسیع ترین معنون مین ترغیب کا مفہوم یہ ہی کہ کسی نہ کسی طرح، خود کو، یا دوسرون کو کسی طرز عمل کی طرف مائل کیا جائے، اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو اپنے نفوس کو سمجھانا، دوسرونکو سمجھانا، یا جذبات اور تخیلات کی وساطت سے اونھین کسی کام کے کرنے پر ابھارنا، مقررونکی تقریرین، مصنفون کے مطالب، اشتہارات، باہمی مکالمت، اخبارات کی رائین، دوکان دارون کا سمجھانا، یہ سب باتین ترغیب کے وسیع حلقہ مین شامل ہین، اور اِنہی کی نفسیاتی تشریح ہماری کتاب کا مقصد ہی،

یون تو نفس انسانی کے پر اسرار اعمال کی واقفیت نتائج مفیدہ سے کبھی خالی نہین ہوتی، تاہم اِس کتاب کے مقاصد مین دو باتون پر خاص طور سے زور دیا گیا ہی،

(۱) ایک تو یہ ہی کہ خود ہمارا نفس بھی بعض اوقات ہم کو غلط راستونپر لے جاتا ہے اور ہمارے اطمینان کے لئے عجیب وغریب مکائد سے کام لیتا ہی، خود ترغیبی کے اِس مضر ترین اثر اکثر لوگ بلا تامل خراب افعال کر گذرتے ہین، صفحات آیندہ مین مناسب موقعونپر اسکی مثالین ناظرین کو نظر آئینگی، اِس کا جو علاج ممکن ہوسکتا ہی وہ یہی ہے کہ عقل انسانی کے متضاد فیصلون تناقضات جذبی، اور تخیلات کی ابلہ فریبیون سے لوگون کو واقف کر دیا جائے۔ واقف ہونا حالتِ شعور کو مستلزم ہے، اور شعور کا تقاضا اِن افعال سے باز رکھ سکتا ہی دوسرا باب تمام وکمال اِسی سے متعلق ہی،

(۲) دوسرا ضروری مقصد یہ ہی کہ عمل ترغیب کی اچھی طرح تشریح کرکے باطل ترغیبات کے

محرکات کو واضح کرکے، لوگون کو دوسرون کے پُر فریب ترغیبات سے بچنے کی تدابیر بتائی جائین۔
ترغیبی تحریرون اور تقریرون کا جتنا آجکل زور شور ہے، شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا، مسائل حاضرہ
کی کشاکش اور مختلف آرار کے ہجوم کا نتیجہ یہ ہے کہ زعمار قطعاً آزاد ہوگئے ہین، بعض حضرات
قیادت کی جدوجہد مین جہد للبقار کو بھی فراموش کرگئے ہین ہندوستانی پبلک بیدار ضرور ہوگئی ہے
چنانچہ قصبہ قصبہ سیاسیات کا چرچہ ہے لیکن یہ بیداری مکمل نہین ہے جس طرح کوئی شخص دیر کا
سویا ہوا بیدار ہوکر ہنوز اپنی آنکھین مل رہا ہو، اور اتنے مین ایک گروہ اوسکے چارون طرف
جمع ہوجائے، اور ہر شخص مختلف دلفریب مناظر کی تصویرین پیش کرکے یہ کوشش کرے کہ پوری طرح
بیدار ہوکر یہ میری ہی طرف متوجہ ہو، یا ایک اجنبی کسی نئے شہر مین وارد ہو، اور اوس کی
ناواقفیت سے فائدہ اُٹھاکر ہر شخص اوسے اپنی طرف مائل کرنا چاہے، بعینہٖ آج ہمارے ہندوستان
مین، ہندوستانیون کی نیم بیداری کی حالت سے فائدہ اُٹھانے کے لیئے مختلف گروہ موجود ہین
اور اسی فکر مین ہین کہ دیر کے سوئے ہوئے کو جو سکتے ہی اپنے بس مین لے آئین، کونسلون اور
میونسپلیٹیون کے انتخابات پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو ہمارے بیان کی کافی صداقت ہوسکتی ہے،

اس خرابی کا علاج یہی ہے کہ باطل ترغیبات (انفرادی اور جماعتی) کے خصائص سے
لوگون کو روشناس کرایا جائے۔ صحیح و باطل ترغیبات مین فرق بتلایا جائے، اور اون کے
جائز یا ناجائز ہونے کا ایک معیار قایم کیا جائے، دوسرے تیسرے اور چوتھے باب مین اسی کے
متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے، اور پانچوین باب مین اس ضمن مین اشتہارات اور اخبارات
کی ترغیب پر بھی تحقیق کی نظر ڈالی گئی ہے، ان دو اہم باتون کے علاوہ ناظرین کو اور بہت سے ضمنی
مباحث مثلاً سطوت، نفوذ مکتسب شخصیت، اشارات، موسیقی، نقاشی کے متعلق بھی کافی
مواد مل سکے گا، اور ترغیب مین اُن کی جداگانہ حیثیت، اور اون کے جائز یا ناجائز استعمال کا

طریقہ بھی معلوم ہو سکے گا، باب ہفتم مین کتب اور تقریرون کی ترغیب سے بحث کی گئی ہی اور اصل مین اسی کو عرف عام مین ترغیب کہا جاتا ہی،

اِس کتاب کی اصل اساس مسٹر میکفرسن کی کتاب Psychology of Persuasion ہے، لیکن ضرورت کے لحاظ سے حذف و اضافہ سے برابر کام لیا گیا ہی۔ ابواب کی ترتیب مین اصل انگریزی کتاب کی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے، لیکن بجائے نو کے آٹھ باب قایم کیئے گیئے ہین۔ اِس کتاب کے علاوہ اور کتب جن سے مدد لی گئی ہو حسب ذیل ہین۔

نمبر (۱) Psychology of Conviction Joseph Jastrow

نمبر (۲) Social Psychology Macdonell

نمبر (۳) فلسفۂ اجتماع، عبد الماجد صاحب

نمبر (۴) Psychology unconscious Jung

اِن کتابون سے حسب موقع مدد لی گئی ہی، مثالون کے لیئے بعض اخبارات و رسائل کی پرانی جلدون سے بھی اقتباسات لئے گئے ہین،

اگرچہ اصل انگریزی کتاب کا اکثر مقامات پر آزادانہ ترجمہ کیا گیا ہے، تاہم اس کتاب کو ترجمہ نہین کہا جا سکتا، اور وہ محض اِسلیئے کہ مؤلف ترجمہ کی پابندیون اور ذمہ داریون سے عہدہ برآ نہین ہو سکا ہی، نہ صرف یہ کہ اکثر مثالین ہندوستانی حالات سے لی گئی ہین، بلکہ جابجا اون خیالات کا اظہار بھی کیا گیا ہے جن کا انتساب مصنّف کی طرف جرم سے کم نہ ہوگا، مؤلف کے لیئے فخر کا مقام ہوتا اگر بجائے تالیف کے اِس کتاب کو ترجمہ کہا جا سکتا لیکن انگریزی ڈرامون اور ناولون کے اقتباسات یا انگریزی سیاسیات کی مثالین ہندوستانی مذاق پر بار ہوتین اور توضیح کا مدعا اون سے اتنا پورا نہین ہو سکتا جتنا کہ اپنے گرد و پیش کے واقعات اور

خود ہندوستان کی فرضی مثالوں کے استعمال سے ممکن ہو سکا ہی، تحریف اور تصرف خیالات کی یہ عبارتیں اس کتاب کو ترجمہ کہنے سے مانع آتی ہیں،

سب سے اخیر میں ایک ضروری عرض اس کتاب کے نام کے متعلق کرنا ہی، "نفسیات" پر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کو چھوڑ کر ہماری اُردو زبان میں صرف دو کتابیں (میرے خیال میں) لکھی گئی ہیں، اور وہ دونوں مولانا عبدالماجد صاحب کے قلم کی ہیں، لیکن ان کے نام "فلسفۂ جذبات" اور فلسفۂ اجتماع[1] ہیں، ان کتابوں کو "فلسفہ" کے لقب سے ملقب کرنے کی وجہ خاکسار مؤلف کی سمجھ سے باہر ہی[2]، ممکن ہی کہ یہ محض اس لیے کیا گیا ہو کہ نفسیات یا علم النفس اُردو داں حضرات کے لیے ایک غیر مانوس عنوان ہوتا، موجودہ کتاب کا عنوان "نفسیات ترغیب"، رکھا گیا ہے نفسیاتی تشریح کو فلسفیانہ نکتہ آفرینی نہیں کہا جا سکتا، ضرورت ہے کہ فلسفہ کا پردہ دور کیا جائے اور صحت تسمیہ کو اوس کے عام فہم اور قابل قبول ہونے پر قربان نہ کیا جائے، اُمید ہے کہ آیندہ جب کبھی بھی ہمارے مصنفین نفسیات کے متعلق کچھ لکھیں گے تو اس کا ضرور لحاظ رکھیں گے۔ کب تک لوگوں کو نفسیات کے نام سے ناآشنا رکھا جائے!

---

[1] ان دونوں سے بہت قبل، پروفیسر انعام علی صاحب بی اے نے ۱۸۸۵ء میں "علم النفس القویٰ" کے نام سے لاہور میں اس فن پر ایک رسالہ شایع کیا تھا، میری نظر سے یہ کتاب فلسفۂ جذبات و فلسفۂ اجتماع دونوں کی تالیف کے بہت بعد گزری، (عبدالماجد)

[2] اُردو میں فلسفہ کے دو مفہوم ہیں ایک وسیع مفہوم جس میں ہر عقلی توضیح و تشریح پر فلسفہ کا اطلاق ہوتا ہی، دوسرے محدود اصطلاحی مفہوم جس میں فلسفہ علم کی ایک مخصوص صنف کا نام ہی، ان کتابوں کے عنوانات میں فلسفہ ایسے عام و وسیع مفہوم میں استعمال کیا گیا ہی، اس کے علاوہ نفسیات کو بھی اُس وقت فلسفہ ہی کی ایک شاخ مانا جاتا تھا، اس لحاظ سے نفسیات کی کتاب کو فلسفہ کی کتاب کہنا اسی طرح درست تھا جس طرح فن تشریح کی کتاب کو طب کی کتاب کہنا،

(عبدالماجد)

اِس کتاب کی خامیون کے متعلق جو صائب رائے دیجائے گی شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی، ترتیب خیالات، انشار، مثالین، اور ایسی ہی دوسری باتون کے متعلق اگر ناظرین مؤلف کو اپنی قیمتی ہدایات سے مطلع فرمائین تو اوس کی شکوری کا باعث ہوگا۔

ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ایڈیٹر معارف کی مختلف عنایات پر اظہار ممنونیت نہ کیا جائے، جناب موصوف نے نہ صرف اپنے قابلِ قدر مشورہ سے سرفراز فرمایا ہی، بلکہ موجودہ کتاب کے پہلے دو ابواب کو معارف سے نقل کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی ہی، مجھے فخر ہی کہ یہ کتاب دار المصنفین کی علمی سرپرستی مین شایع ہورہی ہے۔ ع

بلبل ہمین کہ قافیہ گل شود بس ست

۱۹ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء
کلیہ عثمانیہ، اورنگ آباد، دکن

خاکسار مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

عملِ ترغیب کی ماہیّت اور اوسکے اجزائے ترکیبی

ترغیب کی تعریف، عملِ ترغیب کی نفسیاتی تشریح، ترغیب کے عناصرِ ثلاثہ، جذبہ، ذہن، تخیّل، عملِ ترغیب مین اِن تینون کا حِصّہ

جذبہ اور استدلال کا تعلق،

اِنسان اور دیگر حیوانات مین اگر کوئی شے مابہ الامتیاز ہوسکتی ہے تو وہ تعقل اور استدلال کا مادّہ ہے، جو قدرت نے اِنسان مین ودیعت رکھا ہے، اور جس سے مؤخر الذکر محروم ہین، اِسی بنا پر حضرتِ اِنسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کا خطاب دیئے بیٹھے ہین، اور حیوانات کو جو جذبہ اور فطرت کی تحریک سے مجبور ہو کر فی الفور کوئی کام کر گذرتے ہین نظرِ حقارت سے دیکھتے ہین، اور خود اُن کی جنس کا کوئی فرد اگر مغلوب الجذبات ہو کر، بغیر منطقی دلائل سے کام لیئے ہوئے، کوئی فعل کرتا ہے، تو اُسے اِنسانیت سے دُور، اور صِفاتِ بہیمیہ سے متّصِف قرار دیتے ہین، زیادہ مقامِ تعجب یہ ہے کہ عوام سے قطعِ نظر، خود

قدیم ماہرین نفسیات بھی ہماری زندگی کے عقلی و استدلالی رُخ سے بحث کرتے رہے ہین،
بہرحال کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانۂ موجودہ مین جو زبردست اضافۂ معلومات نفسیات مین
ہوا ہی، اوس مین سے ایک یہ بھی ہو کہ انسانی زندگی مین جذبات اور دیگر جبلی رجحانات سے
بحث کر کے اون کی اہمیّت کے لحاظ سے اون کو ایک علیحدہ رُتبہ دیا گیا ہے، اور پہلے کی طرح
عقل اور استدلال کی قربان گاہ پران صفات انسانی کی بھینٹ نہین چڑھائی گئی ہی،
عقل اور استدلال کو خاص صفت انسانی تو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے،
کہ کتنے فیصدی انسان ایسے ہین جو روزانہ اپنی زندگی مین پہلے ٹھنڈے دل سے کسی فعل کے
مختلف پہلوؤن پر نظر ڈالتے ہون، اور پھر وہ فعل کرتے ہون؟ برخلاف اس کے کیا یہ واقعہ
نہین ہو کہ انسان کے ہر فعل کی تہ مین، خواہ اُس مین ظاہرا کتنی ہی منطق اور استدلال سے
کام کیون نہ لیا گیا ہو، ہمیشہ ایک نہ ایک جذبی یا جبلّی محرک کام کرتا رہتا ہی کیا ایسا کرنا
طبائع انسانی کے لیئے باعث ننگ ہی؟ کیا جذبات کی تحریک، یا فطرت کے غلبہ سے متاثر ہو کر
کوئی فعل کرنا انسان کو بہیمیت کے الزام کا سزاوار بنا دیتا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ایسا نہین ہے،
کیا بسا اوقات فوری کام کرنا، اور عقلی اُدھیڑ بُن مین نہ پڑنا، انسان کو فرائض انسانیت کی
ادائیگی مین مدد نہین دیتا؟ کیا جذبات کی فوری تحریک صیانت حیات انفرادی و ملی مین
ہماری معاون نہین ہوتی؟ ایک محتاج تم سے بھیک مانگتا ہے، تمھارے لیئے جذبۂ ترحم سے
مجبور ہو کر فی الفور خیرات دینا زیادہ مستحسن ہے، یا یہ کہ استدلال اور منطق سے بحث کی جائے،
معاشیات کے مسائل پر غور کیا جائے، اور بالآخر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ اوسے خیرات دینا
اوس کو مجہول بنانا، اور قوم کے ناکارہ افراد کی تعداد مین اضافہ کرنا ہے؟ اس سے کوئی
انکار نہین کر سکتا کہ جذبات اپنی شدت اور قوت کے اعتبار سے بعض اوقات ہم پر حاوی

ہوجاتے ہین، اور اکثر لغزشین اون کی کورانہ تقلید کی وجہ سے سرزد ہوتی ہین۔ ہم اس سے بھی انکار نہین کرتے کہ جرائم بھی زیادہ تر غلبۂ جذبات ہی کا نتیجہ ہوا کرتے ہین، لیکن اِس حقیقت کے اظہار سے بھی ہم باز نہین رہ سکتے کہ اگر کوئی چیز فنون لطیفہ یا سائنس کا منبع اور زندگی کی بہترین نعمات (رحم۔ ہمدردی۔ حب الوطنی اتفاق وغیرہ) کے لیے وسیلہ ثابت ہوسکتی ہے تو وہ چیز جذبہ ہے نہ کہ دلیل منطقی محض ارسطو اور مل کے بنائے ہوئے اصول پر دنیا نہین چل سکتی ؎

ہر چند عقل کل شدۂ بے جنون باش | با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است

جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین اِس مین شک نہین کہ ہماری فطرت کے عناصر ترکیبیہ مین جذبات کی حیثیت غیر استدلالی ہے یعنی یہ کہ استدلال اور تعقل سے اُن کو کوئی علاقہ نہین ہوتا لیکن جذبات کا غیر عقلی ہونا، اون کے مخالف عقل ہونے کو مستلزم نہین ہے، جذبہ عقل اور دلیل کی ضد نہین ہے، اور اس کی تحریک استدلال سے بے نیاز سہی، لیکن سراسر مخالف عقل بھی نہین ہے کہ ہماری آنکھون پر جہالت کا پردہ ڈالکر ہم کو اندھے کنوئین مین ڈھکیل دے، اِس باب مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ عمل ترغیب بالاصل ایک جذباتی عمل ہے جو بجائے عقل کے ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلت کے زیادہ زیر نگین ہے، ترغیب کا جذباتی عمل ہونا اِس امر کی کافی توجیہ کردے گا، کہ لوگ اِس سے متاثر ہو کر یا دوسرون پر اِس کا اثر ڈالکر کیونکر دھوکے کھاتے یا فریب دیا کرتے ہین، تاہم ترغیب کی اِس خاصیت کی بنا پر کہ یہ مداہتہً جذبات پر منحصر ہے، اِس کو استدلال عقلی کا مخالف اور اسلیئے قابل تحقیر ٹھہرانا، غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے،

ترغیب کی اساس، **ترغیب کا** خواہ ذاتی ہو یا صفاتی، ہر حال مین آغاز کسی نہ کسی خواہش یا

یا اعتقاد سے ہوتا ہے، جب کبھی کسی مسئلہ پر ہمارا کوئی ذاتی اعتقاد ہوتا ہے، یا کسی خاص طرز عمل کی پیروی کی خواہش ہمارے دل پر مسلط ہوتی ہے تو ہم فوراً اپنے اعتقاد کو حق بجانب اور اوس کی وجہہ سے جو افعال سرزد ہوں اون کو مستحسن ثابت کرنے کی کوشش مین منہمک ہو جاتے ہین، یہ اِس صورت مین ہوتا ہی جبکہ ترغیب موضوعی یا ذاتی ہو، یعنی خود اپنے نفس کو دیجا رہی ہو، معروضی یا صفاتی ترغیب مین بھی، جو دوسروں کو دیجاتی ہے، عمل ترغیب کے آغاز کی حد یہی "اعتقاد" یا "خواہش" ہوا کرتی ہے، دیکھو جب ایک خطیب منبر پر سے دریائے فصاحت بہاتا ہے، یا ایک سیاسی مقرر کسی مقصد کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے اپنے سامعین کے دلون کو ہلا دیتا ہے، یا ایک مدبر سلطنت ایوان مباحثہ مین گرمی استدلال سے اپنے مخالفین کو لاجواب کر دیتا ہی، تو ہر صورت مین آغاز گفتگو سے قبل، اِن حضرات کے دماغ مین کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیولی موجود ہوتا ہے، جو ان کے دلائل و براہین کے لیے سرچشمہ کا کام دیتا ہے، اور جتنی زیادہ وضاحت اور تیقن کے ساتھ یہ خواہش یا اعتقاد ان کے دماغ مین موجود ہوتا ہی، اوسی اعتبار سے اون کی ترغیب کم و بیش موثر ہوتی ہی، خود ترغیبی مین بھی کسی نہ کسی خواہش یا اعتقاد کا ہیولی قبل از قبل موجود رہتا ہے، جس کو بجا ثابت کرکے، اوسپر عمل کرنا ترغیب ذاتی کا اصل مقصد ہوتا ہے،

منطق اور ترغیب کا فرق، | **ترغیب** مین چونکہ سمجھا کر دلائل و براہین کے استعمال سے لوگون سے کسی بات کے منوانے کا سوال ہوتا ہے اسلیئے اکثر لوگ خیال کرتے ہین کہ اس مین اور دلائل منطقی مین کوئی فرق نہیں، یہ غلط ہی، پہلی بات تو یہی ہے کہ دلائل کے استعمال کے علاوہ اور طریقون سے بھی ترغیب دی جا سکتی ہے، جیساکہ ہم آگے چل کر دیکھین گے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ترغیب مین ایک نہ ایک اعتقاد قبل از قبل موجود رہتا ہے، جسے بجا ثابت کیا جاتا ہے، حالانکہ منطق کے معنی تو یہ ہین کہ آزادانہ اور منصفانہ کسی نتیجہ پر پہونچا جائے، سوء ظن، یا حسن ظن کا اس مین دخل نہین ہوتا،

ہر استدلال کی غایت یہ ہوتی ہے کہ یا تو دو واقعات مین علاقہ سببیت دریافت کیا جائے، یا کسی واقعہ کی توضیح کرکے عقل یا نقل سے اُسے ثابت کیا جائے، فرض کرو تمہارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ایک مُوم بتّی بعض حالات کے ماتحت روشن رہ سکتی ہے، اِس کا ثبوت متعدد تجربات دکھانے اور پھر دلیل استقرائی سے کام لینے سے بہت آسانی کے ساتھ فراہم ہو سکتا ہے، اِتنی بات تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ ہر منطقی اور عقلی بحث کا اصل مقصد صحیح نتیجہ تک پہونچنا ہوتا ہے نہ کہ کسی نتیجہ کا قبل از قبل تعین کرکے اوس کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ منطقی بحث کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مفروضہ نتیجہ قائم کرکے، اوس کے ثبوت کی کوشش کرتے ہین؟ لیکن پھر بھی یہ نتیجہ فرضی ہے، اگر ثابت ہو گیا تو فبہا ورنہ دوسرا مفروضہ قایم کرکے بحث کا آغاز کیا جاتا ہے منطقی دلیلون سے مظاہر قدرت کی توجیہ یا اون کے ثبوت مین بہت کچھ مدد ملتی ہی اسلیے کہ اون مین تجربہ کا امکان ہے، مگر انسانی اُمور مین بالخصوص اِنسانی ترغیبات مین منطقی طریقون سے کام لینا ذرا دشوار ہے، ہم یہ نہین کہتے کہ اِنسان دلائل سے کام ہی نہین لیتا نہین، بیشک لیتا ہے، خاصکر دوسرون کے افعال کی اچھی طرح چھان بین کرتا ہے، دو ممکنہ صورتون مین سے کسی ایک کا انتخاب اون کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کے بعد کرتا ہے، دوسرون کے بتلائے ہوئے نتیجون کو بغیر کافی جرح و تحقیق کے قبول نہین کرتا، یہ سب کچھ ہے لیکن عملِ ترغیب بہ نسبت اِس منطقی طریقہ کے زیادہ عام ہے، بجائے اس کے کہ بحث کے بعد کسی عقیدہ کو صحیح یا غلط قرار دیا جاے، پہلے کسی خواہش یا اعتقاد کو تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر بحث کی جاتی ہے۔ جو بالعموم یک طرفہ ہوتی ہے، منطق اور ترغیب کے طریقون مین یہی وجہ باعثِ اختلاف ہی،

اِنسان اور انسانیت کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے راسخ اعتقادات ہوتے ہین وہ صرف استدلال کا نتیجہ نہین ہوا کرتے، بہت سے غیر شعوری اثرات، بہت سے غیر استدلالی

اسباب اپنا عمل کرتے رہتے ہین، اور ہمارے معتقدات پر اثر ڈالتے ہین، اپنے کسی اعتقاد کو ٹٹولو اوس کا اچھی طرح جائزہ لو، تو تم کو معلوم ہوجائے گا کہ اس کو تسلیم کرنے کی وجہ بجز اس کے تمھارے پاس اور کچھ نہین ہو کہ تم اس کو اپنی مخفی خواہشات کے موافق پاتے ہو، یا اسکی وساطت سے تشفی جذبات کرسکتے ہو، یا ماحول اور تعلیم کے اثر کی وجہ سے یہ اعتقاد تم مین سرایت کرگیا ہے، یا یہ ہی اعتقاد تمھارے آبا و اجداد کا تھا، اور تمھارے ہمسایون کا بھی ہے، لہذا تم اسکو مانتے ہو، اب نظر انصاف سے دیکھو کہ اس اعتقاد کے تسلیم کرنے مین تم نے کس حد تک منطق اور استدلال سے کام لیا، کیا اب بھی تم کو یہ ماننے مین تامل ہوگا کہ اس اعتقاد کے متعلق جو کچھ عمل غیب ہوا خواہ خود تمھارے نفس نے تم کو ترغیب دی ہو، یا دوسرون نے، وہ تمھارے شعور سے کم و بیش باہر رہا، ترغیب ذاتی کی بنا کوئی نہ کوئی ایسی خواہش یا اعتقاد ہوتا ہے جو ہمارے لیئے خارج از شعور رہے، بسا اوقات کل عمل ترغیب نفس کی لاعلمی اور حالت بیخودی مین واقع ہوتا ہے۔ ہم صریحاً اپنے آپ کو کسی فعل کی ترغیب دیتے ہین، لیکن نفس واقف نہین ہوتا، ہمارے شعور کی خُردہ گیر نظرین وہان تک نہین پہونچتین، مخفی جذبات اور خواہشات کی تحریک ہم کو ادھر جا ہتی ہیجاتی ہے یہ تو ترغیب ذاتی مین ہوتا ہے، لیکن جب ہم دوسرون کو ترغیب دیتے ہین تو اگرچہ اوس کی محرک بھی کوئی نہ کوئی اعتقاد یا خواہش ہی ہوتی ہی، تاہم یہ ہمارے شعور مین ہوتی ہے، ہمارا نفس نہ صرف اس سے واقف ہوتا ہے، بلکہ دیدہ و دانستہ ایک خاص ترتیب و انتظام کو مدنظر رکھکر دوسرون پر اپنی خواہش کا سکہ جمانا چاہتا ہے، خلاصہ یہ کہ خواہ ترغیب ذاتی ہو، یا صفاتی، ہر صورت مین اوسکا مدعا یہ ہوتا ہے، کہ اون اعتقادون اور خواہشون کو جن کو ہم بیرارادہ یا بالارادہ قبول کرچکے ہین اپنے نفوس سے اور دوسرون کے نفوس سے بھی منوا دیا جائے، تاکہ وہ ہمارے شریک خیال یا شریک عمل ہوجائین،

ہم نے اب تک ”اعتقاد“ اور ”خواہش“ ان دو الفاظ کا استعمال اس طرح کیا ہے گویا یہ مترادف الفاظ ہیں۔ اگرچہ عام گفتگو میں یہ الفاظ مختلف معنی رکھتے ہیں، لیکن جہاں تک ترغیب کے نقطہ آغاز کا تعلق ہے اُن کی حیثیت اور انکا مفہوم ایک ہی ہے جس کیفیت نفس سے ترغیب کا آغاز ہوتا ہے، اوس مین دو عناصر پائے جاتے ہیں، ایک عنصر ذہنی ہوتا ہے اور اسے ہم لفظ اعتقاد سے تعبیر کرتے ہین، دوسرا عنصر ”ذہنی“ نہین بلکہ زیادہ تر عملی ہوتا ہے یعنی اِس کا تعلق کم و بیش انسانی طرز عمل اور افعال سے ہوتا ہے، اِس عملی عنصر کو ”خواہش“ کا نام دیا جا سکتا ہے، کہنے کو تو دونوں میں مذکورہ بالا فرق ضرور ہے، لیکن ترغیب کی اساس دونون یکسان طور پر بن سکتے ہین، فرض کرو کہ ایک سیاسی مقرر ہندوستان مین سوراج کے مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہے، اور لوگون کو اُس کے حصول کے لیے آئینی جدو جہد، کی تلقین کر رہا ہے، اِس کی ترغیب کی اساس جو شے ہے اُسے خواہش یا اعتقاد دونون نام دیئے جا سکتے ہین، اِس کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کو سوراج ملنا چاہیئے، نیز اس کی خواہش ہے کہ ہندوستان کو سوراج ملجائے، دونون کے دونون یکسان طور پر ہمارے مقرر کے دلائل کا سرچشمہ بن سکتے ہین، دونون مین مخاطبین کے کسی آیندہ طرزِ عمل یعنی آئینی جدوجہد کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، مقرر کا منشا یہ ہے کہ اپنے سامعین کو اس طرز عمل کی پیروی کرنے کی ترغیب دے،

ترغیب کا اثر اعمال و افعال انسانی پر

مسئلہ ترغیب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین طرز عمل، اور افعال انسانی سے کم و بیش بحث ضرور ہوتی ہے، مثال کے طور پر مہاتما گاندھی کے ترک موالات کی تحریک کو لو، اونھون نے نہایت غور و خوض کے بعد، یا کسی ہمدردانہ جذبہ کی تحریک سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہمارے قومی تمول اور ترقی کے لیئے اگر کوئی آلہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے تو ترک موالات ہے، اس اعتقاد سے آغاز کر کے اونھون نے ”ترغیب“ یا اصطلاحی زبان مین کار تبلیغ و اشاعت شروع کیا اور ایک شخص مسمی زید کو ترغیب دی کہ ترک موالات ضروری ہے، اب اگر ہمارا فرضی زید مہاتما گاندھی کی موجوگی

مین ایسے کو ترک موالات کا حامی ظاہر کرے، اور اُسی روز اپنے بچون کے لیے ولائتی کپڑا خریدے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب کامیاب ہوئی؟ ہرگز نہین، اگر ترغیب کامیاب ہوتی تو زید کے طرز عمل مین بھی کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور پیدا ہوتی، اچھا اب فرض کرو کہ مہاتما جی کی تقریر نے زید کی قوت تخیلہ پر قبضہ پا لیا ہے ان کے طرز بیان نے اِس کے جذبات پر اثر کیا، اور اون کے استدلال نے اُسے اون کی تجویز کی معقولیت کا قائل کر دیا، اب زید کی کیا کیفیت ہوگی، دیکھو وہ ولائتی کپڑے کی دوکان کی طرف جا رہا ہے ارادہ ہے کہ کچھ کپڑا خریدے، جا تو رہا ہے لیکن دِل مین خیالات کا ہجوم ہے، مہاتما جی کے یہ الفاظ:-

"بھائیو اپنے دیس کا کپڑا خریدو، اِس سے تمھارے غریب بھائیون کا بھلا ہوگا تمھاری قومی دولت تمھارے ہی دیس مین رہیگی"

اوس کے کانون مین گونج رہے ہین، ان خیالات نے زید پر اثر کیا اور وہ دفعتہً رک گیا کچھ دیر سوچتا رہا، اور پھر واپس لوٹ آیا، اب البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ مہاتما جی کی ترغیب موثر ہوئی، کیونکہ نہ صرف زید کا اعتقاد یا اوس کی خواہش بلکہ اوس کے طرز عمل اور افعال پر بھی اثر ہوا،

ترغیب مین طرز عمل پر اثر کرنے کی ایک خاص صفت ہی، اِسی وجہ سے مسئلۂ ترغیب کی اہمیت بہت کچھ ہے اور اپنے ابنائے ملک و وطن کو باطل ترغیبون کے مُضر اثرات سے بچانا یا اون کو اچھے طرز عمل کی پیروی کی ترغیب دینا ہر وطن خواہ کا فرض ہے،

ترغیب کے عناصر ترکیبی (۱) عذبات و عادات کا عمل، **ہماری ترغیب کی** اساسی خواہشات اور اعتقادات اور مستقبل کے طرز عمل کا ہیولیٰ قائم کرنا یہ فطرت انسانی کے جذبی عناصر پر منحصر ہے جملہ محرکات عمل کی تہ مین کسی نہ کسی جبلی خاصہ، جذبہ، یا جوش کا پایا جانا لازمی ہی، یہ اندرونی قوتین ہماری ترغیب کو قوت پہونچاتی ہین اور ہمین ایک خاص طرز عمل کی طرف لیجاتی ہین، ہم ہرگز

کسی ایسے اعتقاد یا خواہش کو قبول نہین کر سکتے، نہ کسی ایسے طرز عمل کی پیروی کر سکتے ہین جو ہمارے جذبات کا ہم آہنگ نہ ہو، ایک شخص دوران جنگ مین اپنی خدمات فوج مین پیش کرتا ہے، ہمارے دوست کی اِس خواہش کو خدا معلوم کون کون سے جذبات تحریک دے رہے ہون، ممکن ہے کہ ایک بدمزاج بیوی سے پیچھا چھڑانے اور چند روز اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے شوق مین اِس نے وطن چھوڑنا گوارا کیا ہو، ممکن ہے کہ نام آوری اور اپنے ہم چشمون مین ممتاز حیثیت رکھنے کے شوق نے اِس کو آمادہ کیا ہو، یا اس کے دِل مین سیر و سیاحت کا خیال جاگزین ہوا ہو، ہو سکتا ہے کہ مذکورۂ بالا صورتوں مین سے کوئی بھی نہ ہو، بلکہ خالص جذبۂ حب الوطنی سے متأثر ہو کر یا ادائیگی فرائض انسانی کے جوش مین اِس نے فوجی ملازمت کی نیت کی ہو، بہرحال کوئی بھی صورت کیون نہ ہو، اِس خواہش کی تکمیل کے لیئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ علاوہ ذہنی اور خارجی اثرات کے اِسکے دِل پر کوئی نہ کوئی جذبی تحریک مسلط ہونی چاہیئے، خواہ اوس کی قوت محرکہ کم ہو یا زیادہ، اس کی موجودگی لازمی ہے، ترغیب کی کامیابی کا جذبی تحریکات پر یہ لازمی انحصار، اوس مین اور منطق مین ایک اور اختلاف کا بھی پتہ دیتا ہے، اور وہ یہ ہو کہ منطق مین جذبات کا شائبہ قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ترغیب مین اِسکی موجودگی ضروریات مین سے ہے،

ترغیب اور منطق مین بادی النظر مین تھوڑی سی مشابہت بھی پائی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ دونوں مین فیصلون کا وجود ہوتا ہے، غور سے دیکھا جائے تو یہ مشابہت بھی محض سطحی ہے حقیقی نہین، اسلیئے کہ دونون کے فیصلون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، منطق کے فیصلہ باہم مربوط، توالی و تواتر لیئے ہوئے ہوتے ہین، برخلاف اِسکے ترغیب کے نام نہاد فیصلون مین توالی و تواتر تو درکنار باہمی ربط کا پتہ بھی نہین ہوتا، اگر اون مین یہ صلاحیت ہو کہ ہمارے

پیش از پیش قرار دادہ نتیجہ تک ہم کو پہونچا دین، تو وہ قابل قبول خیال کیئے جاتے ہین، خواہ ایک فیصلہ دوسرے سے متضاد ہی کیون نہ ہو، اگر یہ صلاحیت نہو، تو اونھین رد کر دیا جاتا ہے، غرضکہ ترغیب مین فیصلے یک طرفہ ہوتے ہین، فریق ثانی کی آواز پہ خواہ وہ کتنی ہی منصفانہ کیون نہو کان نہیں دھرے جاتے۔ ع

راحت مین جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

ہم ذیل مین ترغیب ذاتی، کی ایک مثال درج کرتے ہین جس سے فیصلون کا یک طرفہ عمل اچھی طرح سے ظاہر ہوجاتا ہے،

"انگلستان کے ایک مشہور اخبار نے کسی عورت کا قصہ لکھا تھا جس پر دھوکہ دینے کے الزام مین مقدمہ چلایا گیا تھا، واقعہ یہ تھا کہ اس عورت کی چند نوجوان فوجی افسرن سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی اور اب اُس کو یہ فکر ہوئی کہ ان لوگوں سے ربط وضبط بڑھ جائے تاکہ سوسائٹی مین شہرت حاصل ہو، چونکہ روپیہ کی طرف سے عاجز تھی اور اچھا لباس اس قسم کی ملاقاتون کے لیئے ضروری تھا اسلیئے ترکیب یہ سوچی گئی کہ چند مشہور دوکانون میں جاکر اپنے آپ کو سربرآوردہ لوگون کا رشتہ دار ظاہر کیا جائے اور قرض سامان وصول کیا جائے، چند روز اس طرح کام چلتا رہا، بالآخر جب دوکاندارون نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ معزز لوگون سے رشتہ تو درکنار یہ عورت ان سے تعارف بھی نہین رکھتی، بالآخر فریب دہی اور دغا کے الزام مین گرفتار ہوئی"،

اس مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ اس عورت نے جو ترغیب اپنے نفس کو جھوٹ اور دھوکہ دیے کی دی، اوس کا آغاز اس اعتقاد سے ہوا کہ "فوجی افسرون سے دوستی قائم رکھنے کے لیئے اچھا لباس ناگزیر ہے"، خود اوس عورت نے جو بیان عدالت کے روبرو دیا اوسمین ظاہر کیا کہ "گذشتہ دو ہفتون سے میرا تعارف چند فوجی افسرون سے ہے اور اس تعارف کو

بڑھانے کے لیئے مین نئے اچھا لباس حاصل کرنے کی خواہش کی،، سب سے زیادہ توجہ طلب بات اِس مثال مین یہ ہے کہ جیسے ہی یہ اعتقاد اِس کے دماغ مین جاگزین ہوا اور "خود ترغیبی" کا آغاز ہوا ویسے ہی اسکے شعور نے ہر اس خیال کو جو کسی طرح بھی اِس مقصد کے حصول مین حائل ہوتا ہٹانا شروع کیا اور صرف وہی دلائل اور فیصلے قبول کیئے گیئے جو تشفی جذبات کے مخالف نہ تھے،

یہ تو خیر خود ترغیبی کی مثال ہوئی، دوسرون کو جو ترغیب دیجاتی ہے، اوس مین بھی یہی عمل ظہور پذیر ہوتا ہے، ہر مقرر جس کا مقصد لوگون کو ترغیب دینا ہوتا ہے، اِس قسم کے فیصلون سے کام لیتا ہے، اور اون مین صرف اوسی حد تک باہمی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے جہانتک کہ وہ مقصد بر آری مین مفید ثابت ہون، یہ ہی وجہ ہے کہ اون حضرات کی ترغیبانہ تقریرین جو اپنے آپ کو مُبلّغ کہتے ہین خواہ بظاہر کتنی ہی متین اور سنجیدہ کیون نہ ہون لیکن پھر بھی ایسے دلائل رکھتی ہین جو تشفی جذبات تو کر سکتے ہین لیکن کسی منطقی اِستدلال کی تاب نہین لا سکتے اگر تمھاری ترغیب کا منشا یہ ہے کہ تمھارے مخاطب تمھارے حسب خواہش عمل کرین تو اوس وقت تک یہ ترغیب کارگر نہین ہو سکتی جبتک کہ یہ مجوزہ عمل اُن حضرات کے جذبات کی تشفی نہ کر سکے، جن فیصلون سے عمل ترغیب مین کام لیا جاتا ہے وہ یا تو رغبت و رضامندی کے مظہر ہوتے ہین، یا ناراضی کے، اگر ہمارا فیصلہ اظہار رضامندی کر رہا ہے تو یقیناً اُس کی تہ مین تعریف، احسان، عزت، خودداری، حب الوطنی یا اسی قبیل کے دیگر جذبات پائے جائین گے برخلاف اِس کے ایسے فیصلون کی تہ مین جو ناراضی کے مظہر ہین، ندامت، ملامت، نفرت، غصہ یا خوف وغیرہ کا لگاؤ پایا جائیگا، ابتک ہماری بحث اون جذبات سے رہی ہے جو محرک ترغیب ہوتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ وجدانات مین یہ صلاحیت کہانتک پائی جاتی ہی،

وجدان اور عمل ترغیب۔ | **جذبات اور وجدانات** مین نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے یہ فرق ہی

کہ اولی الذکر ہمارے اون الہامات فطری کا نتیجہ ہیں جس کا تعلق استیثار یا ایثار سے ہوتا ہے
ان کا دور دورہ بہت تھوڑی مدت تک رہتا ہے، اور اُنکے اثرات عارضی ہوتے ہین۔ جذبات
کی تحریک فوری ہوتی اور بہت کچھ پُرزور بھی، لیکن ان کی قوت بہت جلد زائل ہوجاتی ہی
اور اسی وجہ سے ان کی تحریک سے جو افعال سرزد ہوتے ہین، اون مین قیام، ارادہ اور تنظیم کا
وجود نہین ہوتا، ترغیب کا اثر جذبات کے لیئے بانگ جرس کا حکم رکھتا ہی، اور خوف، غصہ، نفرت
استعجاب، محکومیت، حکومت، توصیف، دہشت، عظمت، کراہیت، تنفر، غرضکہ تمام جذبات
کی فوج خفتہ ترغیب کی تحریک پاکر کمربستہ ہوجاتی ہی اور ہمارے عقیدون، خواہشون۔
اور افعال کو اپنے زیرنگین کرنے اور اس طرح ترغیب کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتی ہے
وجدان مختلف جذبات کے منتظم مجموعہ کا نام ہے، اور اتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مختلف جذبات
انفرادی طور پر اتنے زبردست محرک نہین بن سکتے جتنے کہ اوس حالت مین ہوتے ہین، جب
یہ سب کے سب کسی وجدان کے حلقہ مین ایک خاص نظام ترکیبی کے ساتھ موجود ہون، اور
ان مین تنظیم و ترتیب پائی جاے۔ ذیل کی مثال سے جذبہ اور وجدان کی اہمیت ظاہر ہوجائیگی۔

فرض کرو ایک مقرر کسی مجمع کے رُوبرو جنگ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور لوگون کو
ترغیب دے رہا ہے کہ ملک اور بادشاہ کی حفاظت کے لیئے اپنی اپنی خدمات بحیثیت رضاکار
پیش کرین، مقرر کی اس ترغیب کی بُنیاد حُبّ الوطنی ہے، اور اس وجدان سے مدد لیکر وہ سامعین کو
اپنے حسب منشا عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، چونکہ وجدان حبّ الوطنی مین بہت سے جذبات
مجتمع ہین لہذا ہمارا مقرر مختلف طریقون سے ترغیب دے سکتا ہے، اپنے سامعین کے سامنے یہ
بیان کرے کہ "دشمن کی قوت زبردست ہے، وہ ہمین فتح کرنے کی قدرت رکھتا ہے، ہمارے
پاس اوس کے مقابلہ کے لیئے فوج نہین اور جبتک آپ لوگ مدد نہ دین انجام شکست و تباہی ہے"

وہ اون کے خوف اور تردد کے جذبات کو بیدار کرسکتا ہے کبھی یہ کہکر "دشمن نے ہماری عورتون کی عصمت دری کی، ہمارے بچون کو تہ تیغ کیا ....." وہ سامعین کے جذبات رحم، نفرت، ملامت اور دہشت کو برانگیختہ کرسکتا ہے، کبھی اس طرح اپیل کرکے "کیا آپ لوگ دشمن کو بغیر انتقام لیے چھوڑ دینگے، کیا ہماری تباہ شدہ کھیتیان، مسمار عمارات، یہ سب بغیر بدلے کے رہینگے" وہ غصہ اور انتقام کے جذبات کو اشتعال دیسکتا ہے، کبھی اسلاف کی شاندار روایات یا دیگر اقوام کے کارنامہ سنا کر وہ جذبۂ غیرت اور خودداری کو جوش مین لاتا ہے، اب دیکھو کہ مذکورۂ بالا نو جذبات مین سے ہر ایک فرداً فرداً ہمارے مقرر کے حسب خواہش طرز عمل کا محرک بن سکتا ہے، لیکن جب یہ ہی گوناگون جذبات کسی ایسے وجدان (حُبّ الوطنی) کے اجزائے ترکیبی ہوتے ہین جو سالہا سال بلکہ صدیون کی سماجی زندگی کا نتیجہ ہے تو اون کی مشترکہ قوت بہت کچھ ہو جاتی ہے، اون اعتقادات کی جو زمانہ کے اثر سے پختہ ہو کر روایات بن گئے ہین، اہمیت عمل ترغیب مین بہت زیادہ ہے، اور ضم شدہ جذبات اِن انفرادی جذبات سے کہین زیادہ موثر ہوتے ہین جو آندھی بگولے کی طرح اٹھتے ہین، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اپنی قوت سے خود ہی فنا ہو جاتے ہین،

جذبات اور وجدان کی ترغیب مین جداگانہ اہمیت ہے، لیکن سب سے زیادہ ضروری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ خواہ جذبہ ہو، یا وجدان یا اور کوئی اندرونی محرک، ترغیب مین جذبی عنصر لازماً پایا جاتا ہے، اگرچہ اِس کا محل ظہور اور اِس کی ظاہری حیثیت کچھ ہی کیون نہ ہو، یہ جذبی عنصر کبھی "الہام فطری" کہلاتا ہے کبھی "رجحان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کبھی اپنے اصلی لباس مین بحیثیت جذبہ کے نمودار ہوتا ہے، کبھی وجدان مین نظر آتا ہے ؎

به هر رنگے که خواهی جامه می پوش — من اندازِ قدت را می شناسم

غرض یہ کہ اوسکا پایا جانا ضروریات مین سے ہے اور اگر عمل ترغیب کو صورت نہین تو یہ اوس کا

ہیولی ہے، چراغ فرض کرین تو اوس کا نور ہے، سائنس خیال کرین تو یہ اسکی اولیات مین سے ہے،

ترغیب کا دوسرا عنصر ذہن کا عمل،

ابتک ہم نے عمل ترغیب مین جذبہ کے وجود سے بحث کی ہے، لیکن عنصر جذبی کا وجود عنصر ذہنی کے عدم کو مستلزم نہین ہے، اور یہ قیاس کرنا کہ ترغیب مین کسی ذہنی عنصر کا وجود نہین ہوتا غلطی ہوگی، ہم بتا چکے ہین کہ ترغیب کے فیصلے مظہر رضامندی یا رغبت ہوتے ہین، یہ کہنا ہی اون مین عنصر ذہنی کے شائبہ کا پتہ دیتا ہے، آیندہ سطور مین اِس عنصر سے بحث کیجائیگی، اور عمل ترغیب مین اِس کا حصّہ دیکھا جائے گا، پہلے اوس کے وجود کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے،

مذہبی واعظون کی ترغیب مین موجودہ "لا مذہبی اور بد کرداری" کی درستی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تارکین موالات کی ترغیب مین ہندوستان کی موجودہ "غلامی اور مفلسی" کا تصور موجود ہوتا ہے، تارکِ منشیات کی ترغیب مین شراب کے مُضر اثرات، کا خیال مُضمر ہوتا ہی، غرضکہ ہر خواہش یا اعتقاد مین جو ترغیب کی اساس بنتا ہے کسی موجودہ صورت حالات کا ذہنی تصور ضرور موجود ہوتا ہے جس کو کہ ترغیب دہندہ اپنی ترغیب کے ذریعہ سے بدلوانا چاہتا ہے، اگر یہ ذہنی تصور واضح اور روشن ہے، تو ترغیب بھی واضح اور مؤثر ہوگی، برخلاف اِس کے اگر ترغیب دینے والے کے ذہن مین موجودہ حالت کا تصور مُبہم اور گنجلک ہے، تو اُس کی ترغیب بھی اُسی اعتبار سے مبہم اور پیچیدہ ہوگی، گویا کہ ترغیب کی کامیابی بلکہ اوس کے آغاز کا انحصار صورتِ حالات کے صاف اور واضح ذہنی تصور پر ہی، دوسرے لفظون مین یہ کہو کہ عنصر ذہنی کا پایا جانا ضروری ہی جہان یہ تصور مکمل نہین ہوتا وہان ترغیب بھی زیادہ کامیاب نہین ہوتی، کیا ایک ایسے شخص کی ترغیب جس کے ذہن مین بائیسکوپ کے مُضر اثرات کا تصور تک نہین ہے، ہم کو بائیسکوپ دیکھنے سے روک سکتی ہے؟ یا ایک ایسے تنگ نظر مبلغ کی ترغیب جس نے صرف ایک شب تھیٹر دیکھکر

اِس کو مذموم اور مخرب اخلاق قرار دے دیا ہو واضح اور مفصّل ہو سکتی ہے، ہمارا خیال ہے کہ
اِن دونوں صورتوں مین ترغیب کی کامیابی ذرا دشوار ہے، اگر یہ مؤثر ہو بھی تو محض اُن اصحاب
کے لیئے جو پہلے سے اِن حضرات کے ہمخیال ہین اور اون کی ہر بات پر آمنّا صدقنا کہتے ہین،

خود ترغیبی جونکہ ایک موضوعی عمل ہے (Auto suggestion)

اسلیئے اس مین صورت حالات کا ذہنی تصور درک، کی صورت مین ہوتا ہے، یعنی مین خود
کِسی حالت کو سمجھ کر اپنے نفس کو ترغیب دیتا ہون، دوسرون کو جو ترغیب دیجاتی ہے اُسمین
یہی کام "احضار" (Presentation) یا گفتگو سے لیا جاتا ہے تاکہ اونکو بھی
درک دلایا جاسکے، یہ تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ احضار واقعات کے لیئے عنصر ذہنی کی موجودگی
لازمی ہے، بیان یا گفتگو کا ترغیب مین اہم حصہ ہے، اس کے کرشمے خاص طور پر عدالتون مین
دیکھنے مین آتے ہین - وکلا کی بحث ترغیب کا آلہ ہوتی ہے، جو جو بیان کِسی فاضل وکیل کے
بیان میں پائی جاتی ہین وہ جامعیت، صحت، تناسب، تسلسل واقعات اور رابطۂ خیالات ہین
ایک قابل ایڈوکیٹ اپنی تقریر مین اِس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ مقدمہ کے تمام اہم واقعات
بیان کر دیئے جائین، کِسی ضروری واقعہ کا اخفا بعض اوقات ناکامی کا باعث بھی ہو جاتا ہے
پھر واقعات کی تفصیل کا ہونا بھی ضروری ہے، ظاہر ہے کہ مقدمات جرائم میں جبتک کہ واقعات
کا بیان بلحاظ موقع و وقتِ واردات بے کم و کاست نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ استدلال ناقابل
قبول ہو، اور مقدمہ کا فیصلہ مخالف ہو، مختلف واقعات مین صحیح تناسب کا لحاظ بھی ضروری ہے،
اہم واقعات پر زور دینا ہوتا ہے، بیان مین ترتیب و تواتر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس غور
کرو تو یہ سب باتین فی الحقیقت ذہن سے متعلق ہین اور ہر عمل ترغیب مین ان کا کم و بیش وجود
ضرور ہوتا ہے، اِس سے عنصر ذہنی کی ترغیب کے عمل مین موجودگی لازماً ثابت ہوتی ہے،

مذکورہ بالا صورتون کے علاوہ یہ عنصر ذہنی کبھی استنباطات ... کی شکل مین بھی ظاہر ہوتا ہے، جب تکمیل مقصد کی ذو پیش نظر صورتون مین سے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے، مثال کے طور پر فرض کرو میری صحت خراب ہوتی جارہی ہے اور مین اوس کی ترقی کی کوشش کرتا ہون، بحالی صحت کے لیئے میرے سامنے دو تجویزین ہین اولاً یہ کہ مین کالج سے تعطیل لیکر دیہات چلا جاؤن، ثانیاً یہ کہ مین کسی مقامی طبیب سے رجوع کرون، اب مین دونون صورتون مین سے اسی کا انتخاب کرون گا جس مین میرے مقصد بحالی صحت کی تکمیل کی زیادہ صلاحیت ہو، چنانچہ مین استنباط عقلی سے کام لیکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہون چونکہ مین ضرورت سے زیادہ ٹینس کھیلتا ہون اور کھُلے میدان مین ورزش کرتا ہون لہذا میری صحت خراب ہوگئی ہے اور مین کسی مقامی طبیب سے علاج کراؤن گا، ظاہر ہے کہ میری اس ترغیب ذاتی مین استنباط عقلی سے کام لیا گیا اگر بجائے اِس صورت کے دوسری کا انتخاب کیا جاتا تو بھی یہی ہوتا، ترغیب مین عنصر ذہنی کی موجودگی کا یہ دوسرا ثبوت ہی،

دوسرون کی ترغیب مین بھی یہی ذہنی عنصر پایا جاتا ہے، ہم وکیلون کی تقریر کو مثالاً پیش کر چکے ہین، کوئی سی مثال بھی ترغیب لفظی (تحریری یا تقریری) کی لو، اُس مین استقرائی واستخراجی دلائل نظر آئینگے، تمثیلات، توالی وتواتر، علاقۂ سببیت کا وجود بھی اکثر ہوگا، یہ سب چیزین استدلال سے متعلق ہین،

اِس موقع پر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ترغیب کی ظاہرا منطقی ترتیب، توالی وتواتر وغیرہ کے متعلق پہلے کہہ چکے ہین کہ انکا استعمال محض سطحی ہوتا ہے، اور تشفی جذبات کی صلاحیت پر اون کے قبول اور رد کا انحصار ہوتا ہے، اِس کی کیا وجہ ہے کہ ترک منشیات کی ترغیب انگلستان کی آبادی کے ایک حصہ کو منطقی نظر آتی ہے، اِن مین جن دلائل سے کام لیا گیا ہے وہ بھی کل وجز تشفی بخش نظر

آتے ہین لیکن وہی ترغیب آبادی کے دوسرے حصہ کو غیر استدلالی بلکہ مہمل معلوم ہوتی ہے، وہی
ایک شخص جب ایک مجمع کے سامنے شراب کی خرابیان بتاتا ہے تو لوگ اُس کی باتون کو قبول کرتے
ہین اور شراب سے توبہ کرتے ہین، لیکن دوسرے موقع پر اسی مقرر پر حملہ کیا جاتا ہے اور اسے زدوکوب
کیا جاتا ہے، چنانچہ ترکِ شراب کی تحریک کے بانی ڈاکٹر "لیسی فٹ" جانسن کے ساتھ یہی واقعہ پیش
آیا اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو کہا نہین جا سکتا کہ ان دو فریقوں کی سمجھ اور علمیون مین بہت کچھ اختلاف
ہے، پھر کیا سبب ہے؟ محض یہ کہ بحث کی ایک اہم کڑی (یعنی ترک منشیات کی جذبات سے ہم نوائی)
فریق اوّل کو صاف نظر آتی ہے لیکن فریق دوم کی نظرون مین اس کڑی کا وجود نہین اور اسلیئے اون کو
بحث غیر منطقی اور غیر استدلالی معلوم ہوتی ہے،

جذبہ اور ذہن کا باہمی تعلق، **ترغیب** کے ان دونون عناصر ترکیبیہ (ذہنی و جذبی) کا عمل علیحدہ علیحدہ
نہین ہوتا، اصلیت یہ ہے کہ دونون ایک دوسرے مین ضم ہو جاتے ہین، اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے
عنصر جذبی کا اثر عنصر ذہنی پر یہ ہوتا ہے، کہ جذبہ اپنی تشفی کے لیئے استدلال کو قابو مین کر لیتا ہے، اور
اس سے وہ ہی فیصلے صادر کراتا ہے جو اس کے ہم آہنگ ہون، (اس کی مثال انگلستان کی ایک عورت
کے رویہ سے دیکھا گئی ہے) اس طرح سے ذہن کا اثر بھی جذبات پر ہوتا ہے، مثلاً خوش اسلوبی سے کسی نقطۂ خیال
کا بیان کر کے فصاحت اور وضاحت سے اپنے حسب منشا ترغیب دیکر، ہم دوسرون کے جذبات کو اپنا
ہم نوا بنا لیتے ہین، اس کی مثال آجکل ہندوستان مین کثرت سے نظر آتی ہے، استدلال سے ہمین اپنے
جذبات پر قابو پانے مین بھی بڑی مدد ملتی ہے، یہ اس طرح سے کہ ایک جذبہ کی مخالفت مین استدلال، دوسرا
قوی تر جذبہ کھڑا کر دیتا ہے، اور اول الذکر کے اثر کو زائل کر دیتا ہے، مثلاً جذبۂ غضب سے متاثر ہو کر
ہم خود کو اپنے دشمن کے قتل کرنے کی ترغیب دیتے ہین، لیکن استدلال اس جذبہ کی مخالفت مین جذبۂ
خوف کو سامنے لا کر کھڑا کر دیتا ہے، اور قتل کے نتائج (یعنی پھانسی پانا) سے خوف زدہ ہو کر غضب کا

جذبہ دب جاتا ہے، استدلال ایک دوسرا طریقہ بھی جذبۂ غضب کو توڑنے کا استعمال کر سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شخص مغضوب کو قابل عزت وتوقیر ثابت کردے، اور اس طرح یہ جذبہ اوس کی ذات سے منتقل کردیا جاتا ہے، اس کی مثال لارڈ چیتھم (Chatham) کی تقریر سے ملتی ہے، جب جنگ آزادی امریکہ کے زمانہ مین انگلستان کی پارلیمنٹ مین امریکہ کے خلاف غصہ وغضب کے جذبات موجزن تھے، اور مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ باغیون کی سرکوبی کے لیئے ممالک غیر سے فوجی مدد مانگی جائے، تو لارڈ موصوف نے جو صلح کی پالیسی کے موید تھے، اپنے سامعین کے قلوب پر اول تو انگلستان کی شکست کی خیالی تصویر کھینچ کر خوف کا جذبہ طاری کیا اور پھر حسب ذیل الفاظ مین اونکو جنگ سے باز رکھنے اور دول خارجہ سے فوجی امداد مانگنے کی ترغیب دی:-

امریکی نوآبادیات اپنی آزادی کے لیئے برسر پیکار ہین "آزادی" ہر شخص کا فطری حق ہے ہمین انکی حب الوطنی کی قدر کرنی چاہیئے، اور انکی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیئے"

ترغیب کے تیسرے عنصر تخیلہ کا عمل | **جذبی اور ذہنی عناصر** کے علاوہ جو ابتک ہماری بحث کا مرکز رہے ہین ایک تیسرا عنصر بھی عمل ترغیب مین شریک ہے، اور وہ تخیل ہے، یہ تخیلی عنصر بقیہ دو سے بہت کچھ مربوط ہے اور اپنے اثر سے کبھی تو عنصر ذہنی کے عمل یعنی درک حالات کو بدل ڈالتا ہے، اور کبھی اپنی اختراعی خصوصیت سے کام لیکر عنصر جذبی کو متاثر کرکے جذبات کی قوت کو گھٹاتا بڑھاتا ہے،

ہر خواہش یا اعتقاد جس سے عمل ترغیب کا آغاز ہوتا ہے، جہان ایک طرف جذبات کی ہمنوائی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف درک حالات سے مدد لیتا ہے، وہان تیسری طرف وہ بالخاصہ ہمارے دماغ مین ایک مناسب حال خیالی تصویر پیدا کرتا ہے، ہمارا فرضی زید جو مہاتما گاندھی کی ترغیب کی وجہ سے تارک موالات ہو گیا ہے۔ اپنی متخیلہ سے کام لیکر اپنے دماغ کے سامنے ملک کی موجودہ عسرت و فلاکت کا خیالی نقشہ لاکر، یا حصول سوراج کی صورت مین ملک کی آیندہ سرسبزی، خوشحالی اور آزادی کی

جو شنا تصویر اپنی متخیلہ کی بدولت کھینچکر اپنے عقیدہ کو اور پزور بنا سکتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ شد و مد کے ساتھ ترکِ موالات کا حامی ہوجاتا ہے، اسی طرح سے اگر کوئی شخص تمھین نیک افعال کی تلقین کرے اور دوسرا تلقین کے ساتھ ساتھ اوس حالت کا ایک خوشنما خاکہ بھی کھینچدے جو تلقین پر عمل کرنے کی صورت مین ظاہر ہوگی تو یقیناً تمھارے دل پر موخرالذکر کی ترغیب کا اثر بہ نسبت پہلے شخص کے زیادہ ہوگا، اس کی وجہ یہی ہے کہ دوسرے شخص نے عنصر تخیل سے بھی کام لیا، جو لوگ قرآن حکیم کی مادّی مثالون پر اعتراض کرتے ہین وہ افعال نیک کی تشویق و ترغیب مین تخیل کے اس اہم اثر کو نظرانداز کردیتے ہین۔ تخیل کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اوس کی وساطت سے خواہشات اور اعتقادات قوی تر بن جاتے ہین،

ہر اعتقاد نہ صرف اپنی مناسب حال خیالی تصویرین دماغ کے سامنے لاتا ہے بلکہ اِسکا ایک اور خاصہ یہ بھی ہے کہ ان تخیلات کا جو اسکے مخالف ہون شعور کے سامنے گذر بھی نہین ہونے دیتا، فرض کرو کہ ہمارا زید ترکِ موالات کے سلسلہ مین ترکِ لہو و لعب کا بھی حامی ہے، کیا تمھارا خیال ہے کہ اوس کے تخیل مین کسی ایسے متوسط الحال خاندان کی تصویر کا گذر ہوگا جو دن بھر محنت مزدوری کرتا ہے، اور روزانہ شب کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لیئے بائیسکوپ جاکر جائز طور سے اپنا دل بہلاتا ہے، مگر زید کا اعتقاد ترکِ لہو و لعب، اور اِسی باعث ترک بائیسکوپ کا موید ہے، لہذا اول تو یہ تخیل اِسکے دماغ مین آئے ہی گا نہین اور اگر آئے گا تو فوراً ہی خارج کردیا جائے گا، بہ نسبت مذکورہ بالا تخیل کے زید کے لیئے اوس خاندان کی خیالی تصویر کھینچنا آسان ہوگا جو شاید بائیسکوپ کی وجہ سے مفلس ہوگیا ہے یا جس کے افراد بائیسکوپ سے چوری ڈاکہ وغیرہ کا سبق سیکھ گئے ہین، کیونکہ یہ تصویر اُس کے اعتقاد کے حسب حال اور اسے قوت پہونچانے والی ہے،

تخیل کے اقسام استحضاری اور ترکیبی ہین، تخیل استحضاری ایک مرتبہ دیکھی ہوئی چیزون کو ہمارے نفس کے سامنے پیش کرتا ہے مثلاً مین آنکھ بند کرکے اپنے دوست کے کمرہ ملاقات کا تصور کرتا ہون، تخیل ترکیبی، گذشتہ اور موجودہ کو ملاکر مستقبل کی تصاویر کا نقشہ کھینچ سکتا ہے، متخیلہ کے اِس خاصہ سے ترغیب مین بہت کچھ مدد لیجاتی ہے اور وہ اِس طرح سے کہ ترغیب دہندہ اِس کی مدد سے اپنے سامعین کے سامنے ایک خیالی تصویر ان حالات کی کھینچ دیتا ہے، جو اِس کی رائے پر عمل کرنے کی صورت مین ظاہر ہونگے اور اِس خیالی تصویر کی مدد سے اپنی ترغیب کو کامیاب بناتا ہے، ذیل کے اقتباس سے اِس کی مثال ملتی ہے، یہ اقتباس لارڈ بروگھم کی اس تقریر کا ہے، جو صاحب موصوف نے دارالامرا مین ۲۰ فروری ۱۸۳۸ء کو انسداد رسم غلامی، کے متعلق کی تھی، مقرر صاحب اِنسداد رسم غلامی کے خوشگوار نتائج کی خیالی تصویر ان الفاظ مین کھینچتے ہین:۔

جون ہی کہ یہ مژدۂ فرحت اثر (کہ رسم غلامی موقوف ہوگئی) دنیا کے ہر گوشہ مین پہونچے گا، ایک نئے اور حوصلہ افزا مستقبل کا نظارہ دنیا کے پیش نظر ہو جائے گا، کتنے ہی پژمردہ قلوب جو انسان کے انسانون پر مظالم دیکھکر رنجور تھے، موسم بہار کے غنچون کی طرح کھل جائین گے، جہان کل کسی بیرحم آقا کے تازیانہ کی کرخت آواز اور اوس کا درشت لب ولہجہ اور مظلومین کی آہ و بکا کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھا، وہان آزادی اور امن وامان کے شادیانون سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیگی، بدقسمت افرادِ انسانی کے طوق وسلاسل کی جھنکارین بند ہو جائینگی، حرمان نصیب غلامون کے اعضا زنجیر ورسن کی سخت گیریون سے نجات پائینگے، زمانہ کا شفیق ہاتھ رفتہ رفتہ اون کے جسمون سے غلامی کے داغ دور کردے گا، جملہ اقوام انسانی، بلاقید رنگ ومذہب ترقی کی دوڑ مین برابر کا حصہ لین گی، قدرت کا دستِ فیاض اِن سرزمینون پر جو پہلے کسی حکومت پسند

[illegible] کے کوڑون کی مار کی بدولت کاشت کی جاتی تھین اپنے خزانہ کے زرد جواہر برسائیگا اور وہ زمین اب محنت اور مزدوری کے شیدائیون کے پسینہ سے سینچی جائیگی، امرا کے عالیشان محلون مین، دیہات کی لہلہاتی ہوئی کھیتیون مین، شہر کی سڑکون مین، زرخیز وادیون مین غرضکہ تمام عالم مین امن و امان فرحت و انبساط کی یکسان حکمرانی ہوگی، حضرات! عالمگیر خوشحالی اور تمدن کی یہ خوشنما تصویرین آپ کے قلب کو متاثر نہین کرتین . . . الخ،

اس قسم کے تخیل ترکیبی کا اثر (جس کی مثال ابھی ابھی دیجا چکی ہے) عمل ترغیب پر بہت کچھ ہوتا ہے، گذشتہ و موجودہ حالات کی روشنی مین ہم تخیل کی مدد سے مستقبل کی تصویر کھینچتے ہین، حسب موقع اون مین اُمید و بیم خوف و ہراس کی رنگ آمیزیان کرتے ہین اور ان خیالی خاکون کو اپنے پیش نظر رکھکر ایسی تدبیرین سوچتے ہین جو ماضی یا حال سے بہتر صورت حالات پیدا کر سکین، کتابون اور تقریرون مین جتنی ترغیب کی مثالین نظر آتی ہین اون مین سے اکثر متخیلہ کی اس صفت ترکیبی سے متصف نظر آتی ہین، ناظرین اور سامعین کے سامنے ماضی و حال، اور مستقبل کے جامع اور معنی خیز نظارے پیش کیئے جاتے ہین۔ دور تک پہونچنے والے اثرات کا درک دلایا جاتا ہے، اور "علت موجودہ" اور "معلول بعید" مین رشتہ قایم کیا جاتا ہے،

جس طرح کہ جذبات اور ذہن ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہین اور ایک سے دوسرے کو مدد ملتی ہی، اسی طرح عنصر تخیل بھی ذہن اور جذبات پر اثر کرتا ہے اور تینون باہمدگر ہم آہنگی سے اپنا عمل کرتے ہین،

تخیل کا ترغیب کے بقیہ دو عناصر (ترکیبی و جذبی) پر اثر،

تخیل اپنی صفت اختراعی کے ذریعہ سے جو اثر عنصر ذہنی (درک، احضار، بیان) پر کرتا ہے اوسے ہم زید کی مثال مین دیکھ چکے ہین لیکن اُسکا اثر عنصر جذبی پر بھی ہوتا ہے، اور جذبات مین بھی متخیلہ کی وساطت سے ایک تازہ روح پھونکی

جاتی ہے اور اون کو قوی تر کر دیا جاتا ہے، مثلاً لارڈ بر وکھم کی تقریر کا آخری حصہ مضرات
کیا یہ عالمگیر خوشحالی الخ...... "ہمدردی انسانی اور اخوت کے جذبات کو شہ دیکر اون کی ترغیب
کو زیادہ مؤثر بنا دیتا ہے، زید ایک ایسے خاندان کی خیالی تصویر کھینچکر جو بائیسکوپ کی بدولت
تباہ ہوا ہے اپنے جذبات ترحم اور ہمدردی کو برانگیختہ کرتا اور پہلے سے بھی زیادہ ترک لہو ولعب
کا مؤید بنجاتا ہے، مختصر یہ کہ تخیل کی وساطت سے جذبات کا حلقۂ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے،
ہمارے جذبات کو جوش مین لانے کے لیئے کسی صورت حالات کی بالفعل موجودگی لازمی نہین
رہجاتی، اگر اصلاً اور واقعتہً بائیسکوپ کی وجہ سے کوئی خاندان تباہ نہ بھی ہوا ہو تو کیا ہرج ہے
زید کا متخیلہ خیالی دنیا مین اِس کا منظر اوس کو دکھا سکتا ہے، اور اوس کے اعتقاد کو زیادہ
پختہ بنا سکتا ہے، ترغیب مین وجدان کی اہمیت سے بحث کرتے وقت جس مقرر کا ہم نے ذکر کیا
تھا اوس کی مثال بھی اِس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے دشمن کوسون دور ہے مگر اوسکے شہر مین
داخل ہونے کی خیالی تصویر سامعین کے جذبۂ دہشت کو برانگیختہ کر دیتی ہے، دشمن کی فتح امکانی
حد سے گذر کر یقین کے درجہ تک ابھی نہین پہونچی ہے مگر اس فتح کی خیالی تصویر سے ڈرا کر لوگونپر
وہی جذبات طاری کیئے جا سکتے ہین، جو اُس وقت ہوتے جبکہ دشمن کی فوجین شہر کے دروازہ
پر کھڑی ہوتین، سوراج خدا معلوم کب حاصل ہو، لیکن سامعین اپنی خوش آیند خیالی تصویر سے
متاثر ہو کر آج ہی اسکے لیئے چندہ جمع کرتے ہین، اور موجودہ مصائب کی کالی گھٹا کو امید بعید کی
کرن سے روشن کرتے ہین، یا خدا بندے مکتی اور نجات اخروی کی دھن مین موجودہ صعوبتین خوشی
خوشی برداشت کرتے ہین، غرضکہ ترغیب مین متخیلہ کی بدولت واقعات کی عدم موجودگی مین
اون کی تصویر ہی سے مدد لیجاتی ہے،

جس طرح تخیل کی بدولت ہماری ترغیب واقعات کے وجود کی محتاج نہین رہتی،

اسی طرح یہ بھی لازم نہین رہ جاتا کہ جبتک ان واقعات کا اثر ہماری ذات پر نہ ہو تب تک ترغیب کامیاب ہی نہ ہو اگر ہماری ذات کسی واقعہ کے مضر اثرات سے بری بھی رہے تب بھی دوسرون کی ذات پر اس کے جو کچھ مُضر اثرات ہوتے ہین، انکی تصویر ہم مین جذبۂ رحم، غضب، انتقام وغیرہ کو برانگیختہ کرسکتی ہے اور ہم اپنے آپ کو اوس "واقعہ کا مخالف بنا سکتے ہیں، مثلاً لارڈ بروکھم کی تقریر ہی کو دیکھو، حالانکہ رسم غلامی کے قبیح نتائج سے اہلِ انگلستان بالکل محفوظ تھے، تب بھی افریقہ کے غلامون کی تکالیف کا خیالی نقشہ کھینچکر لارڈ موصوف نے اپنے ہموطنون مین جذبات ہمدردی، ترحم اور اخوت کو بیدار کیا اور اون کو ایک معینہ طرز عمل (چندہ دینا یا انسداد غلامی کا رزولیوشن پاس کرنا) کی ترغیب دی، اگر ہمارے تخیلہ مین تاثیر ہوتی تو اخوت کا وجود بھی نہ ہوتا، ہندوستان کے مسلمان سمرنا کے مظلوم مسلمانون کے خیال سے بےچین نہوتے، ہمدردی، دلسوزی، دستگیری اور ایسے دوسرے الفاظ کبھی ترمیدۂ معنی نہ ہوتے۔ اور ؎

چیست ہمدردی، طپیدن از تپِ ہمسایگاں | ار سموم نجد در باغِ عدن پژمان شدن
خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس | در شبستان تنگ دل از زحمتِ زندان شدن

کا کچھ مفہوم ہی نہ ہوتا،

یہ تو تخیل کا اثر جذبہ اور استدلال پر ہوا لیکن جذبات بھی تخیل پر اپنا اثر ڈالتے ہین، ایک خوف زدہ شخص (جس پر جذبۂ خوف طاری ہے) کسی خطرہ کو آتا دیکھکر یا آنیوالے خطرات کے خیال سے اوسکے روک اور اپنی حفاظت کے ذرائع کا تخیل کرتا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ شہوت، درندگی اور حسد کے جذبات سے متاثر ہوکر حضرت انسان کیا کچھ نئی ترکیبین سوچتے اور جودت طبع کا ثبوت دیتے ہین، جس شخص کے دل مین آتشِ انتقام مشتعل ہوتی ہے اپنے دشمن کو نقصان پہونچانے کے لیئے اوس کا تخیلہ کن کن نئی ترکیبون کو نہین سوچتا، زمانہ جنگ میں

دشمن کو غارت کرنے کے لیے جن حیرت انگیز اختراعات سے کام لیا جاتا ہے، وہ دراصل جذبۂ خوف کا نتیجہ ہوتی ہین، جو تخیل اختراعی کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دوسروں کی تباہی کے عجیب و غریب طریقے سوچتا ہے، خلاصہ یہ کہ عمل ترغیب مین ہمارے جذبات تخیل سے کام لیکر نئے نئے راستے اور نئی نئی حکمتین اپنی تسکین کی ڈھونڈھ نکالتے ہین،

خلاصہ، **عمل ترغیب** کے عناصر ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تفصیل پیش کی گئی اوس کا اجمال یہ ہے کہ تینوں عناصر **جذبی**، **ذہنی** اور **تخیلی** ساتھ ساتھ ترغیب مین کام کرتے ہین، ان تینون کے باہمی انضمام اور اون کے متحدہ اثر ہی سے ترغیب وجود مین آتی ہے اور ہر مکمل عمل ترغیب مین یہ تینوں کام دیتے ہین۔ عنصر ذہنی کی بدولت ورک واقعات یا کسی صورت حالات کا صحیح بیان ہوتا ہے، اصول قایم کیے جاتے ہین اور منطق کے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے، عنصر تخیلی کی بدولت توضیحات اور خیالی تصویرین پیش کی جاتی ہین جو ترغیب کو کامیاب بنانے مین مدد دیتی ہین، عنصر جذبی کی وساطت سے افعال پر اثر ڈالا جاتا ہے اور یہی عنصر کسی مجوزہ طرز عمل کی پیروی کا سب سے زبردست محرک ہو سکتا ہے اس کی ترغیبی عمل مین وہی حیثیت ہے جو بھاپ کی انجن چلانے مین، غرضکہ ایک دوسرے مین مخلوط ہو کر باہم گر ایک دوسرے پر اثر ڈالکر آخر مین یہ تینون عناصر ایک لباس مین نظر آتے ہین اور وہ ترغیب ہے،

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ترغیب کی ایک ہی قسم ہے غلط ہوگا، ترغیب کے اجزائے ترکیبی تو یہی تین ہین لیکن جن اسالیب سے انکا امتزاج ہو سکتا ہے وہ بے شمار ہیں اور اسی لحاظ سے ترغیب بھی متعدد اقسام کی ہوتی ہے، اِس کی مثال یون سمجھو کہ ہر عمارت کی اجزائے ترکیبی اینٹین ہوا کرتی ہین، لیکن مختلف ترتیب سے جب یہ اینٹین فراہم کیجاتی ہین تو مکان۔ مسجد۔ گرجا۔ مندر کہلاتی ہین، بعینہٖ یہی حال ترغیب کے اجزائے ترکیبی کا ہے،

وہ اتنی ہی بے شمار اقسام ترغیب ظاہر کر سکتی ہین جتنے کہ اقسام مرد و زن،

لیکن بہ نظر سہولت ہم نے ترغیب کی تین بڑی بڑی قسمین بلحاظ اون کے اہم اجزائے ترکیبی کے کی ہین اور اون مین کمی و بیشی ممکن ہے کبھی عنصر ذہنی کی زیادتی ہوتی ہے، مثلاً ایسے شخص کی ترغیب جس کی قوت استدلال بہت کچھ بڑھی ہوئی ہو، کبھی عنصر تخیلی کی کثرت ہوتی ہے اور کبھی عنصر جذبی کا پلہ بھاری ہوتا ہے، اِن تینون عناصر مین سے کسی ایک یا دو کی زیادتی اور تیسرے کی کمی یا تیسرے کی زیادتی اور کسی دو کی کمی یا طریقۂ آمیزش کا اختلاف ترغیب کی اقسام مین بھی باہمدگر اختلاف پیدا کر دیتا ہے، اور یہی وجہہ مختلف قومون مین طریقۂ ترغیب کے مختلف ہونے کی ہے، انگریز اور جاہل گڑھوالیون سے ہم مسلسل دلائل کی توقع رکھ سکتے ہین، ایرانیون، عربون، بنگالیون کی ترغیب مین جذبی عنصر زیادہ پایا جاتا ہے، صنف کے اختلاف سے بھی ترغیب مین اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ عورتون کی "منطق" بدنام ہی ہے، لیکن یہ اختلافات نظری اور سطحی ہیں اور ان کو کلیتہً نہین مانا جا سکتا بہت سے گڑھوالی خاص خاص موقع پر اکثر بنگالیون سے زیادہ جذبات کے زیر اثر ہو سکتے ہین یا بہت سے بنگالیون مین اکثر گڑھوالیون سے زیادہ استدلال اور ارتباط خیالات کی صلاحیت ہوتی ہے بہت سی عورتیں اکثر مردون سے زیادہ دلیل اور منطق عقلی کی اہل ہوتی ہین غرضکہ ترغیب کو اِن تین عناصر کے لحاظ سے مختلف اقسام مین تقسیم کرنا بہ نظر سہولت تو ضرور مستحسن ہے، لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِن تینون مین سے ہر ایک کی ذیل مین متعدد اقسام آ سکتی ہین اور ہر حالت میں ترغیب کی ماہیت، ترغیب دہندہ کی شخصیت اور اسکی حالت نفسی کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے،

اکثر اوقات ایک ہی فرد میں بلحاظ اختلاف زمان و مکان، ترغیب کے طریقون مین بھی اختلاف پایا جاتا ہے اوس کی کچھ ترغیبین مبہم اور غیر شعوری ہوتی ہین، خود اپنی ہی

حالت پر ہم غور کرین تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جب رات کے وقت ہم بستر پر لیٹے ہوئے
نیند کی اُمیدین کروٹین بدلتے رہتے ہین تو ہماری ذاتی ترغیبات کیا کچھ عجیب و غریب اشکال
نہین اختیار کرتین۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم کن کن دہشت ناک خیالات مین گھرے ہوئے
تھے ہماری ترغیبات نے ہم کو افسردہ بنادیا تھا، صُبح ہوئی تو سب خیالات کافور تھے، اور
ہم خوش آیند اُمیدین کرنے لگے اور اپنی خیالی دنیا کے ہیرو (بطل) بن گئے، تھوڑی دیر بعد
شہر جانے کا اتفاق ہوا تو ترغیبات نے ایک اور ہی رُخ پلٹا، نہ رات کی دہشت ناک باتین
تھین، نہ صبح کے خوش آیند خیالات۔ شہر مین کسی پُرانے بیوپاری سے ملاقات ہوگئی تو تمام تر
کوششین اُسے سمجھانے، راہ راست پر لانے اور اپنے حسب منشا ترغیب دینے مین صرف ہونا
شروع ہوئین، اب ہماری ذات، ہمارا شعور واحد ہے، اور ترغیبات کی گوناگونی کا یہ عالم ہے
باوجود اسقدر اختلاف کے بھی ترغیب کی ماہیت وہی رہی اور اوس کے عناصر ثلاثہ وہی رہے
مختصر یہ کہ ہر ترغیب مین خواہ وہ کسی قسم کی ہو یا کسی خاص شخص سے متعلق ہو ہمیشہ کسی نہ کسی مقصد
کا وجود پایا جاتا ہے جس کے حصول کی بالارادہ یا نادانستہ طور پر تدبیر کی جاتی ہے اور اوسکے
ساتھ ہی ہر ترغیب مین ذہن، متخیلہ، جذبہ ان تینون کا مخلوط عمل لازماً ہوتا ہے، خواہ یہ اختلاط باہمی
غیر مکمل اور غیر مؤثر ہو یا مکمل اور مؤثر۔

—— ⁂ ——

بابِ دوم

خودترغیبی کی ابلہ فریبیاں

جذبات کے زیر اثر ترغیبات ذاتی کی کایاپلٹ، تلوّن، باطل ترغیبات، تلبیس، حیلہ و مکائدِ نفس،

خود ترغیبی میں جذبات کا حصہ،

گزشتہ باب میں ہم عمل ترغیب کی نفسیاتی تشریح کر چکے ہین اور یہ ثابت کر چکے ہین کہ ہر عمل ترغیبی کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہیں، یعنی **جذبہ**، **ذہن** (استدلال) اور **تخیل** اِس باب میں یہ بحث کی جائے گی کہ ترغیبات ذاتی مین اِن تینوں کا کیا حصہ ہوتا ہے، اور تالیف قلب، خود فریبی، تشفی ضمیر وغیرہ مین اُنسے کیا کام لیا جاتا ہے، سب سے پہلے ہم جذبات سے بحث کرتے ہین،

جذبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تشفی چاہتے ہین، اِس مقصد کی تکمیل کے لیئے وہ ہمارے نفس پر اس حد تک حاوی ہوجاتے ہیں کہ اوس مین اون کے خلاف استدلال پیش کرنے کی تاب نہین رہتی اور نہ یہ اختیار ہی باقی رہتا ہے کہ جذبات کے تائیدی خیالات و افکار کو اپنے سامنے سے ہٹا کر اونکے مخالف خیالات سامنے لائے، جذبہ کی اِس خصوصیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص کی ترغیب دو متضاد جذبات کے زیر اثر ہوتی ہے لیکن

وہ اِس تضاد کو نہین دیکھ سکتا، بالفاظ دیگر یون کہو کہ محال "اجتماع ضدین" جو منطق و معقولات کا ایک اہم اصول ہے جذبات و وجدانات کے لیئے کوئی اہمیت نہین رکھتا یہ دونون اِس اہم منطقی اُصول کی پابندی سے بالکل مستغنی رہتے ہین، اِس کی تشریح آگے آئے گی،

اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور لوگون کے جذبات کا بنظر غائر مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ جو فنون لطیفہ کی ایک خاص حِس رکھتے ہین، بعض اوقات ایسے ارذل اور دنی درجہ کے جذبات کے زیر اثر ہوتے ہیں جو بالخاصہ حِس لطیف سے متضاد ہین، تاریخ شاہد ہے کہ عیسائی اقوام سے جو کل بنی نوع انسان کی محبت کے دعویدار ہیں، بدترین مظالم سرزد ہوئے ہین، انقلاب فرانس کے وقت جو قتل عام ماہ ستمبر مین ہوا اور جس سے تاریخ یورپ کے صفحات آجتک خونین ہین اوس مین انقلاب پسندون کے جذبات دو متضاد صورتون مین ظاہر ہوئے تھے، فاضل مصنف "تمدن عرب" موسیولی بان اپنی کتاب **نفسیات جماعات** (PSYCHALOGY OFTHECROWD) مین اوس کا یون بیان کرتے ہین۔

"اگر ایک طرف جذبۂ انتقام اس قدر مشتعل تھا کہ قیدی بلاتفریق عمر و حیثیت تہ تیغ کیئے جاتے تھے، تو دوسری طرف جذبۂ ہمدردی بھی کچھ کم نہ تھا، قومی عدالتیں قایم کی جارہی تھیں، مقدمات کی سماعت ہوتی تھی، اور اگر کوئی شخص بری الذمہ قرار دیا جاتا تو مجمع میں عجیب منظر ہوتا تھا، ہر شخص اوس سے بغلگیر ہوتا تھا، تالیان بجاکر اظہار مسرت کیا جاتا تھا، اور فرط انبساط سے بےخود ہوکر مجمع مبارکباد کے نعرے لگاتا تھا"،

اِس مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ ہمدردی اور انتقام کے جذبات جو بالاصل ایک دوسرے سے متضاد ہین ایک ہی وقت مین طاری ہوسکتے ہین، اِس طرح سے "انکسار" اور "عجب" کے جذبات بھی ایک ہی وقت مین لوگون کے دلون مین موجزن ہوتے ہین، لیکن وہ ان کے فرق کو نہین

سمجھ سکتے اِس کی مثال عیسائی راہبون اور ہمارے ہندوستانی سنیاسیون مین اکثر ملتی ہے، ایک طرف تو یہ افراد سخت سے سخت ریاضت جسمانی کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکسار مجسم ہین، لیکن دوسری طرف اگر اُنکے قلوب کو ٹٹولو، تو اُس مین ایک خاص افتخار کا جذبہ پایا جاتا ہے، اپنی قوت باطنی اور تقدس کے متعلق خیالات پائے جاتے ہین اور تمام افراد انسانی اور اپنی ذات کے درمیان کسی خاص فرق کے وجود کا احساس موجود ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی کا متبائن جذبات کے زیر اثر ہونا، لیکن اِس تبائن کو نہ دیکھنا، کم و بیش فطری ہے، "خلوت" اور "جلوت"، کا فرق صرف طبقہ "زہاد"، سے مخصوص نہیں بلکہ عام طور پر حیات انسانی مین بھی دیکھنے مین آتا ہے، ایک شخص ایک ہی وقت مین قبا سے رندی اور گلیم زہاد اوڑھنے پہننے کا مجرم ہوسکتا ہے، طبقۂ اوسط سے قطع نظر خود طبقۂ اعلیٰ کے نیک اور نامور افراد مین بھی متضاد جذبات کے یہی کرشمے نظر نظر آتے ہین، یہ اور بات ہے کہ سوانح نگار کا حُسن ظن، یا جذبہ حرص و آز، تصویر کے تاریک رُخ کو عمداً یا سہواً نظر انداز کر دے، لیکن پھر بھی بعض منصفانہ تصانیف اور سوانح ایسے ہوتے ہین کہ جن مین مصنف کا فطری تجسس کبھی کبھی پردہ اُٹھا کر ہمارے سامنے واقعات کو اصلی رنگ مین مین پیش کر دیتا ہے، اور ہم دیکھتے ہین کہ اکثر نامی گرامی لوگون کے قلوب کس قدر مختلف جذبات کے آماجگاہ رہ چکے ہین، یاد رہے کہ اس انکشافِ حقیقت سے مشاہیر عالم کی شہرت پر داغ نہین آسکتا، متضاد جذبات کے زیر اثر رہ کر افعال کرنا اور اُن مین کوئی تضاد نہ محسوس کرنا کسی فرد کے لیے باعث ترسم نہین ہوسکتا، یہ نفس انسانی کی جبلی بیچارگی ہے، اِس سے کوئی بری نہین ہے،

اِنسان کی اِن دُورخی ترغیبات کی مثالین دیکھنے کے لیئے قدیم صحائف اور سوانح کی ورق گردانی کی ضرورت نہین ہے، خود حال کے واقعات اِس کے شاہد ہین، جن لوگون نے **قیصر جرمنی** کی زمانۂ جنگ سے قبل کی تقریرین پڑھی ہین اور پھر اُن کے افعال کا

بنظر غائر مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہین کہ اون کے اقوال و افعال کس قدر مختلف جذبات کے زیر اثر سرزد ہوتے تھے، کہین ایثار و ہمدردی کا دعویٰ تھا، تو کہین جبر و استبداد یت پر فخر کا اظہار۔ ایک موقع پر خود کو (نعوذ باللہ) "خدا کا قائم مقام" کہتے ہین، تو دوسرے موقع پر اوسی خدائے بزرگ و برتر کے رُوبرو ہر فعل کی جوابدہی اپنے اوپر فرض خیال کرتے ہین، یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ قیصر کا مقصد اِس سے دھوکہ دینا تھا یہ تو محض ایک مثال تھی، ورنہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت کم انسان ایسے ہین جن کے نفوس اِن مختلف الما ہیت کیفیات کے مورد نہ رہ چکے ہون، ہم ابھی کہہ آئے ہین کہ اگر کوئی شخص متضاد جذبات سے مغلوب ہو کر متضاد افعال کرے تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ بالارادہ دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ "خود فریبی" بے شک ہوتی ہے لیکن یہ فریب دہی کو مستلزم نہین ہے، ایسی صورتون مین نفس کی حالت غیر شعوری ہوتی ہے، اس باب کے شروع میں ہم بتا آئے ہین کہ جذبات کا خاصہ یہ ہے کہ محض اپنی تشفی چاہتے ہین اور اون خیالات کو جو کسی طرح اِس تشفی مین مانع ہون سرے سے نفس کے سامنے آنے ہی نہیں دیتے، پس جب نفس پر جذبات کا اِس قدر زبردست تسلّط ہو تو کسی شخص کا افعال قبیحہ کے ارتکاب کے باوجود اپنے آپ کو نیک تصور کرنا مقامِ تعجب نہیں ہو سکتا، اگر جذبات پر انسان کو پوری قدرت حاصل ہوتی، تو کوئی شخص مغلوب الجذبات ہو کر ایسے افعال نہ کرتا جن کا مذموم ہونا ذرا سے استدلال سے ثابت ہو جاتا ہے اور کم از کم قتلِ عمد اور خودکشی تو انسانی جرائم کی فہرست سے بالکل ہی خارج ہو جاتے،

متلوّن المزاجی، **یہ حقیقت کہ** بعض اوقات ہم پر ایسے جذبات حاوی ہوتے ہین جن سے ہم ناواقف ہوتے ہین یا جس کی قوت کا اندازہ ہم صحیح طور پر نہین کر سکتے، ایک دوسری حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے یعنی اتنا سمجھ لینے کے بعد "متلون المزاجی" کی توجیہ آسانی سے کی جا سکتی ہے

تلون، یا ترغیبات کی کایا پلٹ کیوں ہوتی ہے، محض اس وجہ سے کہ ہم کسی خاص جذبہ سے متاثر
ہو کر کوئی نیت کرتے ہیں یا کوئی کام ہم سے سرزد ہوتا ہے، لیکن دوسرے موقع پر کسی دوسرے جذبہ
کے زیر اثر ہم اپنی نیت بدل ڈالتے ہین یا سابق طریق عمل کے خلاف جاتے ہیں، جب ایک مسرف
شخص لوگوں کے کہنے سننے سے یا خود انجام پر نظر ڈالکر اسراف سے دست بردار ہوتا ہے، اور چند روز
تک کفایت سے کام لیتا ہے تو اسکا یہ فعل غالباً "شرم" "ندامت" یا پھر محبت خاندانی کی وجہ سے ہوتا ہے
لیکن دوسرے وقت جب یہی شخص اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور ایک بیش قیمت لباس خریدتا ہے
تو اوس صورت مین اوس کا یہ فعل جذبہ عیش پسندی، یا تفوق کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے، یہ تلون کی صریح
مثال ہے اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ تلون کا باعث صرف مختلف جذبات کا تسلط ہے "تائب ہونا" اور
"توبہ کا توڑنا" دونوں صورتین ایک ہی ہیولی سے ظاہر ہوتی ہیں، اور یہ ہیولی کیا ہے؟ یہی مختلف
جذبات کی ہنگامہ آرائی،

نیت اور اعمال کے اس دوری انقلاب کو اکثر ناول نویس اور ڈراما نویس دلچسپ پلاٹ
(نفس قصہ) کی شکل مین ظاہر کرتے ہین، کبھی ناول کا ہیرو ماں باپ کے تشدد سے عاجز آکر ترک
وطن کا ارادہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، ضروری سامان فرار بھی مہیا کر لیا جاتا ہے، لیکن عین وقت پر جب
گھر سے باہر نکل کر وہ در و دیوار پر الوداعی نظر ڈالتا ہے تو یہ سب منصوبے ٹوٹ جاتے ہین اور وہ اپنا
عزم فسخ کر دیتا ہے، ڈرامون مین بھی اکثر یہی کیفیت نظر آتی ہے، ہمارے سامنے قاتل اپنے جذبات
تنفر، حقارت اور انتقام کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے اور خنجر بکف دشمن کی خوابگاہ میں داخل ہوتا ہے
تاکہ اس کا کام تمام کر دے جب پردہ اٹھتا ہے تو ہم اسے خوابگاہ میں موجود پاتے ہیں، دشمن سو رہا ہے
اور پوری طرح اس شخص کے قابو میں ہے، لیکن عین موقع پر کسی دوسرے جذبہ سے متاثر ہو کر یہی قاتل
اپنا خنجر پھینک دیتا ہے اور دشمن کے قدموں پر گر کر اوس کے احسانات کا اعادہ کرتا ہے، اور شرمندگی کا

اظہار کرتا ہے اور خود کو سچا اور جان نثار خادم ثابت کرتا ہے، ناولون اور ڈرامون سے تمثیلات تلاش کرنے کی ضرورت نہین، اگر تم اپنے قلوب کو ٹٹولو تو یہی کیفیت نظر آئیگی، اکثر رات کے سنّاٹے مین تم کیا کیا منصوبے نہین باندھتے، کن کن باتون سے توبہ نہین کرتے؟ کن کن کامون کا عزم بالجزم نہین کرتے؟ ایسا کرتے وقت تمھاری نیت صادق اور تمھارا ارادہ پختہ ہوتا ہے، لیکن روز روشن مین جب واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو یہ سب منصوبے خواب فردا کی طرح تشریف لیجاتے ہین،

گفتی کہ چہ شد قاعدۂ مہر و محبت ؟ رسم کہے بود، بعہد تو در اُفتاد

جب لوگ اِس طرح کسی صریح ترغیب کے خلاف عمل کرین تو تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اون کے جذبات کو تحریک دینے والی قوت کوئی بہت زبردست قوت ہے جس سے وہ خود واقف نہین ہین، یہ تمام فعل تقریباً نفس کی لاعلمی، یا پھر یون کہو کہ غیر شعوری حالت مین ہوتا ہے یہ غیر شعوری تحریکات افعال انسانی پر بہت کچھ اثر ڈالتی ہین اِنھی کی وساطت سے اِنسان خیانت اور ممنوع افعال کرتا ہے اور پھر اون کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، تم کو یہ سُن کر شاید تعجب ہو کہ بعض وحسد کے جذبات سے متاثر ہو کر اکثر مائیں اپنے بیٹون پر ظلم و تشدد کرتی ہین لیکن چونکہ یہ اندرونی غیر شعوری جذبات اون کے ادراک ذہنی سے بہت دُور ہوتے ہین اسلیئے وہ اپنی زیادتی اور ظلم کی توجیہ یون کرتی ہین کہ ایسا کرنا آگے چلکر اِنھی کے کام آئیگا،

خود ترغیبی میں استدلال کا حصہ، حیلہ و مکائد نفس

ہم دیکھ چکے ہین کہ اکثر اوقات ہمارے قلوب پر غیر مشخص اور ناقابل تشخیص جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، نیز یہ کہ ہمارے عمل کی محرک اکثر اوقات دُو متضاد قوتین ہوتی ہین لیکن چونکہ یہ شعوری نہین ہوتین اِسلیئے ہم انکا تضاد نہین دیکھ سکتے اور نادیدہ و نادانستہ انھی کے حسب حال فعل کرنے لگتے ہیں، ممکن ہے کہ تمھارے دِل مین یہ شک پیدا ہو کہ جب ہمارے اکثر افعال، بالخصوص قابل اعتراض افعال نفس کی لاعلمی مین ہوتے ہیں تو پھر انسان

اوس کے افعال بد کی مسئولیت عائد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؛ غالبًا یہی خیالات تھے جو **خیام** کے دِل مین پیدا ہوئے اور اس رُباعی کی شکل مین ظاہر ہوئے :-

عِشق ارچہ بلاست، آن بلا حکم خداست — برحکم خدا ملامتِ خلق چراست!

چون نیک و بد خلق بتقدیر خداست — پس روزِ پسین حساب بر بندہ چراست

اِس مین شک نہین کہ اگر نفس انسانی کی حالت واقعی اوس بیچارگی اور بے بسی کی ہوتی جیسا کہ اکثر لوگ فرض کرتے ہین تو یقینًا زمانہ مین خیر و شر کا موجودہ معیار قایم نہ رہتا اور اخلاقیات (ایتھکس) کا منشا رہی سرے سے فوت ہو جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس کی حالت قطعًا لاعلمی کی نہین ہے خود ترغیبی کی جو مثالین ہم نے سطور بالا مین دین وہ خود فریبی کے ذیل مین بخوبی آتی ہین، لیکن یاد رہے کہ اِس قسم کی نادانستہ خود فریبی بھی شاذ ہے اکثر صورتون مین جب اپنے آپ کو حالت غیر شعوری مین کسی فعل کے کرنے پر مائل پاتے ہین تو ہمارا نفس اِس سے تھوڑا بہت واقف ضرور ہوتا ہے، باوجود فطرت اِنسانی کی خامی اور نفس کی جبلّی بیچارگی کے ہم اس کو کامل طور پر کبھی دھوکہ نہین دے سکتے اور نہ ہمیشہ اِس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے ہیں، اگر تم اپنے آپ کو نیک خیال کرتے ہو اور پھر بھی کوئی بُرا فعل تم سے ہو جائے تو خواہ اِس فعل کا محرک کیسا ہی قوی سے قوی حد یہ کیون نہو، تمہارے قلب مین آغاز فعل سے قبل دوران فعل مین اور اتمام فعل پر ایک قسم کی "خلش" ضرور ہوتی ہے، نفس لوّامہ کی یہ چٹکیاں محسوس تو ضرور ہوتی ہین لیکن اِن کا علاج اور اِس "باطنی ناصح" کا مُنھ بند کرنے کی تدبیرین بھی فورًا سوچ لیجاتی ہیں اور یہین سے خود ترغیبی یا خود فریبی میں اِستدلال کا حصہ شروع ہوتا ہے، مکائد نفس کے آغاز کی حد یہی ہے،

جب کبھی ایسا موقع پیش آتا ہے تو تم اپنے شکوک کو رفع کرنے اور عقائد و اعمال میں جو تخالف پایا جاتا ہے اوس سے بری الذمہ ہونے کے لیے اپنے دِل مین بحث و مباحثہ کا سِلسلہ شروع کر دیتے ہو صاف لفظون مین یون کہو کہ ہر نوع و ہر نہج اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دکھاتے ہو خواہ یہ

تصفیہ تمھارے ضمیر کے خلاف ہی کیون نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اسلیئے کہ فیصلہ کا عمل یکطرفہ ہے اور بجائے منصفانہ استدلال کے ایک معینہ نتیجہ نکالا جارہا ہے، اس کی مثال بھی ہم کو اپنے قلوب سے مِل سکتی ہے، جب ہم خود غرضانہ جذبات سے اندھے ہوکر کسی فعل کی نیت کرتے ہین اور اس کی مخالفت ہمارا ضمیر کرتا ہے تو اوس وقت اُسے کن کن طریقون سے مطمئن نہین کیا جاتا؟ کیا کیا جھوٹی منطقین پیش نہین کیجاتین؟ "واقعی وہ اوسی کا مستحق تھا،، اگر اوسکو نقصان ہوا تو میرا کیا قصور؟" اگر وہ دیدہ و دانستہ میرا کہنا مان لیا، تو میری کیا خطا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے جملے استعمال کرکے ہم اپنے "باغی" ضمیر کو اطمینان دلاتے ہین اور بالآخر فرض کر لیتے ہین کہ اب اس کی تشفی ہوگئی،

جتنا زیادہ کسی شخص کا ضمیر پختہ ہوتا ہے، اوسی قدر زیادہ اوسے کسی منافی ضمیر فعل کرتے وقت اوسے سمجھانا پڑتا ہے "یہ سمجھانا،، استدلال کی وساطت سے ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر اپنے نفس کو سمجھانے کا ایک عام طریقہ یہ ہوتا ہے "کہ مقصد یا نتیجہ کی بھلائی،، کو "وسائل" کی خرابی کے لیئے بطور سند جواز کے پیش کیا جاتا ہے" اس سے آئندہ سطور مین بحث کیجائیگی اور اوسی موقع پر یہ دیکھنے کی کوشش کیجائیگی کہ لوگون کا یہ خیال کہ "نتیجہ خیر،، کے حاصل کرنے کے لیئے "وسائل شر" بھی جائز ہین کس حد تک درست ہے، دوسرا طریقہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کا یہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ دوسرون کی نظیرین پیش کی جاتی ہیں، "وظیفہ مکائد نفس" مین عجیب و غریب دلائل کا استعمال کیا جاتا ہے جو بسا اوقات متزلزل بیاد پر قائم ہوتے ہین، اور اس طرح اپنی نظرون میں اپنی وقعت کو برقرار رکھا جاتا ہے، ایک کُہنہ مشق جعلساز کا ضمیر دھوکہ دیتے دیتے کمزور ہوجاتا ہے، اور اسے سمجھانا آسان ہوتا ہے" ایک متدین شخص کا ضمیر پختہ ہوتا ہے، اور اوس کو بددیانتی کی طرف راغب کرنے کے لیئے طرح طرح کی جھوٹی ترغیبات سے کام لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اوّل اول کہ نڈر ہوکر بددیانتی کرتا ہے

اور مؤخر الذکر پہلی بددیانتی کے وقت بہت کچھ پس وپیش کرتا ہے، جب ہم ان بے شمار ترغیبات پر نظر ڈالتے ہیں جو ضمیر کی تشفی اور اپنے افعال بد کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے انسان اپنے نفس کو دیتا ہے تو ہم اِس خیال سے باز نہیں رہ سکتے کہ قدرت نے نیک کرداری کا نقش قلوب انسانی پر کتنا گہرا بٹھایا ہے کہ اوس کو مٹانے کے لیئے ہزار ترکیبیں کرنا پڑتی ہین ہزارہا جھوٹی دلیلین پیش کیجاتی ہین تب کہیں جاکر ہم اپنے ضمیر کو افعال بد کی طرف راغب کر سکتے ہیں، جرمنون نے دوران جنگ میں جو بے شمار ترغیبات اپنے قلوب کو دیں اور جو متعدد طریقے اختیار کیئے اوس سے کم ازکم اتنا پتہ چلتا ہے کہ بحیثیت مجموعی انکا ضمیر نہایت پختہ ہے کہ جس کو تشفی دینے کے لیئے اِس قدر طول عمل کی ضرورت ہوئی اگر جرمن قوم فطرۃً دغاباز ہوتی تو کم ازکم اپنی نظروں میں اپنے افعال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے اوسے اِس قدر اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی،

افعال بد کے ارتکاب کے بعد اپنی اخلاقی کمزوریون کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرنا، اپنے ضمیر کو ترغیب دینا کہ کوئی فعل ہم نے قابل اعتراض نہیں کیا ہے، زندگی میں جدھر دیکھو یہی نظر آتا ہے۔ حکمائے سوء اور علمائے حیل اپنے مطلب کے لیئے کلام الٰہی کی بھی غلط تاویلین کرنے لگتے ہین، سوداگر اپنی گران فروشیون کے متعلق ضمیر کے اعتراض کو یہ کہکر رد کرتے ہین کہ ہم کو بھی تو مالک دوکان اور چنگی والے لوٹتے ہین،، بدچلن اشخاص اپنے ضمیر کی تشفی بدین الفاظ کرتے ہین کہ "دنیا میں بہت سے لوگ ہم سے بھی خراب حالت مین ہیں" قزاق اپنے مال غنیمت کی حلت کا فتویٰ یون دیتا ہے کہ "یہ مال اونھی سے لیا گیا ہے جنھین یہ خفیف نقصان گران نہ گذرے گا،،

مکائد نفس میں زیادہ تر اس عقیدہ سے مدد لیجاتی ہے کہ "انجام خیر" کے حصول کے لیئے وسائل شر بھی جائز ہیں"

گذشتہ سطور مین اشارۃً یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکثر باطل ترغیبات اور افعال بد کے جواز مین اس خیال کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ "انجام خیر" کے لیئے "وسائل شر" بھی جائز ہیں، مکائد نفس کی جتنی مثالین دی

نظر کے سامنے آتی ہین اون مین غالب حصہ اسی خیال کے معتقدین کا ہوتا ہے، جو بقول شاعر ؎

انجام مین ہو اگر بھلائی ہو پہلے بدی تو کیا برائی

پر ایمان لائے ہوئے ہین، ہم آئندہ سطور مین اسی عقیدہ کی صحت کو جانچین گے۔ اے غور کرو اور بتاؤ کہ کیا اکثر ایسا نہین ہوتا کہ لوگ دنیا کو دکھانے کیلئے کسی کار خیر کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہین اور اس پردہ مین دل کھولکر برائیان کرتے ہین اور اگر کوئی اعتراض کرے تو جواب یہ دیتے ہین کہ "جن کو تم افعال بد کہتے ہو وہ ایک اعلیٰ نصب العین تک ہماری رہبری کرتے ہین اور چونکہ نصب العین اعلیٰ ہے لہذا یہ وسائل کیونکر برے ہو سکتے ہین،، انفرادی حیثیت سے قطع نظر، ہمارے ہندوستان کی سماجی زندگی مین اس قسم کی مثالین کثرت سے ملتی ہین کیا کچھ برس قبل اَوَر ڈے (our day) کے موقع پر ہندوستانی طلبا اور طالبات کو یہ کہکر ناٹک کرنے کی ترغیب نہین دی گئی کہ اس ذریعہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا وہ مجروحین جنگ کی آسایشون پر صرف ہوگا، اور چونکہ مصرف نہایت اچھا ہے، لہذا وسائل حصول زر سے بحث نہ کرنا چاہیئے،، کیا وطن کے شیدائیون نے یہ کہکر ہندوستانی خواتین کو ترک پردہ کے لیئے آمادہ نہین کیا کہ "یہ تمھاری آیندہ ترقی اور روشن خیالی کا ایک زینہ ہے اور چونکہ انجام نیک ہے لہذا یہ ذریعہ بھی مستحسن ہے،، کیا تمدن جدید کے ہوا خواہون نے "ترک روش قدیم" کے جواز کا فتویٰ یہ کہکر نہین دیا کہ "یہ ارتقاے قومی کا ایک زبردست آلہ ہے" ہم یہ نہین کہتے کہ نفس کو دھوکہ دینے کا طریقہ صرف ہندوستان تک محدود ہے خود یورپ کی اقوام متمدنہ بھی زمانہ جنگ مین دشمن کی لہلہاتی ہوئی کھیتیون کو تاراج کرتی ہین اون کی عورتون کے ناموس پر حملہ کرتی ہین، اور تشفی ضمیر کے لیئے اس ناپاک خیال سے مدد لیتی ہین کہ "دشمن کو ہر طرح ذلیل کرنا شیوہ حُبُّ الوطنی ہے لہذا یہ افعال بھی قابل اعتراض نہین" کسی انگریز نے دوران جنگ مین جرمنون کی منطق ان الفاظ مین بیان کی ہے، کہنے کو تو "جرمنون کی منطق" ہے لیکن ؎

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران　　گفتہ آید در حدیث دیگران

کا اطلاق اِس مقولہ پر کماحقہ ہو سکتا ہے، بہر حال وہ منطق یہ ہے،

"تم کو ہر وقت اپنے وطن کی فکر رکھنی چاہیئے، اصل سعادت یہی ہے، قتل کرو، چوری کرو، غرضکہ جو کچھ جی میں آئے کرو، اگر وطن کی خاطر ہے تو ہرگز قابل اعتراض نہیں ہو سکتا، انجام کی بھلائی پر نظر رکھو وسائل کے شر و خیر سے بحث نہ کرو"

ابتک ہم اِس عقیدہ کے طریق استعمال اور اِس کی مثالون سے بحث کر تے رہے، آؤ اب یہ دیکھین کہ خود اِس نام نہاد "عقیدہ" مین حقیقت اور صداقت کہان تک پائی جاتی ہے اِس عقیدہ کو اپنے دماغ کے سامنے لاؤ، اور غور کرو کہ "انجام خیر کے لیئے وسائل شر بھی جائز ہین" ان الفاظ سے کیا مفہوم نکلتا ہے ذرا سے تفکر سے تمہاری سمجھ مین آجائے گا، کہ اِس عقیدہ کو تسلیم کرنا ایک دوسرے خیال کو بھی مستلزم ہے اور وہ یہ کہ "بُرائی سے بھلائی پیدا ہو سکتی ہے" خود یہ کہنا کہ وسائل شر سے انجام خیر پیدا ہو سکتا ہے اِس دوسری حقیقت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اِسکے بعد دوسری بات جو ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر سب لوگ اِس خیال کے حامی بن جائیں کہ "شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے" تو دنیا مین کوئی بدترین فعل ایسا نہ رہے کہ جسے اس کی روشنی مین حق بجانب ثابت نہ کیا جا سکے "ظلم و تشدد" اِس خیال کے مؤیدین کے نزدیک مذموم نہین ہو سکتے اسلئے کہ اِن سے اگر بجا ہین تو خطاوار کیفر کردار کو پہونچتے ہین اور اگر بیجا ہین تو "مظلوم" مین حرّیت اور بیداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بقول حشر ؎

تو لے وہ ٹھوکر لگائی چشمِ ملّت کھل گئی

اِسی طرح چوری کو بھی افعال قبیحہ کی فہرست سے خارج کیا جا سکتا ہے، اِس مین دو فائدے ایک طرف تو چور کا جو شاید حاجتمند ہے کام نکلتا ہے، اور دوسری طرف لوگون کو اپنی چیزون

حفاظت سے رکھنے کا زیادہ خیال ہوتا ہے، غرض اِس نرالی منطق سے ہر بد سے بدتر فعل بھی اچھا
ثابت کیا جاسکتا ہے حتٰی کہ قماربازی اور میخواری کے جواز کا فتوٰی بھی دیا جاسکتا ہے، نَعُوذُ
بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا،

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ خیال کہ شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے کس حد تک اور کن
معنون مین صحیح ہے مثال کے طور پر ظلم و تشدّد کو لو فرض کرو کہ ہمارے ایک دوست تاریخی
واقعات سے یہ ثابت کرتے ہین کہ طاقتور اقوام کے ظلم و تشدد نے چھوٹی اقوام مین بیداری کی
رُوح پیدا کی ہے،، اِس حد تک ہم اُن کے ہمخیال ہین، لیکن آگے چلکر اسی بنا پر وہ ہم سے
یہ منوانا چاہتے ہین کہ ظلم و تشدّد ایک لحاظ سے باعث خیر ہین اِس لئے کہ اون کی وجہ سے چھوٹی
اقوام کے خودداری کے جذبات بیدار ہوئے اِس کا صرف ایک جواب ہمارے پاس ہے
اور وہ یہ کہ ظلم و تشدّد بجائے خود قطعاً مذموم اور قابل نفرت ہین، اگرچہ ان سے **اتفاقیہ
طور پر** اچھے نتائج بھی ظاہر ہوسکتے ہین یاد رہے کہ ع

خدا شرّے بر انگیزد کہ خیرے ما در ان باشد

کا یہ مفہوم ہرگز نہین ہے کہ ہر شر مین بالاصل "خیر" موجود ہے، ہم مانتے ہین اور تجربہ بھی بتاتا ہے
کہ برائیون کے سابقہ اور اون کی مقاومت سے اکثر لوگ اپنے عیوب درست کرلیا کرتے ہین،
لیکن اِس خیال کا تجزیہ کرو تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ "ظلم و تشدد" سے اوّل تو کسی نتیجۂ خیر کا ظاہر
ہونا محض اتفاقی ہے، ممکن ہے کہ نہ بھی ہو اور دوسرے یہ (اور یہ نسبتاً زیادہ اہم ہے) کہ اگر کبھی
اچھا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو یہ ظلم و تشدد سے نہین بلکہ ان کے **مقابلہ اور مقاومت** کی بدولت
ظاہر ہوتا ہے، پس ہمارے دوست کا یہ کہنا کہ "ظلم و تشدد" بالاصل مایۂ خیر ہے " غلط ہے اور خیر و
شر کی درمیانی حد کو مٹا دیتا ہے، ہر ظالمانہ فعل کی صفت اصلی ظلم ہے اور ہمیشہ رہیگی الصِّدق

حسنٌ و الکذب قبیحٌ کا کلیہ تمام خیر و شر پر یکساں طور سے حاوی ہے،

ظلم کے نتائج بلحاظ اوسکے حقیقی معنون کے "دوسروں کو جسمانی یا روحانی تکلیف دینا ہیں"،
مثلاً ایدائے بدنی، یا غصہ، قہر، غم، اور اسی قبیل کے جذبی ہیجانات پیدا کرنا۔ یہ سب باتیں جیسی
کچھ خراب ہیں ظاہر ہی ہے، ظلم کی اس حقیقت کے باوجود اگر اس سے اتفاقیہ طور پر کسی اچھے نتیجہ کا
کا ظہور ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خیر کا مخرج کوئی ظالمانہ فعل ہے، بلکہ یون کہو کہ اس خیر کا
ظاہر ہونا شخص مظلوم کی صفاتِ اخلاقی پر منحصر ہے، بے قصور افراد پر جو ظلم کیا جاتا ہے اوس سے ہرگز
کسی نتیجہ خیر کے نکلنے کی امید نہین ہو سکتی، مجرمون پر جو ظلم و تشدد کیا جاتا ہے اوس سے البتہ اچھا
نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن اس فرقہ مین بھی ایسے افراد موجود ہوتے ہین، جن کو ظلم بجائے راہِ راست
پر لانے کے اس سے اور برگشتہ کر دیتا ہے، ان باتون کے علاوہ ایک اور بات بھی باقی رہتی ہے اور
وہ یہ کہ ظلم کا اثر اگر مظلوم پر اچھا بھی ہو تب بھی ظالم پر اس کا اثر کسی طرح اچھا نہین ہو سکتا، کسی
فعل کا اثر صرف مفعول کی ذات تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ فاعل بھی اخلاقی جسمانی یا ذہنی حیثیت سے اس سے متاثر ہوتا ہے

اس بحث مین ظلم کو بطور مثال لیا گیا ہے ورنہ ہر شر پر انہی نتائج کا انطباق
صحت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، مذکورۂ بالا دلائل کی بنا پر حسب ذیل استنباط کیا جا سکتا ہے،

(۱) کسی شر سے خیر کا ظہور پذیر ہونا محض اتفاقی ہے،

(۲) یہ خیر (اگر ہو) شر کا نتیجہ نہین بلکہ اوس کی مقاومت کا نتیجہ ہوتا ہے،

(۳) اس خیر کا ظاہر ہونا مشروط ہے یعنی جس ذات پر شر وارد ہو رہا ہے اوس کی صفات
اخلاقی پر منحصر ہے،

(۴) شر اگر جس ذات پر کیا جائے اوس کے لیئے اچھا بھی ہو، تب بھی شر کرنیوالی ذات
کے لیئے یہ ہرگز اچھا نہیں ہو سکتا،

اِن باتوں کو اگر تم سمجھ چکے ہو تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال کہ "شر سے خیر ظہور پذیر ہوتا ہے" اور اوس کے ساتھ ہی اوس کی یہ تفریع کہ "وسائلِ شر کا استعمال حصولِ خیر کے لیئے جائز ہے"، کس حد تک غلط ہیں، چند خاص مثالوں سے ایک عام نتیجہ اخذ کرنا ایک اہم منطقی غلطی ہے، دو چیزوں میں علاقۂ سببیت اوس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اُن میں توالی و تواتر نہو یعنی علّت کا ظہور پذیر ہونا معلول کے ظہور کو مستلزم نہ ہو، شر اور خیر میں یہ بات نہیں پائی جاتی

اِس عقیدہ کی ایک اہم منطقی غلطی تو ہم دیکھ چکے، لیکن اِس کا ایک اور نقص بھی ہے اور وہ "انجام" اور "وسائل"، کے معنوں اور اون کی حقیقت کے متعلق ہے پس یہ ضروری ہوا کہ ہم اِن دونوں الفاظ کا صحیح تصوّر اپنے ذہن میں قائم کریں، عرفِ عام میں کسی کام کے "انجام یا مقصد" سے وہ **خیال** مُراد ہوتا ہے، جو فاعل کے ذہن میں تو ہے، لیکن جس کی تکمیل ابھی باقی ہے" لفظ "وسائل" سے عام معنوں میں وہ **افعال** مراد لیئے جاتے ہیں جو فاعل کے خیال (مقصد) کو عملی طور پر ظاہر کرنے کے لیئے کیئے جاتے ہیں"، گویا کہ اِن تعریفات میں وسائل کو افعال، اور مقصد کو خیال یا فکر مانا گیا ہے لیکن یہ تعریفات ناقص ہیں انجام محض خیال نہیں ہے جو موجود فی الذہن فاعل ہو، انجام اور وسائل میں یہ تخالف قرار دینا غلطی ہے، حقیقت یہ ہے کہ انجام میں بھی وہی فعلیت پائی جاتی ہے جو وسائل میں موجود ہوتی ہے اور دونوں صورتوں میں فاعل کے ذہن میں اِن ہر دو کے متعلقہ افعال کا تصور قبل از قبل موجود رہتا ہے یہ تجریدی بحث اگر سمجھ میں نہ آئے تو ذیل کی مثال سے اوس کی تشریح ہو سکتی ہے، فرض کرو کہ میں حصولِ صحت کے لیئے حیدرآباد سے اوٹاکمنڈ جانا چاہتا ہوں اس میں میرا انجام یا مقصد "اوٹاکمنڈ جانا ہے"، گھر سے نکل کر حیدرآباد کے اسٹیشن تک جانا اور ٹکٹ خریدنا، یہ وسائل ہیں، اب دیکھو کہ اوٹاکمنڈ جانا اور ٹکٹ خریدنا دونوں کے دونوں افعال کے زمرہ میں داخل ہیں اولاً دونوں میرے ذہن میں بطور "خیال" کے پیدا ہوئے اور پھر تقدیم و تاخیر کے ساتھ بحیثیت افعال سرزد ہوئے،

ایک دوسری مثال لو فرض کرو کہ کسی برسرپیکار قوم نے مفتوحہ قوم کے ملک پر قبضہ کرلیا ہے، فاتح افواج کا مقصد اپنی سلطنت کی تاسیس کے لیئے مفتوحین کو اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اِس مقصد کے حصول کے لیئے جو وسائل استعمال کیئے جاتے ہین وہ فوجی اور غیر فوجی باشندون کا قتلِ عام، غارتگری، مارشل لا، وغیرہ ہین مثال اول کی طرح اِس مثال مین بھی، وسائل اور مقصد دونون یکسان زمرۂ افعال میں داخل ہین، دونون مین لازماً فعلیت پائی جاتی ہے مختصر یہ کہ انجام اور وسائل کے متعلق جو تصورات عام دماغون مین قائم ہین وہ مغالطہ آمیز ہیں، ہم یہ نہین کہتے اِن دونون مین فرق نہین ہے، نہین، فرق ضرور ہے، لیکن وہ فرق نہین جو خیال اور فعل مین پایا جاتا ہے، بلکہ وہ فرق جو "جزو" اور "کل" میں ہوتا ہے، جن کو وسائل کہا جاتا ہے وہ بالاصل افعال ہیں جو بطور جزو کے دوسرے فعل (کل) مین داخل ہین، یہ کل عرف عام مین انجام یا مقصد کہلاتا ہے، اگر یہ بحث مسلّم ہے تو اِس سے کون انکار کریگا کہ "کل" کے متعلق جو کچھ رائے قائم کی جائے اوس مین اوس کے اجزا کا لحاظ بھی ضرور رکھنا چاہیئے، پس اگر "فعل جزوی" یعنی وسائل غیر منصفانہ اور شر آمیز ہو تو فعل کل (مقصد یا انجام) کب بے انصافی اور شر کی آمیزش سے پاک ہوسکتا ہے،

حاصل کلام یہ کہ اون وسائل بد کو جائز قرار دینا جنسے انجام خیر حاصل ہوتا ہو سخت غلطی ہے، وسائل بد کی وساطت سے جو مقصد فراہم ہوگا لامحالہ بد ہوگا، باطل ترغیبات کا ایک بڑا حصہ (بالخصوص خود ترغیبی، کید نفس وغیرہ) اِسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اِس عقیدہ کی غلطی سے واقف ہوجائے تاکہ خود ترغیبی مین اِسکو بطور سند جواز کے نہ پیش کرے اور دوسرون کی ترغیبات کو جو اِس عقیدہ پر مبنی ہون قبول کرنے سے پرہیز کرے، شاید یہ خیال کیا جائے کہ ہم خیر اور شر کو اِس حد تک مستبعد سمجھتے ہین

کہ موخرالذکر کا اول الذکر مین تبدیل ہونا بھی تسلیم ہین کرتے یہ خیال صحیح نہین ہے، خیر ہمیشہ
خیر ہے اور شر ہمیشہ شر رہیگا، لیکن چونکہ دونوں کا مورد و محل وقوع مشترک ہے یعنی حیات انسانی
اسلئے انکا باہمی انضمام بھی ممکن ہے اور یہی اُمید کہ جد و جہد سے شر کو خیر مین تبدیل کیا جا سکتا
تمام دنیا کے مصلحان قومی کی جانفشانیون اور ان تھک کوششون کا سہارا ہے،

خود ترغیبی و خود فریبی مین تخیلہ کا حصہ، | **اس باب مین** ابتک ہم ان تناقصات جذبی و ذہنی سے بحث
کرتے رہے جو ہمارے نفس کو مغالطہ مین ڈالکر ہماری ترغیبات کو ایک خاص رُخ مین لیجاتے ہین،
لیکن ہمارے تخیلات کی جو دسراہ پرداز بھی اکثر اوقات خود ترغیبی مین ہمین مدد دیتی ہے، اور اپنے
اعتقادات و خواہشات کو ہم اوس کی وساطت سے حق بجانب ثابت کرتے ہین۔ جب کبھی کوئی
اعتقاد تمھارے نفس پر مسلّط ہو کر عملِ ترغیب کے لیئے نقطۂ آغاز کا کام دیتا ہے تو اوس وقت جذبات
اور دلائل سے جس طرح کام لیا جاتا ہے وہ تو تم کو معلوم ہی ہو چکا، لیکن قوّتِ متخیلہ بھی اپنا عمل شروع
کرتی ہی، تمھارے معتقدات کے حسب حال خیالی تصویرین پیش کر کے، ماضی اور حال سے مستقبل کی
مُبالغہ آمیز تصویر کھینچکر، رائی کا پہاڑ بناتی ہے، اور نفس کو جملی خواہشات اور معتقدات کا ہم آہنگ
بنا دیتی ہے،

جذبات کی طرح تخیلات کا یہ پُر فریب عمل کم و بیش غیر شعوری حالت مین ہوا کرتا ہے جب
کبھی تمھارے تخیلات تمھاری ذات کے متعلق ہوتے ہین، تو اوس وقت یہ تمھارے دائرۂ شعور
مین نہیں ہوتے، لیکن جونہی کہ نفس ان سے واقف ہو جاتا ہے، ویسے ہی متخیلہ کا بنایا ہوا "قصر
ہوائی" زمین پر آ رہتا ہے، اکثر اوقات ہم خیالی دنیا مین کہاں سے کہان پہونچ جاتے ہین، تفریح
اور سلسلۂ خیالات مین اُلجھے ہوئے ہم اِس طرح بیٹھے رہتے ہین گویا کہ ہماری خیالی تصاویر
فی الاصل حقیقی بھی ہین، کبھی ناخوشگوار خیالات کا تسلّط ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ فی الحقیقت

یہ سب کچھ ہمارے تجربہ مین آرہا ہے، لیکن یہ کل عمل نفس کی لاعلمی مین ہوتا ہے اور کسی شخص کے کمرہ میں داخل ہونے یا کسی آواز کے کان مین پڑنے سے ہم چونک پڑتے ہین اور لاحول ولا قوۃ کہتے ہوئے خیالی تصویرون سے دست بردار ہوکر حقیقت کے مقابلہ کے لیئے تیار ہوجاتے ہین، تم نے شاید بچپن میں اوس آدمی کی کہانی سنی ہو جو خیالی پلاؤ پکاتا ہوا گھی کا گھڑا رکھکر بازار میں جارہا تھا خیالی دنیا میں اس نے کیا کیا مربے حاصل نہین کئے اور انھیں خیالات مین اس قدر منہمک ہوا کہ گھی کا گھڑا پھینک دیا، اس کے گرنے کی آواز سنکر اُسے ہوش آیا یہ مثالیں عمل تخیل کے نیم شعوری ہونیکی اچھی مثالین ہین،

جس طرح ہمارے ذاتی تخیلات نفس کی بیخبری مین ہم کو ترغیب دیتے ہین، اسی طرح ہمارے وہ تخیلات بھی جو دوسرون سے متعلق ہمارے سامنے آتے ہیں نفس کی غیر شعوری حالت میں واقع ہوتے ہیں اور ہوش اوس وقت آتا ہے جب ہمارے تخیلات حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں اوس وقت نفس چونک کر ہوشیار ہوجاتا ہے، اور

ع- بود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

کہتا ہوا خیالی دنیا سے باہر آجاتا ہے، اس کی مثالیں بھی کم وبیش ہر شخص کے تجربہ مین آتی ہین جب کسی شخص کی نسبت تمھیں "حسن ظن" ہوجاتا ہے تو اوس کا خراب سے خراب فعل تم کو خراب نہین نظر آتا، جب ناقابل انکار واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو تمھاری خوش اعتقادی جاتی رہتی ہے، بالکل یہی حال سوءظن کا بھی ہے اس شعر مین

ما سایہ ترا نمی پسندم   عشق است وہزار بدگمانی

"بدگمانی" کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ ہمارے نقطۂ نظر سے تخیل کے ترغیبی عمل کی بہت اچھی مثال ہے "سایہ" کو رقیب سمجھکر معشوق سے بدگمان ہونا عاشق کی غیر شعوری یعنی حالت کو مستلزم ہے اگر وہ سایہ کو سایہ سمجھ لے، اور اس کی حقیقت سے واقف ہوجائے تو تخیل کی یہ فریب دہی بھی جاتی رہے،

ذیل کی مثالون سے کسی دوسرے کے متعلق ہمارے تخیلات کا یہ پُر فریب عمل اچھی طرح سمجھ مین آ جائیگا'

(۱) "ا۔ ب۔ ایک بالطبیعت نیک خاتون تھین، ان کے پاس کچھ عرصہ سے ایک ملازمہ نوکر تھی، یہ ملازمہ انتہا درجہ کی جلد باز اور بے سلیقہ تھی اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جب ایک یا دو چینی کے برتن اسکے ہاتھ سے نہ ٹوٹتے ہون، ا۔ ب اپنی ملازمہ کو جدا نہ کرنا چاہتی تھین، اوس کی طرف سے اونھین ایک خاص حُسن ظن تھا، جب کبھی عقلِ خردہ کار اونھین اپنی ملازمہ کی ناقابلِ اصلاح بدسلیقگی کا یقین دلاتی تو فوراً تخیل کا عمل اوسی ملازمہ کو آیندہ کی باسلیقہ او محنتی کام کرنے والی عورت بناکر پیش کرتا، مالکہ انھی خوش آیند خیالات مین مصروف رہ کر اوس کے برطرف کرنے کا فیصلہ نہ کرسکتی تھین تاآنکہ ایک روز قیمتی ظروف کا پورا ٹوکرا ملازمہ نے گرا دیا اِس واقعہ سے ا۔ ب بیدار ہوئین، ملازمہ کی خیالی "سلیقہ شعار تصویر" غائب ہوگئی، اور وہ برطرف کردی گئی"

(۲) عین اوسی موقع پر س۔ ب نامی دوسری خاتون کو ایک ملازمہ کی ضرورت ہوئی اُن کی پہلی ملازمہ سلیقہ شعار تھی، لیکن س۔ ب کا سوءظن اوس کی معمولی فروگذاشتونکو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتا تھا ایک دن اتفاقاً اوس ملازمہ کے ہاتھ سے کوئی برتن ٹوٹ گیا تو س۔ ب کے تخیل نے اِس واقعہ کو یہانتک بڑھایا کہ خیالی دنیا مین اون کو پورا اساس البیت اِس ملازمہ کے ہاتھون برباد ہوتا ہوا نظر آیا' دوسرے دن اتفاقاً خادمہ کا بھائی اوس سے ملنے آیا اِس س۔ ب کے تخیل نے اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اونکو یقین ہوگیا کہ اون کی خانہ داری کی چیزین اِس "بھائی" کے ہاتھون فروخت کی جاتی ہین، اب انھون نے اپنی ملازمہ کو برطرف کردیا اور اُسکی جگہ ا۔ ب صاحبہ کی ملازمہ کو رکھا، اِس ملازمہ نے حسب عادت آتے ہی نقصان کرنا شروع کیا اِس روح فرسا حقیقت نے س۔ ب کے تخیل کو دور کردیا، اور اُنھیں اپنی پہلی ملازمہ کو بیقصور برطرف کرنے پر سخت تاسف ہوا،

مذکورۂ بالا مثالین اِس قدر عام ہین کہ اون کی صداقت مین کوئی شبہ نہین ہوسکتا اکثر والدین اپنے بچون کو خراب عادتین اختیار کرتے ہوے دیکھتے ہین لیکن اون کی محبّت (یا حُسن ظن) اونھین یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے، کہ "بچّہ ہین" آگے چلکر سنبھل جائینگے،، اگر اساتذہ اپنے کسی شاگرد کی طرف سے بدگمان ہوتے ہین تو اِس غریب شاگرد کی انتہائی مشقّت بھی انھین "لاپرواہی"، نظر آتی ہے، حتیٰ کہ شاگرد کی ہمت بھی پست ہوجاتی ہے اور بالآخر وہ ناکامیاب ہوتا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ لوگ اِس قسم کی پُرفریب ترغیبات کو قبول نہ کرین،

خود ترغیبی یا ترغیبات ذاتی کی المہ دریبیان،

گذشتہ مثالون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تخیلات متعلق بہ دیگر افراد بھی اپنی ذات سے متعلق تخیلات کی طرح نفس کے علم سے ماہر ہوتے ہین اور اون کی اصلیت اُس وقت معلوم ہوتی ہے، جب حقیقت اور واقعات کا سامنا ہوتا ہے، یہ سچ ہے، لیکن یاد رکھو کہ متخیلہ مین حقیقت اور اصلیت کے مقابلہ کی بھی اچھی خاصی صلاحیت ہوتی ہے، ایک مرتبہ دُو مرتبہ تین مرتبہ بلکہ دسّ مرتبہ بھی اگر تمھاری ترغیبات کی لغویت تم پر منکشف ہوجائے تب بھی تم اونھین خیالات باطِل کی طرف رجوع کروگے اور اپنے آپ کو مثل سابق ترغیب دوگے، ہمارے قوائے عقلیہ مین سب سے زیادہ متخیلہ کے قائم کردہ نقوش دیرپا ہوتے ہین اور مٹ کر دوبارہ قایم ہوجاتے ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ شکّی مزاج آدمیون کی اِصلاح کرنا اور بدگماں لوگوں کی بدگمانی دور کرنا کِتنا دشوار ہے، جن لوگوں نے اتالیق بیوی (مسز کاڈل کے کرٹین لکچرز کا اُردو مین ترجمہ) کا مطالعہ کیا ہے وہ اِس کی کافی شہادت دے سکتے ہین، بیوی کی شوہر کی طرف سے بدگمانیان ہر موقع پر غلط ثابت ہوتی ہین جب کبھی واقعات کا انکشاف ہوتا ہے، تو اون کے شبہات کو مہمل اور بے سروپا ثابت کرتا ہے لیکن شوہر کی طرف سے اون کی بدگمانی کِسی طرح کم نہین ہوتی، یہ تو خیر ایک مثال تھی، ورنہ زندگی مین تخیّلات کے یہی کرشمے روزانہ نظر آتے ہین، جو خود فریبی کا ایک

زبردست آلۂ ثابت ہوتے ہین کسی حدیہ یا مخفی خواہش سے مغلوب ہوکر شک وشبہہ وخوف ونفرت محبّت یا اِسی قسم کے جذبی اثرات کے رنگین ہوکر ہم خفیف ترین وحقیر ترین واقعات کی غلط تعبیرین کرتے ہیں، اون مین مبالغہ سے کام لیتے ہیں کبھی کبھی تصرف اور ردوبدل بھی کرڈالتے ہین اور ان نتائج کی سا پر عجیب وغریب نظرئے اور اُصول قائم کرتے ہین جو مضحکہ خیزی مین زعفران زار کشمیر سے کم نہیں ہوتے۔

تخیل جس طرح خود فریبی کا ایک دوامی سرچشمہ ہے اِسی طرح اِس کا استعمال دوسرونکو دھوکہ دینے مین بھی کیا جاتا ہے، اِس قسم کے واقعات عدالتون کے سامنے برابر پیش ہوتے رہتے ہین پُرانے فریبئے اور جعلساز، بیوقوف لوگوں کے تخیل اور اِس ذریعہ سے اون کے مال پر قبضہ کرکے چل دیتے ہیں، مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی خیالی "**اکبری**" اور پرفطرت "**حجّن**" محض خیالی نہیں ہین، اکبری کی طرح بیوقوف مرد وزن اور حجّن کی طرح عیاری سے ترغیب دینے والے دنیا میں آج بھی موجود ہین تخیل پر قبضہ کرکے دھوکہ دینے کی مثالین اکثر اخبارون مین نظر آتی ہین دغاباز لوگ بڑی بڑی دُکانون مین جاتے ہیں اور اپنے آپ کو رئیس ظاہر کرکے قرض مال وصول کرتے ہین قصبات کے مُلّا اور سیانے، دیہات کی کم سمجھ عورتون کے سامنے مستقبل کی دہشتناک تصویرین کھینچتے ہیں اور صدقہ کے طور پر انکا زیورا اور روپیہ لیکر چلدیتے ہین،

تحریری اور تقریری ترغیبات میں بھی قوّت متخیلہ کی فریب دہی سے کام لیا جاتا ہے، ایسے مواقع پر غلط تشبیہات، ناقص تمثیلات اور بےبنیاد موازنون سے کام لیا جاتا ہے، اشتہاری دوا فروشوں اور طماع مشنریوں سے قطع نظر بعض متین اور سنجیدہ تحریروں اور تقریرون مین بھی اِس کی جھلک نظر آتی ہے کسی صاحبِ ثروت کو مطعون قرار دینے کے لیئے اوسے شدّاد، یا فرعون سے تشبیہ دینا کسی شاعر کی ہجو کرنے کے لیئے اوسے قصیدہ خوان کہنا کسی طریق عمل کو بدنام کرنے

کے لیئے اوسے مائل یہ استبداد یا غلامی کے نام سے یاد کرنا کسی جدید رائے کی مخالفت کرنے کے لیئے اسے "مغربیت" کہنا، یہ سب اسی کی مثالین ہین، عمل ترغیب مین غلط تشبیہات و نظائر کا استعمال ہر ملک کے سیاسی مقررون اور مضمونون مین پایا جاتا ہے، اس قسم کی ترغیبات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہو کہ سطحی یا لفظی مشابہت کو حقیقی اور معنوی بنا کر پیش کیا جاتا ہو مثالین جو پیش کی جاتی ہین ایسی ہوتی ہین جن مین جذبات کو برانگیختہ کرنے یا تخیلہ پر قابو پالینے کی صلاحیت تو ضرور ہوتی ہو لیکن اگر جانچو کہ مثل اور مثل لہ کے درمیان کوئی علاقہ پایا جائے یا ایک کا دوسرے پر صحیح انطباق کیا جا سکے تو یہ ممکن نہیں، ان ہی بنیادون پر استنتاج کیا جاتا ہے جو ظاہر ہے کہ بعید از صداقت ہوگا لسّان وکلار، بازاری زعمار، اشتہاری دوا فروش، جاہل مبلّغ ان سب کی تقریرون مین استدلال کے خشک ٹکڑون کے بجائے مبالغہ آمیز تخیلات کی چاشنی ہوتی ہے، ناسمجھ افراد اس دھوکہ مین آجاتے ہیں اور ترغیب دہندہ کی حسب خواہش فعل کرنے لگتے ہین،

فریب آمیز ترغیبات کی جو مثالین ہم نے اس باب میں بیان کی ہیں اُن سے اس امر کی توضیح ہوجاتی ہو کہ اکثر اوقات ہماری ترغیبات پر خواہ ذاتی ہون یا صفاتی، متضاد جذبات، غلط استدلالات، اور بے سروپا تخیلات کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے، یہ تینوں مؤثرات ایک دوسرے میں ضم ہوکر اور ایک دوسرے کی مدد سے ہماری ترغیبون کو غلط رُخ پر لیجاتے ہیں جس کا انجام خود فریبی یا فریب دہی ہوتا ہے،

ہماری توضیحات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ باطل ترغیبات، خفیہ طریقہ پر، بغیر ہمارے وقوف کے بھی عمل کرتی رہتی ہیں، اکثر اوقات تو ہم اُن اندرونی محرکات سے بالکل ہی واقف نہین ہوتے جو اندر ہی اندر ہم کو تحریک دیتے رہتے ہین لیکن اکثر جب اونکا تھوڑا بہت علم ہمارے نفس کو ہوجاتا ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ انکا اظہار دنیا کے سامنے ہمارے ہتک کا باعث ہوگا یا خود انکا خیال تک کرنا ہمارے ضمیر کے

منافی ہے تو اس وقت استدلال اور تخیلہ کی ریشہ دوانیاں شروع ہوجاتی ہین، ان دونون کی مدد سے ہم اپنے ناگوار محرکات اور خیالات کی ہیئت کذائی کو تبدیل کرکے اون کو اپنے یا دوسرون کے ضمیر کے لئے قابل قبول بنادیتے ہین کسی انسان مین اتنی جرأت نہین کہ وہ برملا اون خودغرضانہ اور متضاد جذبات، بےثمر یا تخیلات اور غلط دلائل کو برہنگی کے ساتھ دنیا کے روبرو پیش کرے، جو بیداری یا خواب کی حالت مین اوس کے نفس کے سامنے آتے ہین اور اوس کی ترغیبات کے لئے فریب آموز ثابت ہوتے ہین،

چونکہ ترغیب کا عمل اس طرح پردۂ خفا مین رہتا ہے، اس وجہ سے جو افعال اوسکی بدولت سرزد ہوتے ہین اون پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ ایک بدیہی بات ہے، اس لئے کہ جب تم ایسے محرکات کے زیر اثر ہو جنکا برملا اظہار تم نہین کرسکتے حتی کہ خود اپنے نفس کے سامنے اونکا اقبال کرتے ہوئے تم نادم ہوتے ہو تو ظاہر ہے کہ تمھارے افعال بھی (خصوصاً جب اون سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہین) ضرور پردۂ راز مین رکھے جائین گے اکثر اوقات یہی مخفی عمل ترغیب بڑھتے بڑھتے ایک سازش کی شکل اختیار کرلیتا ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی لڑکی کی شادی ایک کم استطاعت شخص کے ساتھ ہوئی ہے، اب یہ لڑکی جذبۂ حسد کی تحریک سے اپنی چھوٹی بہن کے خلاف سازش کرتی ہے، کیونکہ اس کا آیندہ شوہر ایک ذی ثروت شخص ہے، جذبہ تو حسد کی شکل مین نمودار ہوا، اب اس بڑی بہن کا تخیلہ چار سال بعد کا منظر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اس خیالی دنیا مین وہ اپنی چھوٹی بہن کو عیش وآرام کی زندگی بسر کرتی ہوئی دیکھتی ہے اور خود اپنے آپ کو قلت آمدنی کی مصیبتون میں گرفتار پاتی ہے، جذبہ کی اس تحریک اور تخیلہ کی فریب دہی سے متاثر ہوکر وہ اپنی بہن کے خلاف سازش شروع کرتی ہے، چھوٹی بہن کی موجودگی مین اس کی آیندہ جدائی کے خیال سے مغموم نظر آتی ہے، والدین کے سامنے اپنی حیثیت سے بڑھکر رشتہ کرنے کے نقصانات بتاتی ہے، خفیہ طریقہ سے

اپنی چھوٹی بہن کی بُرائیان فریق ثانی تک پہچاتی ہے اور اون کو ترغیب دیتی ہے کہ اوس کے ساتھ رشتہ کا خیال ترک کردیں،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ مذکورہ بالا مثال مین استدلال کا ترغیب پر کوئی اثر نہین پایا جاتا اور یہ کہ کوئی عقلمند بہن اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے ساتھ ایسا سلوک روا نہین رکھ سکتی، یہ اعتراض بالکل بجا ہے، بڑی بہن قوت استدلال سے عاجز نہیں ہے لیکن وہ استدلال بجائے اس کے کہ اوس کی خواہشات کی مخالفت کرے اوس کے جذبات کا ہم آہنگ بنگیا ہے اور اوس کی حرکات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے "میرے کرنے سے کیا ہوگا" "اگر چھوٹی بہن کی قسمت اچھی ہے تو میری تدبیر کارگر ہی نہ ہوگی" "اگر میری تدبیر کارگر ہوگئی، تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ شادی اوس کی قسمت مین نہ تھی، بہرحال میرا کیا قصور" اِس طرح کی خود فریبیون یا یون کہو کہ "تشفیٔ ضمیر کے لیئے" وہ استدلال استعمال کیا جا رہا ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مذکورہ بالا مثال سچ ہے، ممکن ہے کہ یہ راقم کے پُرفریب تخیلہ کا نتیجہ ہو اور کسی خواہش سے مجبور ہو کر یعنی دوسرون کو مسئلہ ترغیب کے متعلق اپنا ہمخیال بنانے کے لیئے وہ استدلال کر رہا ہو بہرحال کوئی صورت کیون نہ ہو، اتنی بات مسلمہ ہے کہ حضرت انسان کے گوناگوں جذبات کو دیکھتے ہوئے ایک بہن کا دوسری بہن کے خلاف اس طرح سازش کرنا ناممکن نہین ہے،

مختصر یہ کہ جس طرح عمل ترغیب کے عناصر ترکیبی تین ہوتے ہین، یعنی جذبہ، متخیلہ، استدلال اوسی طرح سے خود ترغیبی، خود فریبی، اور باطل ترغیبات مین بھی یہی تینون علیحدہ علیحدہ عامل رہتے ہیں، ہمارے جذبات، وجدانات، اور جبلّی خواہشات ہماری ترغیبون پر حاوی رہتی ہیں، اون کی تشفی کے لیئے کبھی ہم غلط استدلال کرتے ہیں، اور کبھی فضول اور مبالغہ آمیز تخیلات سے کام لیتے ہیں، ابتک ہماری بحث باطل ترغیبات اور اُن کے مضر نتائج سے اُسی حد تک رہی جہان تک افراد کا تعلق ہے، لیکن افراد کی طرح جماعات کو بھی باطل ترغیبات دیجا سکتی ہین یا جماعات خود اپنے آپ کو اِس قسم کی ترغیب

دے سکتی ہین، جب باطل ترغیبات کا اثر کسی ذی اقتدار ہیئت اجتماعیہ مین ہوتا ہے جس کے افراد وحدت مساعی و مقاصد کے رشتہ مین منسلک ہوتے ہین، تو اوس صورت میں ان کے مضر اثرات تعداد افراد کی مناسبت سے اور زیادہ ہو جاتے ہین اور اونکا دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے، اون کی وساطت سے طاقتور جماعتین اپنے افراد اور دوسری کمزور جماعتون کو اپنے قابو مین رکھنے کی کوشش کرتی ہین، تہدید عدمیت (Nihilism) نراج یا فوضویت — Anar-chy — انتفاع ناجائز، اور بہت سے دوسرے مضر اثرات رونما ہوتے ہین اور حیات اجتماعیہ کے ہر شعبہ پر اپنا مُضر اثر ڈالتے ہیں پس اِس قسم کی ترغیبات کا تجزیہ قومی اور جماعتی اعتبار سے نہایت مفید ہو سکتا ہے، اور آیندہ باب مین اسی سے بحث کیجائیگی،

بابِ سوم

جماعات کی ترغیب کے طریقون سے بحث، افرادِ جماعت پر اون کے مُضر اثرات، تہدید، و انتفاعِ ناجائز

عصرِ جدید کا جماعت بندی کی طرف رجحان،

زمانۂ حال میں فرقہ بندی کا جو عام رجحان دیکھنے مین آتا ہے اسکی مثال گذشتہ تاریخ میں کہین نظر نہیں آتی، ابھی زیادہ زمانہ نہین گذرا کہ جماعت، انجمن وغیرہ کا اتنا چرچا نہ تھا، ہر شخص بجائے خود سعی و کوشش کرتا تھا، لیکن آج صورتِ حال اِس کے بالکل عکس ہے، ایک خیال، ایک پیشہ، اور ایک ہی اغراض و مقاصد رکھنے والے افراد ہر طرف سے سِمٹ کر اپنے اپنے مخصوص حلقے اور گروہ بنا رہے ہین، ریل، تار، لاسلکی پیغام رسانی، ہوائی جہاز اور دیگر وسائل آمدو رفت نے بُعدِ مکانی کو مِٹا دیا ہے، اور مقام اور جگہ کی قیدین ترسیل و تبادلۂ خیالات مین حائل نہین ہوتین، اس مدنی رجحان کا نتیجہ ہم آج یہ دیکھ رہے ہین کہ مختلف جماعات اپنا اپنا حلقۂ اثر وسیع کرنے کی کوشش کر رہی ہین، اپنے مقاصد و اغراض کی تکمیل کے لیئے افراد کو عجیب و غریب طریقون سے ترغیب دیتی ہین، جن طریقوں سے یہ ترغیب دیجاتی ہے، اور افراد پر اون کا جو کچھ اثر ہوتا ہے، وہ شاید موجودہ زمانہ سے زیادہ کبھی نہ ہوا ہوگا،

زندگی کے جس شعبہ کو لو، اُس مین تمہین جماعت بندی، شرکتِ عمل، مشترکہ جد و جہد کا

رجحان روز افزون نظر آئے گا، مذہب کے فرقے تو قدیم زمانے سے چلے آرہے ہین، لیکن ایسی علمی
تنظیم وتنسیق، اور باقاعدگی آج دیکھنے میں آتی ہے، زمانہ سابق مین اوس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، علمی
جماعتین علیحدہ قائم ہین، ایک ہی خیال، یا ایک ہی نظریہ کے قائلین، یا کسی خاص مذہب کے معتقدین
علیحدہ علیحدہ حلقون مین تقسیم ہوگئے ہین اور ہر حلقہ اپنے نقطۂ خیال کی حمایت مین کسی ممکن کوشش سے
دریغ نہین کرتا، پیشہ ورون مین بھی اِسی حلقہ بندی کا زور و شور ہے، بار ایسوسیئیشن (Bar Association) یعنی انجمنِ وکلار، اساتذہ کی کانفرنس، ڈاکٹرون کے
کلب، انجنیرون کی سوسائٹیان، یہ ہمارے ہندوستان مین بھی موجود ہین اور ابھی ابھی حال مین کارکنون
اور مزدورون کی جماعتین، اور آل انڈیا نائی کانفرنس بھی وجود مین آچکی ہین، غرضکہ ہر پیشہ نے اپنا اپنا
نظم ونسق مرتب کر لیا ہے، اپنی بقا و تحفظ کے لئے ایک مشترکہ نظام عمل کی پابندی متعلقہ افراد پر لازمی
قرار دیدی ہے، تجارت مین بھی بعینہ یہی کیفیت نظر آتی ہے، ایوانہائے تجارت، انجمن ساہوکاران، غرضکہ
ایسی ہی اور جماعتیں ملک کی تجارت کو اپنے ہاتھ مین لئے ہوئے ہین اور غریب دوکاندار جو انفرادی حیثیت
سے کاروبار کرتے ہین رفتہ رفتہ جماعتون کے دباؤ سے متأثر ہو رہے ہیں اور میدان عمل سے پیچھے ہٹتے چلے
جارہے ہین، سیاسیات میں دیکھو تو، ہان بھی یہی [illegible] ایک ہی حلقۂ اتحاد مین جمع
ہوکر گورنمنٹ کی پالیسی کو اپنے اثر میں لانا چاہتے ہین، اور عام لوگون پر اپنا رسوخ جتاتے ہین، سیاسی
فرقے کثرت سے ملک مین قایم ہیں اور وقت اور حالت کے اقتضا سے برابر مٹتے یا وجود مین آتے رہتے
ہین، ماڈریٹ (اعتدال پسند)۔ لبرل، اکسٹریمسٹ (انتہا پسند)۔ کوآپریٹر (موالاتی)۔ نان کوآپریٹر (عدم موالاتی)۔ غرضکہ متعدد گروہ اِس کوشش میں
مصروف ہیں کہ گورنمنٹ کو اپنا ہمخیال بنائیں، یا ملک مین اپنے شرکائے خیال وعمل کی تعداد مین اضافہ کرین

اِس سے تو کسی کو اِنکار نہین ہوسکتا کہ کسی جماعت کے مختلف افراد کا تعاون وتعامل
اون کے مقاصد فی الوقت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے، یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ مل جل کر کام

کرنے سے بہت سے عملی فوائد رونما ہوتے ہین، ہم یہ بھی نہین کہتے کہ جماعت بندی کے نتائج صرف مضر ہی ہوتے ہین اونکا معید ہونا یا مُضر ہونا، ان جماعتون کے مقاصد اوراں مقاصد کے حصول کے طریقوں پر منحصر ہے، پھر بھی اِتنی بات ضرور ہے کہ جب دُو گروہ اپنے اقتدار کے لیئے کوشاں ہوں تو اوس صورت مین بعض خامیون کا وجود لازمی ہے اور یہ خامیاں کیا ہین؟ یہی ترغیبات باطل (اپنے حلقہ کے افراد کو غلط ترغیبات دیکراون سے منافی ضمیر افعال سرزد کرانا، یا دوسری جماعتوں کے افراد کو ترغیب دے کر اپنے حلقہ میں لانا) انتفاع ناجائز (یعنی مدنی اور اجتماعی دباؤ ڈالکر افراد سے کام لینا) تہدید وغیرہ موجودہ باب مین انہی سے بحث کیجائے گی،

تشکیل جماعت میں نفس انسانی کی صفت، اثر پذیری کا حصّہ اور اُسکے اثرات،

اثر پذیری نفس اِنسانی کا فطری اور ذہنی خاصّہ ہے، یہ اِسی صفت کا نتیجہ ہے کہ ہم اکثر اوقات بعض معتقدات کو بلا تجسس تفوت یا استدلال محض اِس وجہ سے قبول کرلیتے ہین کہ دوسروں کے بھی یہی معتقدات ہین، اب خواہ تم اِسکو نفس انسانی کی کمزوری ہی کیوں نہ قرار دو، تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اِس خاصّۂ نفس کا اثر حیات ملیّہ پر بہت کچھ ہوتا ہے، اگر دماغ انسانی اِس صِفت سے متّصِف نہ ہوتا، تو حیات مدنی کا وجود بھی ہوتا مِثال کا اثر، صحبت کا اثر، تقلید، ترغیب یہ سب سرے سے وجود ہی مین نہ آتے، کیونکہ اچھی یا بُری مثال سے متأثر ہونا کسی خاص رویّہ کی تقلید کرنا، یہ دونون کے دونون اِس صِفت کے وجود کو مستلزم ہیں، اِسی طرح سے عمل ترغیب مین بھی اِس کا وجود لازمی ہے کیونکہ اوّلاً تو جن اساسی اعتقادات سے عمل ترغیب شروع ہوتا ہے (ملاحظہ ہو باب اول) وہ اسی خاصۂ اثر پذیری کی بدولت ہمارے نفس میں جاگزین ہوتے ہیں، ثانیاً دوسروں کی ترغیب کا قبول کرنا، یا خود ہمارا دوسرون کو ترغیب دینا کل دُخر اِسی پر منحصر ہے، اگر یہ نہوتا تو کسی مقرر یا مصنّف کے لیئے دوسروں کو اپنا ہمخیال بنا کر اون سے اپنی حسب خواہش افعال سرزد کرانا قطعاً ناممکن ہوجاتا،

اثر پذیری[1] کے نتائج اصلی رنگ میں جماعتوں میں نظر آتے ہیں، جب متعدد افراد "انبوہ" کی شکل میں مجتمع ہو جاتے ہیں اُس وقت اون کی انفرادی حیثیت باقی نہیں رہتی، تشخصیت ذاتی لُٹ لیجاتی ہے، آزادیِ رائے و خیال کی بجائے کورانہ تتبع و تقلید کا عمل ہوتا ہے، ایسے ہی مواقع پر رعمار عوام کی صفت اثر پذیری سے ناجائز فائدہ اُٹھالیے ہیں، انبوہ و اژدحام سے قطع نظر، انجمنوں اور جماعتوں کے افراد میں بھی اثر پذیری کا مادہ ہوتا ہے، جب ایسی صورت ہو تو افراد کا ہیئت اجتماعیہ کے دباؤ سے متأثر ہوکر اپنے نفوس کو غلط ترغیب دینا یا غلط ترغیبات کو قبول کر لینا مقام تعجب نہیں ہے، سطحی دلائل اور جذبات، اور تخیلات کی متناقض اپیلیں گو ہر مقصود کے حصول میں صرف کی جاتی ہیں کسی اپیل کے مدلل اور مہمل ہونے سے بحث نہیں کی جاتی، حصول مقصد کی صلاحیت اوس میں ہو تو اوسے آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جاتا ہے، ہر جماعت کی تنظیم اور اوس کے ضوابط و قواعد اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ اوس کے افراد مشترک اغراض کے حصول میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ذاتیات (حتی کہ بعض اوقات ضمیر کی مخالفت کو بھی) خارج از بحث قرار دیں، ظاہر ہے کہ جب یہ حالت ہو تو ہر فرد کا قدرتی رُجحان اسکو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ کسی چیز کو قبول یا رد کل جماعت کے لیے مفید یا مضر ہونے کے لحاظ سے کرے اور اِس قدرتی رجحان کو نفسِ انسانی کے خاصّۂ اثر پذیری سے بہت تقویت پہونچتی ہے،

افراد جماعت کی ناجائز ترغیبات ہتکنڈے بعض تلبیسات

اثر پذیری سے جو بحث ابتک کی گئی اوس سے یہ تو واضح ہو گیا ہوگا کہ عمل ترغیب میں اس کی موجودگی ضروری ہے نیز ایک حد تک اون نتائج قبیحہ کا بھی اندازہ ہو گیا ہوگا جو "اثر پذیری" کی بدولت مترتب ہو سکتے ہیں، یہانتک تو خیر تمہیدی بحث تھی

---

[1] ممکن ہو تو ناظرین فلسفۂ اجتماع (مصنفۂ مولوی عبد الماجد صاحب) میں "اثر پذیری" کا باب ۱، حصہ ب ملاحظہ فرمائیں، اسکی مکمل بحث موجودہ حد نظر سے باہر ہے، مؤلف،

اب دیکھنا یہ ہے کہ جماعات کے زیر اثر آکر افراد پر کیا کیا بندشین عائد ہوجاتی ہیں یا وہ خود کسی فعل ناجائز کے جواز کی کس طرح کوشش کرتے ہین،

کسی جماعت کے افراد کے لیئے جو باہمی امداد کا عہد و پیمان کرچکے ہون، یہ ناممکن نہین تو ذرا دشوار ضرور ہے کہ وہ کس قسم کی آزادخیالی سے کام لے سکین یا فریق غالب کی رائے کی مخالفت کرین، اگر کوئی فرد ایسا کرے تو اوسے فوراً خارج کردیا جاتا ہے، ہر طرح کی اخلاقی، معاشرتی بندشین عائد کی جاتی ہین، ہر قسم کی باہمی مراعات سے جو اس جماعت مین ہون دست بردار ہونا پڑتا ہے، انگلستان مین اور کسی قدر ہندوستان مین بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے، طبابت اور قانون ان دونون پیشون نے ایک قسم کا معیار عمل مقرر کرلیا ہے جو ان کے افراد کے لیئے قانون کا حکم رکھتا ہے، اس کو پروفیشنیل ایٹیکیٹ (Professional etiquette (دستور حرفہ) کہتے ہین، اگر کوئی بدقسمت شخص اس مقررہ روش کے خلاف چلے تو اوسے فی الفور علیحدہ کردیا جاتا ہے، اور حق رکنیت کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات اس بیچارے کو پیشہ سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے، اس دباؤ کا اثر کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ اگر کسی فرد کو جماعت کی منظورہ قرارداد سے اتفاق نہ بھی ہو تب بھی اوسے اپنے ضمیر کا منہ مار کر اپنی رائے کو دوسرون کی رائے کے مطابق کرنا پڑتا ہے، اور چار و ناچار فریق غالب کا شریک کار ہونا پڑتا ہے خود ہندوستان کے بعض قصبات مین "حقہ پانی بند کرنے کی" دھمکی جو کارگر اثر رکھتی ہے وہ اکثر اوقات ضمیر کی آواز کو اپنے اندر دبا لیتا ہے،

دوسرے باب مین جو کچھ ضمیر کی مخالفت اور اس کی تردید کے متعلق کہا جاچکا ہے اس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ہر شخص کا ضمیر لازماً اوس کے افعال بد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، لیکن اس کو فوراً ہی اطمینان دلا دیا جاتا ہے اور اس طرح صدائے مخالف کو خاموش

کردیا جاتا ہی بعینہ یہی حال جماعت کی ترغیبات کا ہی اگر مین کسی جماعت کا رکن ہون اور وہ جماعت ایسی جماعت ہی کہ جس سے میرے فوائد بڑی حد تک وابستہ ہین، تو مین اوس جماعت کی ہر تجویز کو منظور کرنے پر مجبور رہونگا، اب ایسی صورت مین فرض کرو کہ جماعت غلط آرا سے کوئی ایسی تحریک منظور کرتی ہی جو میرے ذاتی اعتقادات کی مخالف ہی، اگر میرا ضمیر پختہ ہے تو میں اوس کو ماننے سے انکار کر دونگا اور ہر طرح کا خمیارہ برداشت کرنے کے لئے تیار رہونگا، لیکن دوسری صورت مین (یعنی جب مین اپنے فوائد پر ضمیر کو قربان کرنا چاہون) سہل سی دلیل یہ ہوگی "یہ تحریک اگر نا جائز ہو تو ہوا کرے مین اپنی جماعت اور اوس کے دیگر افراد کی بھلائی کو مد نظر رکھکر اس کے موافق رائے دیتا ہون" عام الفاظ میں یوں سمجھو کہ جماعت کے اثر سے کبھی کبھی لوگ اِس پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اعتقادات ترک کر دین یا ان کا برملا اظہار نہ کرین، یا پھر ضمیر کی مخالفت کو رد کرنے کے لئے مذکورۂ بالا کید نفس سے کام لیں، اِس خیال کے معتقدین کی نگاہون مین اگر "نتائج کا حسن" وسائل کے شر کو زائل کر دیتا ہے تو مذکورۂ بالا دلیل یقیناً قابل قبول ہوگی لیکن خود یہ عقیدہ جتنا فریب دہ اور باطل ہی وہ ہم گذشتہ باب مین دیکھ چکے ہیں، اِس پردہ کے پیچھے جذبۂ حکومت پسندی، ظلم یا انتقام کی تشفی کیجاتی ہے اور اس کو ظاہر مین "ایثار" کا خوشنما لباس پہنا دیا جاتا ہے،

اثر پذیری کے انتہائی کرشمے اکثر اُن جماعتون مین دیکھے مین آتے ہیں جو خوف کو کام میں لاتی ہین" اور سرکش" افراد کی تہدید و سزا کے ذرائع استعمال کرتی ہیں جن اصحاب نے انجمن اتحاد ترقی ٹرکی یا انارکیسٹ پارٹی بنگال، یا سوویٹ پارٹی روس کی کارروائیاں پڑھی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ مجلسین خفیہ طور پر تہدید کے کیا کیا ذرائع کام میں لاتی تھیں، جرمنون کا محکمۂ جاسوسی بھی اِسی قسم کا تھا سلطنت جرمنی آغاز جنگ سے قبل چالیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف اپنے جاسوسون پر صرف کیا کرتی تھی، اس ررکتیر کے خرچ سے نظم و نسق کی جو آسانیاں حاصل ہوسکتی ہین اوس کا اندازہ اِسی سے ہو جائے گا کہ ہر

جرمن جاسوس اِس پر مجبور تھا کہ شرکت عمل کرے اور آزادیِ عمل سے دست بردار ہو جائے، جرمن محکمۂ جاسوسی مین ایسے واقعات متعدد بار پیش آئے ہین کہ کسی سربر آوردہ جاسوس پر شبہہ کیا گیا ہے کہ وہ انگریزون سے ملا ہوا ہے، اور اِسی شبہہ کی پاداش مین اوسے خفیہ طریقون پر قتل کر ڈالا گیا ہے،

بقائے جماعات کے زبردست ترین موید (۱) جذبۂ خوف اور (۲) حصولِ اقتدار کا جذبہ ہین

ہم ابھی کہہ آئے ہین کہ جماعتوں کو اپنے افراد کو قابو مین رکھنے اور اونھین اپنے حسب منشا ترغیب دینے کے لیئے خوف کے جذبہ سے کام لینا پڑتا ہے، اِس کی مثال مین جرمن محکمۂ جاسوسی کو پیش کیا جا چکا ہے جب ایسی صورت ہو تو کسی فرد کے لیئے یہ قریب قریب محال ہے کہ وہ اپنی جماعت کے خلاف جائے اس کی کوشش اکثر جان لیوا ثابت ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی فعل جو ایک شخص اپنی جگہ پر بہت کچھ پس و پیش کے بعد کرتا، جماعت کا رکن ہنکر وہ آنکھ بند کرکے کر گزرتا ہے، اور اپنے دِل کو اِس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ "یہ کام بُرا ضرور ہے لیکن چونکہ اِس سے بالآخر میری جماعت کا فائدہ ہے، لہذا دوسرون کے لیئے اسے کرنے مین کچھ ہرج نہین ہے"،

کسی فرد جماعت کے نقطۂ خیال سے جذبۂ خوف کا یہ عمل ایک معروضی حیثیت رکھتا ہے، یعنی یہ کہ جماعت خوف دلا کر اوس کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کرتی ہے، اور اس طرح جماعت کے نظم و نسق مین فرق نہیں آنے پاتا، یہ تو خیر ایک صورت ہے، لیکن اِسی مسئلہ کی دوسری حیثیت موضوعی ہے، یعنی ہر فرد کسی خوف سے نہیں بلکہ اپنے جذبات کی آزادانہ تحریک سے کِسی جماعت کے ساتھ ملکر کام کرتا ہے، اِن جذبات مین جو اِس طرح افراد کو تحریک دیتے ہین سب سے زبردست جذبۂ خواہشِ اقتدار ہے، جو مختلف اور متضاد خیال کے افراد کو ایک ہی رشتۂ اتحاد مین منسلک رکھتا ہے،

ہر گروہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اوس مین کم و بیش حکومت یا اقتدار کا شوق ہوتا ہے، اور فی الحقیقت گروہون کے وجود کا بانی یہی جذبہ ہوتا ہے اور اسے "تحفظِ حقوق" کا خوشنما نام دیا جاتا ہے

اگر تم انفرادی حیثیت سے کسی مجلس کے ارکان پر نظر ڈالو تو تمھین معلوم ہوگا کہ اون مین غالب تعداد
ایسے افراد کی ہی جن کو کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہی، سرمایہ دارون کی انجمن کو بطور مثال لو کتنے فیصدی
سرمایہ دار ایسے ہین جو بطور خود مزدورون یا خریدارون یا گورمنٹ پر کسی قسم کا دباؤ ڈال سکیں اور
اون سے اپنے طرزِ عمل کا تتبع کرا سکیں، لیکن جب یہی افراد کسی جماعت مین بحیثیت ارکینِ انجمن سرمایہ
داران یا "ممبرانِ ایوان تجارت" شریک ہوجاتے ہین، تو ہر فرد اپنی قوّت اور حکومت کو بڑھا ہوا پاتا ہی،
اور فی الحقیقت اوس پوری جماعت کے حصۂ حکومت و اقتدار مین سے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ حصہ (بشکل ووٹ)
مِل ہی جاتا ہی، جذبۂ حکومت پسندی عالمگیر ہے، ہر شخص میں تھوڑا بہت موجود ہوتا ہی، بقول نطشے[1] (Nietzsche) غلامون میں بھی آقا بننے کی خواہش موجود ہوتی ہی" ایک اور لطف یہ ہے کہ
جب ایک مرتبہ حکومت یا اقتدار کسی کو ملجاتا ہی تو پھر آسانی سے اسے چھوڑا نہین جاتا، بہت سے
لوگ جو فرداً فرداً اتنی استعداد نہ رکھتے تھے کہ دوسرے لوگون کی رائے یا اون کی زندگی کو متأثر کردین
وہی لوگ جب کسی جماعت کے ارکین بنجاتے ہین تو اون کو اقتدار کا لطف آتا ہی اور جقدر زیادہ جو
شخص انفرادی طور پر نا اہل ہوتا ہی اتنی ہی اوسے اقتدار رکھنے مین مسرت ہوتی ہی اور وہ اپنی جماعت
کے طفیل مین حاصل کی ہوئی حکومت سے مخمور ہوجاتا ہی، اِس قسم کے کم ظرفون سے قطع نظر اکثر قابل
افراد کو بھی اقتدار مین ایک خاص لطف آتا ہی اور وہ بھی اِس کا ناجائز استعمال کر گذرتے ہین، ایوانِ
اقتدار کی جگمگاہٹ کچھ عجیب تاثیر رکھتی ہی، تمام افراد کے چہرے ایک ہی غازے مین رنگے ہوئے نظر
آتے ہین اور بڑے بڑے علما و فضلا بھی اپنی قبائے علمیت اور دستارِ فضیلت کو اُتار پھینکتے ہین اور

[1] (Nietzsche) ایک مشہور جرمن فلاسفر گذرا ہی جس نے سنہ ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا ہی، اِس فلسفی کی خاص تلقین یہی
کہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا چاہیئے، اِس کی اِس تلقین کو غلط معنی پہنا کر انگلستان کے فلاسفہ اور مدبرین نے گذشتہ جنگ جرمنی
کی ذمہ داری اسی کے فلسفہ پر عائد کی ہی، اوسکے عام فلسفہ کا اندازہ ڈاکٹر اقبال کی نظم "شوپن ہار و نطشا" (پیام مشرق) سے ہوسکتا ہے۔

اور عوام کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں،

اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ "حکومت و اقتدار کو تم کیسا سمجھتے ہو؟" تو ہمارا جواب یہی ہوگا کہ فی نفسہ اقتدار کو نہ تو خیر کہا جا سکتا ہے اور نہ شر، اس کا خیر یا شر ہونا محض اضافی ہے، اور طریقۂ استعمال اور نقطۂ خیال پر بہت کچھ منحصر ہے "زر" کی طرح "زور" کو بھی ایک واسطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے، مال و دولت کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ شروع شروع میں ان کے حصول کی خواہش محض اسلیئے ہوتی ہے کہ اِن کو "ذریعہ" بنا کر ضروریاتِ زندگی پوری کی جائیں، لیکن رفتہ رفتہ یہی خواہش "عشقِ زر" میں تبدیل ہو جاتی ہے اور انسان کو لئیم بنا چھوڑتی ہے، بعینہ یہی حال اقتدار کا بھی ہے، اگرچہ اوّل اوّل اس کا استعمال کسی مقصد کے حصول کے لیئے بطور ذریعہ یا واسطہ کے کیا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال جاتا رہتا ہے اور اقتدار کو بجائے خود نصب العین قرار دے لیا جاتا ہے جب ایسی صورت ہو تو اوس وقت اپنے نفس کو باطل ترغیب دینا زیادہ دشوار نہیں رہ جاتا ہم آسانی سے اپنے آپ کو یہ ترغیب دے سکتے ہیں کہ "ہر وہ فعل جو اقتدار کے منافی ہو شر ہے اور ہر وہ کام جس سے حکومت کا حلقۂ اثر وسیع ہو جائے احسن ہے"،

جماعتوں کی باطل ترغیبات اور افراد کے طریقے، **چونکہ** تمام جماعتوں کا مقصد اصلی کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا ہے، لہذا ترغیب کی خود فریبیاں افراد کی طرح اون میں بھی نظر آتی ہیں، اکثر جماعتیں خود مختارانہ، ظالمانہ اور غیر منصفانہ اعمال کرتی ہیں اور پھر بھی اِن اعمال کا قبیح ہونا اونھیں نظر نہیں آتا بلکہ اُن کے جواز کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی وجہ وہی ہے، جو باطل ترغیبات کی ہم باب دوم میں بتا آئے ہیں، یعنی "کسی اعتقاد (مثلاً حصول اقتدار) کو حق بجانب تسلیم کرکے اوس پر عمل پیرا ہونا اور اعتراض کی صورت میں تخیل کی ابلہ فریبی یا سوءِ استدلال سے مدد لیکر اوسے بجا ثابت کرنے کی کوشش کرنا" اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جماعت غیر منصفانہ یا ظالمانہ اعمال کرنے کے بعد انھیں مفادِ عامہ، اور خلوصِ نیت پر مبنی بتلاتی ہے، اسی طرح سے ہر جماعت تمام دوسری جماعتوں کو (عام اس سے کہ وہ اوس کی مؤید ہیں یا مخالف) اپنا قطعی دشمن خیال کرتی ہے،

اور استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ دوسری جماعتین اون کے اقتدار کی مخالف یا علی الاعلان
اوس کی موافق نہین۔ بقول لینڈر (Landor) اِس گروہ کی مثال بالکل اوس
شخص کی سی ہی کہ جو کسی نابینا شخص کو دھول مارتا ہے، اِس وجہ سے نہین کہ وہ غلط راستہ پر جا رہا ہے
بلکہ محض اِس وجہ سے کہ وہ اِس کو اپنا رہبر کیون نہیں بناتا، ہمارے ہندوستان کی موجودہ سیاسی
حالت مین بہت سی جماعتون کا یہی رنگ ہی، اعتدال پسند طبقہ دوسرے گروہون کا محض اِس وجہ سے
مخالف ہی کہ وہ اُنکے بتائے ہوئے راستے پر کیون نہیں چلتے، اِسی طرح اکثریت پسند طبقہ دوسرے تمام طبقونکا
دشمن ہی اور "اندھے" کے سر پر محض اِس وجہ سے دھول مارتا ہے کہ وہ اسکی رہبری کیون نہین قبول کرتا،
طاقتور جماعتون کو اپنے تعدادی یا مالی غلبہ کی بدولت کمزور جماعتون کی "تادیب و تنبیہ" کے بہانے
دلی کدورت نکالنے کے خوب موقع ملتے ہین، ہر گروہ مین بجائے عمومیت کے تخصیص و استثنائیت کو
بہت کچھ دخل ہوتا ہی مثلاً خاص افراد کو داخل کرنا یا خاص شرائط کے ماتحت رُکن بنانا۔ اِس استثنائیت
کا نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہین کہ ہر گروہ اپنی محدود تعداد کے علاوہ بقیہ دیگر افراد سے برسر پیکار رہتا ہے یہ محض
تنگ نظری اور تعصب ہی، خاندانون مین بھی اس کی مثالین دیکھنے میں آتی ہین، وسیع کنبون کی بڑی
بوڑھیاں اپنے "گھر بار" کے سوا اور تمام دنیا کو ہیچ خیال کرتی ہیں، اون کو تعجب ہوتا ہی کہ اس کے خاندان
سے باہر رہ کر لوگ کس طرح خوشی و خرمی سے زندگی بسر کرتے ہونگے، حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہی ؎

ہین تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم — وہی اون کی دنیا وہی اون کا عالم

ہم دیکھ چکے ہین کہ ہر گروہ کے وجود مین آنے کی محرک خواہش اقتدار ہوتی ہے اور دنیا کے
سامنے اون کے اغراض و مقاصد کے کیسے ہی خوشنما جال کیون نہ پھیلائے جائیں پھر بھی یہی چیز ہے جو
اونکا مخفی نصب العین ہوا کرتی ہے، یہ تو ہوا لیکن بقائے اقتدار کے لیئے اِس کی بھی ضرورت ہی کہ ہر گروہ
میں کچھ ضوابط و قواعد قرار دیئے جائیں اور اوس میں تنظیم و تنسیق کا وجود ہو، جو لوگ حلقۂ جماعت سے باہر ہین

اون کو مرعوب اور اندرون حلقہ، اپنے ارکان کو مخوف کرکے کار برآری کا یہی آلہ ہے، ایک بات اور ہے کہ جتنے زیادہ ارکان کسی جماعت مین داخل ہونگے یا جتنا زیادہ اقتدار حاصل کرنا اس جماعت کا مطمحِ نظر ہوگا اوتنی زیادہ تنظیم و تنسیق اوس مین لازم آئیگی، ہندوستان مین قومی جماعتوں کی تنظیم و تنسیق پر آجکل بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے، تبلیغ و اشاعت کے پیچیدہ طریقے، مشترکہ طور پر کام کرنے کی تدبیرین، اشتہار بازی، رسالہ نگاری، جلوس، رضاکارون کی بھرتی یہ چیزین قریب قریب ہر جماعت میں پائی جاتی ہین اور صرف اِس پر اکتفا نہین کی جاتی بلکہ دوسرے ملکوں کی جماعات اور اون کی باقاعدگی مثالاً پیش کی جاتی ہی، یہ سب کچھ ضروری ہی سہی لیکن پھر بھی تنظیم و تنسیق میں بہت کچھ خرابیاں مضمر ہیں، جس ترتیب و نظام کے ساتھ جرمنی کا ہر شعبہ کام کرتا تھا وہ ہر شخص پر ظاہر ہی، چوبیس گھنٹے پہلے اِطلاع مِلنے پر تمام ملک سے ساٹھ لاکھ سپاہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہوسکتی تھی، اور اون کی رسد وغیرہ کا بہترین انتظام ہوسکتا تھا، لیکن نتیجہ جرمنی کی کامیابی نہ ہوسکا، ہم نظم و نسق، باقاعدگی و ترتیب وغیرہ کے مخالِف نہین ہین بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اِن چیزون کے بغیر کامیابی محال نہیں تو دشوار ضرور ہے، لیکن پھر بھی کیا کبھی تمہارے دل مین یہ خیال نہیں گزرتا کہ اگر دنیا میں معصوم اور صاف دل آدمیون کی آبادی ہوتی تو اون کو تنظیم و تنسیق کی نہ تو کوئی ضرورت ہوتی اور نہ خواہش اور نہ اون کی زندگی، ذمہ داریون کے بار اور پابندیوں کی کشاکش سے اتنی جکڑی ہوئی ہوتی جتنی کہ ہماری زندگی ہے، یہ سچ ہے کہ اِن چیزوں کا بُرا یا بھلا ہونا ان کے استعمال پر منحصر ہے لیکن پھر بھی کم از کم اتنا تو وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جس جماعت کا نظم و نسق زیادہ پیچیدہ ہوگا اتنی ہی زیادہ اس مین تباہی و ناکامی کی صلاحیت مضمر ہوگی، جب کوئی جماعت اپنے قواعد و ضوابط کو اتنا سخت اور ناممکن التاویل بنالے کہ کسی فرد کو اوس سے سرمو تجاوز کرنے کی اجازت نہو تو بتلاؤ کہ اوس جماعت کے افراد کی حیثیت محض میکانکی رہ گئی یا نہیں[۹] نظم و نسق میں اِس قدر مُبالغہ، باقاعدگی کا مُرادِف نہیں ہوسکتا، اور جو گروہ اپنے اقتدار کی بقاء

اور ترقی کے لیئے سخت ترین نظام مرتب کرتے ہیں وہاں بے قاعدگی اور انتشار کا جلد از جلد ظہور لازمی ہی، فطرت انسانی کے لیئے اٹل قوانین وضع کرنا دشوار ہے،

اقتدار کا تیز اور با اثر استعمال صرف وہی ہستی (خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی) کر سکتی ہی جس کو افراد کی ضروریات کا مطلق لحاظ نہ ہو، جو اپنی طاقت سے واقف اور دوسروں کی رضامندی اور تعاون سے بے نیاز ہو کر افراد کو مشین کی طرح استعمال کرتی ہو، جب کوئی جماعت اسطرح اپنے اعلیٰ نظم ونسق کو حصولِ اقتدار کے لیئے استعمال کرے تو اوس کی کارروائیاں زیادہ تر پیچیدہ اور پوشیدہ ہوتی ہیں، بر سر اقتدار جماعتیں اپنے اقتدار کو بالا رکھنے کے لیئے افراد سے ناجائز طور پر فائدہ حاصل کرتی ہیں، لیکن انھیں اس انتفاع ناجائز میں کامیابی اسی وقت نصیب ہوتی ہو جب سب کارروائیاں پوشیدہ طور سے کی جائیں، کسی فعل کی پوشیدگی کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ فاعل انجام پر اور اپنی ذمہ داریوں پر نظر نہیں ڈالتا، کسی فرد کی مثال لو اگر وہ پوشیدہ طور پر کوئی کام کر رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اوس کو میری یا تمھاری طرح اپنی ذمہ داریوں کا خیال اس کام سے باز نہ رکھے گا، ذمہ داری کا احساس جب ہی ہو سکتا ہے جب مسئولیت اور جوابدہی کی نوبت آئے، لیکن جب کوئی کام پردۂ اخفا میں ہو رہا ہو تو اوسے جانے گا کون اور اوس کی مسئولیت عائد کس پر ہوگی؟ باقی رہا یہ سوال کہ ایک اور ہستی ہم سب کے کاموں کو بنظر غائر دیکھ رہی ہے اور مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ واقعی سچ ہی تو بدقسمتی سے ایسے افراد اپنے ضمیر کی اچھی طرح زبان بندی کر دیا کرتے ہیں، جس گروہ کی تنظیم وتنسیق محض حُبِ اقتدار کی وجہ سے ہو وہاں خفیہ کارروائیوں کا بہی زور وشور ہوگا، کیونکہ اس جماعت کے کارکن بجز اپنے حلقہ کے اور کسی کے سامنے اپنے افعال کے جوابدہ نہیں ہیں، اسی خیال کو مدنظر رکھکر کام کیا جاتا ہے اور دل کی تسلی کے لیئے یہ خیال کافی سمجھا جاتا ہے، کہ پوری جماعت کا فائدہ مدنظر ہے،، ع

درازدستیِ این کوتہ آستینان بین

مذہبی دنیا مین دیکھو تو وہان بھی فریب آمیز ترغیبات کی تحریک اکثر اوقات ایک مذہب کے معتقدین پر دوسرے مذہب کے پیروؤن سے ظلم و تشدّد کرا چھوڑتی ہی تاریخ مین مذہبی اتشداد کی مثالین کثرت سے ملتی ہیں اور ہر صورت میں جبر و تشدّد کی وجہ یہی نظر آتی ہو کہ کوئی برسرِ اقتدار مذہبی فرقہ اپنے مخالف فرقون کو نیست و نابوُد کرنا اور اسطرح اپنے اقتدار میں اضافہ کرنا چاہتا ہے،

کسی قدیم مذہبی فرقہ کو جب نئی روشنی کی تحریکات سے سابقہ پڑتا ہے اور اُسے فکر ہوتی ہے کہ اِس نئے دشمن کے مقابلے مین اپنے اقتدار کی حِفاظت کرے تو اوس وقت عجیب و غریب ترغیبات سے کام لیا جاتا ہے اور یہ زیادہ تر وہین ہوتا ہے جہان کہ اِس مذہب کے پیرو اپنے معتقدات مین اِس نئے فِتنہ کے مقابلہ کی صلاحیت نہین دیکھتے، جو مذاہب خالِص صداقت پر مبنی ہوتے ہین اون کو بحمد اللہ اس کی ضرورت داعی نہین ہوتی، اِس قِسم کی ترغیبات کی مِثال فرانسیسی مصنّف برائیو Brieux کی کتاب موسومہ "باطِل دیوتاؤں کا افسانہ" سے مِلتی ہے،

اِس کتاب کا ہیرو ستنی (Satni) نامی ایک نوجوان راہب ہی اِس کو کہین سے اِن خفیہ اور پُر فریب کارروائیون کا پتہ چل گیا ہے جن کے ذریعہ سے حکامِ سلطنت عوام الناس کو مجبور کر رہے ہین کہ وہ قدیم مِصری دیوتاؤن کی پرستش کرین، لوگون کو مرعوب کرنے کی تدبیر یہ کی گئی ہے کہ کلون اور پرزون کی مدد سے بُت کا سر جھکا دیا جاتا ہی، یہ شعبدہ سال میں ایک مرتبہ کِسی مشہور مذہبی تیوہار کے موقع پر دکھایا جاتا ہے اور وہ موقع اب آنے والا ہے، ستنی نے عہد کر لیا ہے کہ وہ اِس "کرامت" کو واقع نہ ہونے دے گا، اِس کے عہد نے دوسرے راہبون کے دل مین ہلچل ڈالدی ہی، اور اِس کو باز رکھنے کی ہر مِمکن کوشش کی جا رہی ہے، لیکن وہ اپنے عہد پر قائم ہے بالآخر اسقف اعظم ستنی کو اپنے حجرہ میں طلب کرتا ہے یکے بعد دیگرے وہ تمام دلائل استعمال کیئے جاتے ہین جو ہر مذہب کے پیشوا لوگون کو اپنے مذہب میں شریک کرنے کے لیئے استعمال کرتے ہین، پادری کی یہ

ہمت نہین ہوتی کہ ستنی کو جھوٹا ٹھہرائے لہذا وہ مانتا ہے کہ واقعی دھوکہ دیا جا رہا ہے" لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دھوکہ دہی حق بجانب اور قابل تعریف ہے" اس کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ" ذات باری کا تصور طبقۂ جہلا کی عقل سے باہر ہے، اسی لیئے دیوتا کو پرستش کے لیئے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ سمجھ سکیں، لیکن یہ خیال بھی سامنے ہے کہ لوگ اِس کو محض ایک پتھر کی مورت خیال کرینگے اِس لیئے اون کے تخیل پر قبضہ جمانے کے لیئے اِس کا سر متحرک کرنے کی تجویز ہے، اب تم خود خیال کر سکتے ہو کہ یہ فریب دہی مستحسن ہے یا نہین، ادنی طبقہ کے افراد بغیر مذہب کے خوش نہین رہ سکتے، اگر تم اونکا مذہب چھین لو تو نیکی کیطرف راغب کرنے والی کوئی چیز اون کے پاس باقی نہین رہتی، مذہب اونکا سہارا ہے جو شخص اس مذہبی احساس کو ٹھیس لگاتا ہے، وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تم خود ہی دیکھو کہ (بت پرستی کے خلاف) تمھاری تلقین نے ان لوگون پر کیا اثر کیا ہے ابھی سے بدنظمی کے آثار ظاہر ہیں،

ستنی خاموشی سے ان ترغیبانہ کلمات کو سُن رہا ہے لیکن اوس کے دل پر ذرا بھی اثر نہین ہوا پادری نے اوس کو تاڑ لیا ہے وہ سنبھل کر ستنی سے مخاطب ہوتا ہے اس مرتبہ اوس کا وار ستنی کے حدمات پر ہے" تم کو ایسی اس حرکت سے فائدہ ہی کیا ہوگا؟ مین سچ کہتا ہوں کہ اگر تم اپنے ارادہ سے باز رہو تو میں تم کو رہبانیت کا اعلیٰ ترین عہدہ عطا کرنے کو تیار ہون، ستنی اب بھی خاموش ہے، پادری کی تقریر کارگر نہیں ہوئی نام و نمود، شہرت و عزت کے جذبات ستنی کے قلب مین نہیں ہین پادری نے اوس کے چہرہ کی طرف دیکھا، اب کے اوس کا وار پہلے سے بھی زیادہ گہرا ہے" اچھا مین اس سے بھی زیادہ احسان تمھارے ساتھ کرنے کو تیار ہوں، میں جانتا ہون کہ تم نے آیندہ تیوہار کو ملتوی کرنے کا بیڑا کیوں اُٹھایا ہے، تمھاری محبوبہ پورما کا انتخاب اوس دن دیوتا کی قربانی کے لیئے ہوا ہے جسے تم مذہبی جوش ظاہر کر رہے ہو فی الحقیقت اوس کو بچانے کی ایک ترکیب ہے، اچھا مین اسکو

معاف کر دون گا، یورا قربان گاہ پر نذر نہ چڑھائی جائیگی، کسی دوسرے کا انتخاب کر لیا جائے گا، اتیو یورا کی حفاظت کی سبیل بھی ہو گئی، اب مجھے اُمید ہے کہ تمھارے پاس افشائے راز کی کوئی وجہ باقی نہیں ہے بتاؤ! کیا کہتے ہو .... ''

اِن دلائل پر غور کرو، پادری کی نیت یہی ہے کہ اپنے مذہب کے اقتدار کو برقرار رکھا جائے، سستنی کی مخالفانہ کارروائیون کے مارے ہین اوس نے کوئی بھی صحیح استدلال پیش نہ کیا اور نہ اِس سے بحث کی کہ اوس کی تلقین صحیح ہی یا غلط غرضکہ اپنی جماعت کی متحدہ قوت سے سستنی کو مرعوب کرکے، اوس کے جذبات پر اثر ڈال کر پادری اور اسکے مجوزہ طرز عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہی،

حلقۂ سیاست میں جن فریب آمیز ترغیبات سے کام لیا جا سکتا ہے اور ایک یا دو شخص نہیں بلکہ ہزارون افراد کو ایک ہی شکنجہ مین جکڑا جا سکتا ہی، اُس کی روشن ترین مثال گذشتہ جنگ میں جرمنی کا رویہ ہے، تمام ملکون کو جاسوسون سے بھر دینا، خفیہ انجمنیں اِس مقصد کے لیے قائم کرنا کہ "غیر ضروری" افراد کو دنیا سے رخصت کر دیں، مدارس کا نصاب ایسا معیّن کرنا کہ بچون میں ابتدا ہی سے بعض ملکون کے خلاف انتہائی عداوت کے خیالات پیدا ہو جائین، یہ سب باتیں بہت اچھی طرح ظاہر کرتی ہین کہ اجتماعی تہدید اور دباؤ کا اثر ڈال کر افراد سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے اور پھر اوس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، ایک اور دلچسپ نتیجہ بھی اِن تجربات کی بنا پر اخذ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہی کہ ہر اوس جماعت مین جو اقتدار پسند ہو اور جس کے افراد خفیہ ذرائع تہدید استعمال کرتے ہون لازماً دو فریق ہوتے ہین ایک حصہ میں وہ لوگ ہین جو ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہین، اور دوسرے حصہ مین وہ لوگ ہوتے ہین جنسے یہ ناجائز فائدہ حاصل کیا جاتا ہی، پہلے حصہ کے افراد ہر موقع پر جماعت کی روح روان بنتے ہین اور دوسرے حصہ مین معمولی لوگ ہوتے ہین جن کا استعمال اول الذکر اصحاب اپنے فائدہ کے لیئے بطور آلہ کے کرتے ہین اور ایسی قیود عائد کر دیتے ہین کہ جنسے نکلنا ان بیچارون کے

لیئے ناممکن ہوجاتا ہے، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ طبقۂ ثانی کے افراد سمجھ سے کام کیون نہین لیتے اور دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو طبقۂ اول کے بس مین کیون دیتے ہین، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، جب تک کہ یہ لوگ اِس بات کا یقین رکھتے ہین کہ جو طریقے استعمال کیئے جا رہے ہین وہ اون کی جماعت کے لیئے مفید ہون گے اور اون سے آگے چلکر بحیثیت فرد جماعت تھوڑا بہت اخلاقی، مالی یا کسی اور قسم کا فائدہ اون کو بھی ہوگا، اوس وقت تک یہ لوگ بخوشی اپنے آپ کو سرغناؤن کے حوالہ کر دیتے ہیں لیکن جونہی کہ جماعت مین ناکامی کے آثار ظاہر ہوتے ہین ویسے ہی باہمی منافقات اور عداوتوں کا ظہور ہونا شروع ہوتا ہے گذشتہ صفحات میں جب ہم نے نظم و نسق کی پیچیدگی کو کسی جماعت کے انتشار کا باعث قرار دیا تو اوس وقت اُسی کی طرف اشارہ تھا، ہندوستان ہی مین دیکھو کہ گذشتہ دس سال کے عرصہ میں کتنی تحریکات پیش کی گیئن، مختلف طبقون نے جس زور شور سے ان تحریکات کی تائید کی وہ بھی ظاہر ہے لیکن جب نام نہاد لیڈرون کی خود غرضی مثلاً طلب اعزاز یا اور کوئی ذاتی منفعت عوام پر ظاہر ہوئی تو لوگ اوس سے کنارہ کش اور اپنے قدیم قائدون سے متنفر ہوگئے

ہم نے جماعتوں کی ترغیبات سے بحث کرتے وقت متعدد مواقع پر جرمن سلطنت کے خفیہ ذرائع تہدید وغیرہ کا ذکر کیا ہے آج اخباری دنیا اِن باتون کو جرمنیت (Prussianism) کے نام سے یاد کرتی ہے اور اِس لفظ کو اون تمام عیوب کا مظہر سمجھا جاتا ہی جو شخصی سلطنتون کے دباؤ اور جماعتون کے پیچیدہ نظم و نسق کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں، بہرحال ہماری مثالوں سے یہ قیاس کرنا کہ ہم جرمنی کے خلاف ہیں ناانصافی ہوگی، اگر تم اپنے گرد و پیش نظر ڈالو اور اپنی قومی جماعتون کی منصفانہ طور پر تحقیق کرو اون کے ظاہری اور حقیقی مطمح نظر کا مقابلہ کرو تو غالب تعداد مین تم کو باطل ترغیبات کے مذکورۂ بالا طریقے اون مین بھی نظر آئین گے، اصلیت یہ ہے کہ جسکو آج "جرمنیت" کہا جاتا ہے، وہ جرمنی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر قوم، اور ہر ملک مین یکساں

طور پر اس کے مُضر نتائج دیکھنے مین آتے ہین فرق جو کچھ ہے وہ کم کا ہوتا ہے نہ کہ کیف کا جہان کہین بھی تم کو چند افراد کسی خاص جماعت کے فائدہ اور اقتدار کے لیئے متحدہ طور پر کوشان نظر آئیں تو خواہ اوس جماعت کے مقاصد سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی کچھ ہی کیون نہون تم کو وہان جزبنیت (یا یون کہو کہ باطل ترغیبات اجتماعی) کے کرشمے کم و بیش ضرور نظر آئینگے، خود ہمارے ہندوستان کے سیاسی اور معاشی واقعات سے اِس کی توضیح ہوجاتی ہی،

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب سے ہندوستان مغربی ممالک کے تجارتی انقلاب سے متأثر ہوا ہے، یہان کی اقتصادیات کی کل، اور اس کا نظم و نسق سرمایہ دارون کی انجمن کے ہاتھون مین رہا ہے، بدقسمتی سے جن لوگون کے ہاتھون میں ملک کی تجارت کی باگ رہی ہے اون کا اصلی مقصد فراہمی دولت اور اپنے تجارتی اختیارات کا اپنے ہاتھون میں محفوظ رکھنا تھا، اِس نصب العین کا لازمی نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مزدورون کی حیثیت محض میکانکی رہ گئی ہے اور اون کی انفرادی حیثیت اور حقوق کا کوئی لحاظ نہین کیا جاتا، دوسرا نتیجہ اس نصب العین کا یہ ہوا کہ صنعت و حرفت کے ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ کا نظم و نسق بہت کچھ پیچیدہ ہوگیا، اضافۂ پیداوار کی غرض سے تقاسمِ عمل کا ظہور ہوا گویا کہ ایک اعتبار سے مزدورن کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے معوضہ کام کے سِوا کسی شے کی تکمیل مین کوئی دلچسپی نہ لین، جب سے مشینونکا استعمال شروع کیا گیا اوس وقت سے مزدورون کی حیثیت اور زیادہ میکانی ہوگئی ہے، کارخانون کے مالکون اور سرمایہ دارون کے پاس افرادِ انسانی کے اِس ناجائز استعمال کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے سہل ترین طریقۂ استدلال یہ ہے "ہمارا مقصدِ اصلی، یعنی اضافۂ اقتدار اوس وقت تک نہین حاصِل ہوسکتا جب تک کہ پیداوار مین اضافہ نہو لہٰذا افزایشِ پیداوار کے جو طریقے بھی استعمال کیئے جائین وہ مستحسن ہیں، علاوہ برین مزدورون کی تنخواہ میں معتدبہ اضافہ کیا جاتا ہی"
اِس اِستدلال کی شق اول وہی ہے جس سے ہم دوسرے باب مین بحث کرچکے ہین، باقی رہی

شق دُوم تو اوس کے متعلق صرف اِسی قدر کہنا کافی ہی کہ شاہوا ور معاوضہ مین بیش قرار سے بیش قرار
اضافہ بھی افراد انسانی کے اِس ناجائز استعمال کی کماحقہ تلافی نہین کرسکتا اور پھر اضافہ
بھی کن صورتوں مین کیا گیا ؟ ایسا تو بہت کم ہوا ہی کہ کارخانون کے مالکون نے خود اپنے احساس
سے مزدوروں کی تنخواہ مین اضافہ کیا ہو، برخلاف اِس کے جبتک مزدورن کی طرف سے
قرار واقعی دباؤ ان لوگو نپر نہیں ڈالا گیا اوس وقت تک اضافہ کیا ہی نہین گیا، یہ حالت تو خیر
ابتک تھی لیکن زمانہ کی موجودہ رفتار بتا رہی ہے کہ مزدور پیشہ طبقہ بھی اپنا دباؤ محسوس کرا کے
کامیابی حاصل کرسکتا ہی، ابتک سرمایہ دارون کا دور دورہ رہا، اب مزدوروں کی باری آئی ہے،
ہڑتالون کی کثرت اضافۂ تنخواہ کے لیئے جد وجہد، اور ہنگامے، برملا کہہ رہے ہیں کہ واقعات نے رُخ
بدلا ہی، جو طریقے طبقۂ سرمایہ داراں نے اپنے بقائے اقتدار و افزایشِ دولت کے لیئے استعمال کیئے تھے،
اوس کے جواب کے حربے مزدوری پیشہ طبقہ بھی اپنے حقوق کے تحفظ اور اضافۂ تنخواہ کے لیئے
استعمال کر رہا ہے،

سب سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہی کہ مزدوری پیشہ طبقہ سرمایہ دارون کے
خلاف وہی ذرائع استعمال کر رہا ہے جو مؤخر الذکر اوس کے خلاف کام مین لاتے تھے، باطل ترغیبات
اجتماعی کے تمام خصائص اور اوس کے مُضر اثرات جو انجمن سرمایہ داران مین موجود تھے مزدور پیشہ
جماعت مین بھی موجود ہین، وہی نظم و نسق کی پیچیدگی، وہی تنگ نظری اور خود غرضانہ تحریکات،
بقائے اقتدار کے لیئے افراد کا وہی ناجائز استعمال سب کچھ اب مزدورون کی مشترکہ جد وجہد مین بھی
پایا جاتا ہے، یہ حقیقت قابل افسوس ضرور ہے لیکن ایک معنی مین ناگزیر بھی ہے، شر مرض متعدی
کی طرح کسی خاص شخص یا خاص حلقہ سے شروع ہو کر دوسروں مین سرایت کرتا ہے اور اِس کا
حلقۂ اثر وسیع تر ہو جاتا ہے، کسی ایسے شخص کی موجودگی مین جس کو تم خفیہ کارروائیون کا عادی خیال کرو

تمھارا نفس اِس کی اجازت تم کو نہیں دیتا کہ تم صاف دِل سے اپنے کُل خیالات اوس کے سامنے پیش کرو بلکہ اپنی جگہ پر تم بھی اخفائے واقعات پر مجبور ہوتے ہو، بعینہ جب مزدور پیشہ جماعت کو انجمن سرمایہ داران کے خفیہ طریقوں سے دوچار ہونا پڑا تو اون کو بھی مجبوراً وہی طریقے اختیار کرنے پڑے،

اب موجودہ حالت یہ ہی کہ اون کی مختلف انجمنین، عام مقاصد کے لیئے نہین بلکہ اپنے ذاتی اغراض کے لیئے کام کرتی ہیں، اقتصادی اقتدار کا حاصِل کرنا اونکا بھی نصب العین ہوگیا ہے، انفرادی طور پر شخصیت سے یہ لوگ بھی بحث نہین کرتے بلکہ حصولِ مقصد کے ہر ممکن وسیلہ سے کام لیا جاتا ہے،

فوجی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیئے جو کام جبریہ فوجی خدمت سے لیا جاتا ہے، وہ اِن انجمنوں مین لازمی رکنیت سے لیا جاتا ہے جس کی غرض محض یہ ہے کہ تمام افرادِ جماعت چیدہ چیدہ اشخاص کی قیادت مین بلا لحاظ ذاتیات، مشترکہ طور پر عمل کرین اور سرکشون کی تنبیہ و تادیب کی جائے، اِن واقعات کی صداقت مین کوئی شبہہ نہین کیا جاسکتا، اگر ۱۹۲۲ء کی ایسٹ انڈیا ریلوے کے مزدوروں کی ہڑتال کے حالات پڑھو تو تم کو معلوم ہو گا کہ جو کچھ اوپر کہا گیا وہ تقریباً سب صحیح ہے مختصر طور پر یون سمجھنا چاہیئے کہ جبتک کہ صورتِ حالات میں کوئی تبدیلی رُونما ہو افراد کو فی الوقت نفع کے لیئے افعال بد کے ارتکاب اور پھر اون کے جواز سے کوئی چیز نہیں رُوک سکتی، اگر مخالف قوت زبردست ہے تو یہ اوس کے مجوزہ قاعدون کو مان لیتے ہین لیکن جون ہی کہ موقع ہاتھ آتا ہے، اُن کو اپنے مواثیق توڑنے مین کوئی باک نہیں ہوتا اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس وقت فریق مخالف کے دباؤ سے متاثر ہوکر ہمکو بہ جبر اون کی شرائط قبول کرنا پڑی تھین، اب جب ہم دباؤ ڈال سکتے ہین تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے شرائط اون سے نہ منوائین؟

سیاسیّات مین جماعات کی ترغیبون کی بدترین صورت وہ ہوتی ہے جب کوئی خاص حلقہ یا خود حکومت زر اور زور کی وساطت سے افراد پر ناجائز دباؤ ڈالتی ہے، انگلستان مین

ایسے واقعات نئے نہیں ہین، جارج سوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے انتخابات کے وقت وہ سرکاری خزانہ سے اون لوگون کو انعام تقسیم کرتا تھا جو اوس کے حسب منشا اپنا ووٹ صرف کرتے تھے، سرکاری اعزاز وغیرہ سے حکومت کے طرفدارون کے حوصلہ بڑھائے جاتے تھے، انگلستان سے قطع نظر خود ہندوستان مین یہی ہوتا ہے، خطابات اور اعزازات کا مصرف یہی ہوتا ہے کہ ایک خاص نقطۂ خیال رکھنے والے افراد کی ہمت افزائی کی جائے، ہر ملک و قوم مین عطائے خطاب و اعزاز کا حربہ حکومت کے ہاتھ مین ہے، یہ مقصد کے حصول کے لیئے بہت کارگر ثابت ہوتا ہے، انتخابات میں اجتماعی دباؤ کے کیا کچھ نتائج ظاہر نہین ہوتے؟ میونسپل انتخابات مین مختلف جماعتون کی طرف سے دباؤ کے کیا کیا ذرائع استعمال نہیں کئے جاتے، اور ابھی وہ دن آنے والا ہے کہ انگلستان کی طرح یہاں بھی طاقتور جماعتیں اخبارون کو اپنے قبضہ مین لاکر دوسرے فرقون کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گی، اور پارٹی سسٹم (فرقہ بندی) کا اب سے بھی زیادہ زور و شور ہوگا، روس مین بالشویک جماعت کی سرگذشت، ہندوستاں میں انارکسٹ (فوضویت پسند) فرقہ کا طریق تہدید، آئرلینڈ میں سن فینیون کے ہنگامے یہ سب ماتین سیاسیات میں قوت مشترکہ کے ناجائز استعمال اور اوسکی ناجائز ترغیبات کا پتہ دیتی ہین،

ذیل کے اقتباس سے جو ہمدم مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۳ء سے لیا گیا ہے اندازہ ہو جائے گا کہ اس قسم کی جماعتون کا عام طور پر طریق کار کیا ہوا کرتا ہے، یہ مصری سازش سے متعلق ہے،

"نہایت عجیب اطلاع ملک کے گوش گذار کی گئی ہے اور اوس کی نمایاں طور پر وضاحت بھی ہوئی ہے، یہ ایک خفیہ انجمن ہے، اور "سیاہ ریوالور" کے نام سے مشہور ہے، تمام ملزمین اور مذکورۂ بالا اشخاص کا اسی انجمن سے تعلق ہے،

یہ مشہور انجمن انتقام ہی سے تعلق رکھتی ہے جو ترقی کرکے اس صورت میں ظاہر ہوئی ہے

تین سال ہوئے جب "الحمس انتقام" کے ممبران پر مقدمہ چلایا گیا تھا، اور سزائیں ہوئی تھیں، یہ انجمن مکمل صورت میں منتظم تھی، اور اس کا اصلی مقصد انگریز افسروں، سپاہیوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو قتل کرنا تھا۔ اس کی تین بڑی شاخیں تھیں جن میں سے ایک قاہرہ میں تھی اس کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی تھیں،

الحمس کی ہر شاخ اور شاخ در شاخ کا ایک صدر ہوتا تھا جس کو اور اوس کے ساتھی صرف دو ممبروں کو معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ہماری الحمس کس کام میں مصروف ہے، ہر ممبر کے پاس ممبری کے بہت سے یا ایک کارڈ ہوتا تھا، جو لوگ بغاوت، ہنگامہ و فساد میں حصہ لے چکے تھے اونکے پاس سیاہ کارڈ ہوتے تھے، اور جنھوں نے اس کام میں حصہ نہیں لیا تھا انکے پاس سرخ کارڈ رہتے تھے، ریوالور اور گولہ بارود کا سامان دفینہ ایک روز کسی ایک پریسیڈنٹ کے یہاں اور دوسرے روز رات کو دوسرے پریسیڈنٹ کے یہاں بھیج دیا جاتا تھا،

شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاہرہ کے بڑے بڑے لوگ الحمس کے پشت و پناہ تھے اور اونکی مالی اعانت کرتے تھے، کسی قسم کے ارتکاب کی کوشش سے قبل الحمس کی اس برانچ کا صدر اون لوگوں میں سے کسی ایک شخص کو جسے مناسب سمجھا جاتا تھا، معاملہ کی پوری تفصیل لکھ دیتا تھا اور اشاعت کے مرتکب ہونے کے بعد پریسیڈنٹ مذکور اوس شخص کے پاس آتا اور ۱۵۰ ایک سو پچاس پونڈ لاتا تھا جس میں سے ۱۰۰ سو پونڈ تو خود اوس کے حصہ کے ہوتے تھے اور باقی اون لوگوں میں تقسیم کرنے کو جو اس کام میں حصہ لیتے تھے،،

الحمس کے ممبر خط و کتابت میں تشبیہ و استعارات سے کام لیتے تھے، مثلاً جب اونھیں کسی دہشتی کام کے متعلق حوالہ دینا ہوتا تو وہ اس کو اس طرح لکھتے کہ "ایک عظیم الشان ڈرامہ" فسانہ المناک" ہونے والا ہے، اور اگرچہ لارڈ ایلنبائی (Allenby) کی جان لینے کی کوئی سازش یا کوشش نہیں کی گئی تاہم جب خطوط میں انکا ذکر ہوتا تو اون کو "دنیا کا سب سے بڑا ایکٹر"،

کہکر یاد کیا جاتا،،

مذکورۂ بالا جماعت مین وہ جملہ خصائص نظر آتے ہین جو تہدید افراد، انتفاع ناجائز اور ترغیب باطل مین کام آتے ہین، ہم اس جماعت کی سرگذشت کو ایسے بیان کی تصدیق مین پیش کر سکتے ہین،

دوران جنگ مین انگلستان کے بعض مدبرین پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اونھون نے اپنے مقاصد کی اشاعت و تائید کی غرض سے ملک کے سربر آوردہ اخبارات کو رشوت دی (مذکورہ بالا جماعت نے بھی یہی کیا ہے) اس واقعہ نے جب شہرت پکڑی تو عوام الناس کی طرف سے سخت برہمی کا اظہار کیا گیا، چنانچہ رائے عامہ سے مجبور ہوکر، ار فروری کو مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام مین فرمایا کہ ہفتہ مختتمہ مین جو پریشان کن اور افسوسناک واقعات رونما ہوئے ہین اونکا اصلی سبب یہی ہے کہ پریس اور گورمنٹ کے فرائض اکثر حضرات کی ذات مین ساتھ ساتھ جمع ہوگئے ہین تین اخبارون کے مالک بحیثیت اراکین دارالعوام، نظم و نسق سلطنت مین دخیل کار ہوگئے ہین، پبلک کا اعتماد اراکین سلطنت اور وزیر اعظم پر سے اُٹھ جانے کی وجہ یہی ہوئی کہ ان حضرات نے بھی ان "مالکان اخبارات" کی تائید کی حتٰی کہ اراکین حکومت پریس سے اپنے تعلقات منقطع نہ کرلین اور ملک کی رائے پر اس طریقہ سے ناجائز دباؤ ڈالنا نہ چھوڑین، اوس وقت تک پبلک اون پر اعتماد نہین کر سکتی"

اسی باب مین ہم کسی موقع پر جماعتون کی خفیہ کارروائیون کا ذکر کرچکے ہین اور اون کے مضر نتائج پر کسی قدر روشنی ڈال چکے ہین اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جس زمانہ کا ہم نے ابھی ذکر کیا، اوسی زمانہ مین انگلستان کی پبلک وزیر امور خارجیہ کی خود مختارانہ کارروائیون کی طرف سے بدظن ہوگئی تھی، ہمیشہ سے انگلستان کے وزیر خارجیہ کو دول خارجیہ کے جملہ معاملات مین سیاہ و سفید کا اختیار رہا ہے، خود دارالعوام بھی اون کے فیصلون مین دست

اندازی نہ کر سکتا تھا، اِس خودسرانہ کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر ممالک کے لیے سفراء اور نمایندوں کا
انتخاب ایک خاص حلقہ سے کیا جانے لگا۔ اور اِس طبقہ کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح یہ اقتدار ہاتھ سے
نہ جانے پائے، غرضکہ دوسرے ملکوں سے انگلستان کے تعلقات ہمیشہ پردۂ خفا میں رہے، حال میں
یہ احساس روزانہ ترقی پذیر ہے کہ امور خارجیہ پر بھی پارلیمنٹ کے روبرو مباحثہ ہوا کرے اور پبلک کو
اون کے متعلق کامل واقفیت بہم پہونچائی جائے، قدیم پالیسی (اخفائے اُمور خارجیہ) کے مؤیدین یہ
دلیل پیش کرتے ہیں کہ امور خارجیہ کے تصفیہ میں بہت حزم واحتیاط کی ضرورت ہے یہی دلیل
ہندوستان میں بھی پیش کی جاتی ہے، اور اکثر اوقات کمیشنوں کی رپورٹیں یا اور خاص خاص واقعات
کی تفصیلیں، اعداد وشمار، گوشوارہ وغیرہ پبلک کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے مسٹر بالفور (Mr.
Balfour) نے جو اُمور سلطنت میں اخفا کی پالیسی کے مؤید ہیں، ایک موقع پر تقریر
کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"آپ حضرات کا شاید یہ خیال ہے کہ ہر اخفا کی تہ میں برائیوں کا وجود لازمی ہے اور شاید آپ یہ
کہیں کہ اگر ایسا نہیں ہے تو اخفائے واقعات کی ضرورت ہی کیوں داعی ہوتی ہے، اس کا جواب میرے پاس
یہ ہے کہ جس طرح روزانہ زندگی میں بغیر حزم وخاموشی سے کام لئے ہوئے خانہ داری کا انتظام مشکل ہے، اسی طرح
سلطنتوں کے انتظام میں بھی بغیر حزم وسکوت کے کام نہیں چل سکتا،"

ممکن ہے کہ خاص خاص حالتوں میں یہ بیان صحیح ہو لیکن پھر بھی جس کارروائی کی ابتدا اخفا اور
راز سے ہوتی ہے اکثر اوس کا خاتمہ منافقات اور عداوت پر ہوتا ہے، امور خانہ داری کی طرح امور سیاست میں
بھی بلکہ ہر شعبہ میں قلوب کو مطمئن کرنے اور تمام افراد کا تعاون حاصل کرنے کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ عام
دلچسپی کے مسائل پر صاف دلی سے بحث کیجائے اور اُسے اخفا کا ناگوار جامہ نہ پہنایا جائے،

آجکل جس طرف دیکھو اصلاح وتعمیر کی پکار ہے ہمارا کوئی سیاسی، سماجی، معاشی مسئلہ

ایسا نہین ہوتا جس میں اِس پر زور نہ دیا جاتا ہو عام طور سے لوگ ایک دَورِ نو کی آس لگائے بیٹھے ہین
جس مین ہماری گذشتہ اغلاط کی کافی تلافی کر دی جائے گی اور بجائے جماعتی دباؤ اور ترغیب کے ناجائز
طریقون کے، انصاف اور آزاد خیالی کا دور دورہ ہوگا، اِصلاح و تعمیر کے اِس خواب شیرین کی تعبیر
ہماری اُمیدون کے مُوافق جب ہی ہوسکتی ہے جب مختلف جماعتون کی اِس طرح اصلاح کیجائے کہ ترغیبات
باطل کا استعمال نہ ہوسکے اور نہ تہدید و انتفاع ناجائز کے خفیہ طریقوں سے لوگون کی رائے پر اثر ڈالا جاسکے
بلکہ ہر جماعت کو کچھ ایسے اسلوب پر چلایا جائے کہ خاص خاص افراد یا جماعات کے اقتدار کی بقار و تحفظ کی
بجائے قوم کی ترقی اور اوس کا مفاد من حیث العام نصب العین قرار پائے، اِس مقصد کے حصُول کے لئے
جو اصلاح سب سے زیادہ ضروری ہے وہ ہمارے طریقہ خیال کی اِصلاح ہے، سب سے پہلا فرض ہمارا یہ
ہے کہ اس کی اِصلاح کریں اور اپنی ترغیبات کو صحیح نہج پر لے آئین، آیندہ باب مین ترغیب کے صحیح استعمال
سے بحث کرکے ہم یہ دیکھیں گے کہ باطل اور صحیح ترغیبات مین فرق کیا ہے؟ صحیح ترغیبات کا معیار کیا ہے؟ اور
اوّل الذکر کے مضر اثرات سے لوگون کو کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے؟

———•———

بابِ چہارم

ترغیب کا صحیح استعمال

صحیح و باطل ترغیبات کا فرق، اخلاقی عقلی اور منطقی نقطۂ نگاہ سے ترغیبات اجتماعی و انفرادی کی صحت کا معیار، ترغیبات کے رد یا قبول کے متعلق مفید عملی ہدایات

عمل ترغیب کے متعلق ایک غلطی کا امکان،

گذشتہ صفحات میں ہم ترغیبات انسانی کا جو کچھ بیان کر چکے ہین اوس سے ان کے مختلف طریقون پر بخوبی روشنی پڑتی ہی عملی مثالون کے ذریعہ سے ہم نے اپنے ناظرین کو یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ باطل ترغیبات کے پھندے مین آجانا کس قدر آسان ہے، موجودہ باب مین ترغیبات کے صحیح استعمال سے بحث کر کے ہم اون معیارون کو واضح کرینگے جن پر عمل کر کے ترغیب کا جائز اور باقاعدہ استعمال ممکن ہو سکتا ہے،

جن حضرات نے عمل ترغیب کے عناصر ثلاثہ جذبہ تخیل اور ذہن پر غور کیا ہے ترغیبات انسانی کی بے سروپا رفتار کو ملاحظہ کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اس کل عمل کو بداہتہً ایک

فریب وہ عمل خیال کرین اور اس کے صحیح استعمال کی طرف سے نا امید ہوجائین عمل ترغیب کی
نفسیاتی تشریح سے ہم جس نتیجہ پر پہونچے وہ یہ تھا کہ ہر ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی اعتقاد یا خواہش
سے ہوتا ہے جو ترغیب دہندہ کے ذہن مین پہلے سے موجود ہوتی ہے اور وہ خود اپنی ذات کو یا دوسرن
کو اوس کے حسب حال عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اِس بیان ہی سے عمل ترغیب کا غیر استدلالی
ہونا ثابت ہوتا ہے، اِس کے اساسی اعتقادات وخواہشات ہی ایسی ہوتی ہین کہ جن کے رد یا قبول کا
انحصار منطق اور استدلال پر نہین بلکہ تشفی جذبات کی صلاحیت پر ہوتا ہے، ہمارے اعتقادات اور
خواہشات دلیل کے بعد قائم نہیں ہوتے بلکہ سماعات کے اثر سے وجود میں آتے ہین جو اعتقادات
ہم اپنے گرد و پیش کے لوگون کو رکھتے ہوئے دیکھتے ہین وہ ہماری نظروں میں بھی صحیح معلوم ہوتے
ہیں اور جس کو ہمارے ہمسایہ غلط خیال کرتے ہین، وہ ہم کو بھی غلط معلوم ہوتے ہیں، ذرا سے غور سے
یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارے معتقدات اور اساسی خواہشات کی تشکیل مین حصہ لینے والی
اور اون کے رد یا قبول کا فتویٰ دینے والی مذکورہ ذیل مؤثرات ہین۔ ۔ہمارے الہامات فطری
قومیت، تعلیم، کتب واخبارات کا اثر ہمارے گرد وپیش رہنے والے افراد مثلاً دوستون یا ہمسایوں
کی صحبت کے اثرات وغیرہ یہی قوتین ہین جو ہمارے دماغ مین کسی عقیدہ کے جاگزین ہونے کی
محرک ہوتی ہین لیکن ہم ان کے اثر سے ناواقف ہوتے ہین اور یہی فرض کر لیتے ہین کہ اِس کی بنیاد
کسی نہ کسی عقلی منطق پر ہے کسی عقیدہ کے دماغ میں قایم ہوجانے کے بعد اوس کے حسب حال جو
کچھ عمل ترغیب ہوتا ہے وہ بھی کم وبیش غیر عقلی وغیر استدلالی ہوتا ہے، اِس جذبی عمل سے مجبور ہوکر
قطعاً لاعلمی کی حالت مین ہم فیصلہ قایم کرتے ہین جو اگر معینہ نتائج تک ہم کو لیجائین تو فبہا ورنہ ترک
کر دیئے جاتے ہین، اِس طرح من مانے فیصلے صادر کر کے اور اون کو صحیح تسلیم کر کے ہم بالآخر اپنے قبل
از قبل مقررہ نتیجہ پر پہونچ جاتے ہین، ظاہر ہے کہ اِن سب فیصلوں کی بنیاد بجائے استدلال و

منطق کے ہمارے الہامات فطری۔ جذبات جبلی رجحانات اور وجدانات پر ہوتی ہے،

مذکورۂ بالا حقیقت سمجھنے کے بعد مقام تعجب ہوگا اگر اکثر افراد سرے سے عمل ترغیب ہی کی طرف سے بدظن ہو جائیں اور دعویٰ کریں کہ جب عمل ترغیب اِن حالات کے ماتحت ہوتا ہے تو پھر اوس کا صحیح استعمال خارج از امکان ہے کم ازکم وہ حضرات جو ہر فعل مین منطق اور استدلال کی جستجو کرتے ہیں اور اپنے کسی گفتار و کردار میں جذبات کا شائبہ تک نہین آنے دیتے ضرور خیال کرینگے کہ ترغیب سرے ہی سے نادرست ہے اسلئے کہ اس کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اِس کا جواب یہ ہے کہ کہ الفاظ "غیر عقلی" اور "غیر استدلالی" عدم عقل اور عدم استدلال کے مرادف نہین ہین جب تم کسی عمل کے لیئے غیر عقلی کا لفظ استعمال کرو تو اِس سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ عمل عقل کا ضد ہو یاد رہے کہ ہمارے اکثر غیر عقلی افعال جس انجام تک ہم کو پہونچاتے ہین وہ بہ نسبت جہالت کے عقل کے زیادہ قرین ہوتے ہیں مثالون سے اِس بحث کو یون سمجھو کہ زمانۂ سلف کے اعتقادات و مسلمات کو ذاتی تجسس و تفحص کے بغیر صحیح فرض کر لینا ایک غیر عقلی فعل ہے لیکن یہ لازم نہین آتا کہ یہ معتقدات خواہ مخواہ جہالت اور بے وقوفی پر مبنی ہون اِسی طرح جب اثر پذیری کی بدولت بغیر ذاتی استدلال و ثبوت کے ہم دوسرون کے نقطۂ خیال کے حامی ہو جاتے ہین تو اوس صورت مین ہمارا ایسا کرنا غیر عقلی عمل ضرور ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نقطۂ خیال لازماً منافی عقل بھی ہے، دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کسی عمل کا جذبی ہونا بھی اوس کے خلاف عقل ہونے کو مستلزم نہین ہے کیا ہمارے الہامات فطری اور جبلی رجحانات ہم کو بسا اوقات جادۂ عقل پر نہین لیجاتے، اور صیانت حیات انفرادی و ملّی مین ہمارے معاون نہین ہوتے معاملات انسانی سے بحث کرتے وقت فطری الہامات اور رجحانات کو نظر انداز کر دینا خلاف عقل ہے حیات انسانی کے کسی شعبہ کو لو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اوس منطقی شخص کی ترغیبات جو جذبات اور وجدانات کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے

یقیناً بیکار ہونگی ایسے ہی لوگون کی شان مین یہ شعر صادق آتا ہے،

پائے استدلالیان چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود

آجکل فلسفہ جس رُخ پر ہم کو لیئے جارہا ہے وہ یہ ہے کہ صرف افلاطون اور مِل کے قائم کردہ اُصول منطق پر دنیا کے کاروبار نہین چلائے جاسکتے صرف عقل و استدلال ہی سے دنیا مین کوئی عقلمندی کا کام نہین ہوا کرتا مسٹر نجمین گڈ مشہور مصنف علم الاقتدار (Science of Power) لکھتے ہیں دورِ نو کی سب سے بڑی تحقیقات یہ ہے کہ "تہذیب و تمدن کا دارومدار جذبات پر ہے نہ کہ عقل و استدلال پر، روزانہ ہی دیکھنے مین آتا ہے کہ عوام الناس کو کسی رائے کا مؤید بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اون کے مشترکہ جذبات سے اپیل کی جائے اور اِن جذبات کو استدلال کی وساطت سے اوس رائے کے موافق کر دیا جائے آپ دیکھیں گے کہ عنقریب تمام سلطنتین اسی طریقہ سے اپنے منشار کے موافق تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دینگی، جن دلائل کی بنا پر افعال انسانی مین عقل و استدلال کی غیر معمولی اہمیت ثابت کیجاتی تھی اون کی آج کافی طور پر تغلیط ہو چکی ہے، ہر تمدن کا آغاز جذبہ ہی سے ہوتا ہے، جذبہ ہی کی بدولت اوس تمدن کی بقا رہے اور جذبات ہی اوس کے ارتقا کا باعث ہوتے ہین،، اسی مفہوم کو اقبال اِس انداز سے پیش کرتا ہے،

اچھا ہے دِل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے

صحیح ترغیب کیلیئے جذبات کا صحیح استعمال پہلی شرط ہے

عمل ترغیب کے متعلق جو غلط فہمی عام طور پر پائی جاتی ہے اوس کا تو ایک حد تک ازالہ ہو چکا، اور ہم نے دیکھ لیا کہ جذبات پر اس کا انحصار یا اس کا غیر عقلی ہونا ہمین ترغیب کے طریقون مین صحت کی طرف سے ناامید نہین کر سکتا، چونکہ ترغیب تمام و کمال جذبات ہی پر منحصر ہے لہذا اس کے صحیح استعمال کی شرط اولین یہ ہے کہ ہم اپنے جذبات مین تمیز کر سکیں اور وقتاً فوقتاً ان کا جائزہ لیتے رہیں، یہی ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے کہ ہم ایک بڑی

حدتک باطل ترغیبات سے محفوظ رہ سکتے ہین اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے جذبات اور الہامات فطری ہماری ترغیبات پر حاوی ہوجائینگے اور ہم آسانی غلط استنباطات، ناقص فیصلات، اور فریب دہ تخیلات کے پھندے مین گرفتار ہوجائینگے، کیونکہ اِن سب کی اصلی محرک جذبی تحریک ہی ہوا کرتی ہی، اعمال انسانی مین جذبات کی جو کچھ اہمیت ہی وہ اظہر من الشمس ہی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب جذبات قابل تعریف اور مستحسن نہین ہین اَنا کے متعلق جتنے جذبات ہین اون مین کوئی نہ کوئی پہلو قابل اعتراض ضرور پایا جاتا ہی، لیکن اون مین بھی کچھ جذبات ایسے ہوتے ہین جن کی بالواسطہ یا براہ راست تحریک اعلیٰ درجہ کے افعال کا سرچشمہ ہوتی ہے، اِسی طرح سے دوسرون کے متعلق جتنے جذبات ہوتے ہین اور جنھیں مدنی جذبات کہا جاسکتا ہے وہ بھی بڑی حدتک مستحسن ہوتے ہین مگر اون سے بھی قبیح اور قابل اعتراض نتائج ظہور پذیر ہوسکتے ہیں، قابل تعریف جذبات صرف وہی ہوسکتے ہین جو کسی خاص وصف سے متّصِف، ہمارے نفس کے قابو مین ہوں اور صحیح طور پر مستعمل ہوں، ان مستحسن جذبات کی صف اولین مین جن جذبات کو جگہ دی جاسکتی ہے وہ وہی ہین جنھیں ہم اُوپر عمرانی یا مَدَنی جذبات کہہ چکے ہین اور جن کا انحصار کم و بیش دیگر افراد انسانی کے ساتھ تعلقات اور شرکتِ عمل پر ہے،

نفسیّات جدیدہ مین جہاں وظائف نفسی کے متعلق اور بہت سے انکشافات ہوئے ہین وہاں ایک سب سے ضروری تحقیق یہ ہے کہ شعور کی تین حالتیں تسلیم کی گئی ہیں، سب سے پہلی حالت کو نفس کی شعوری حالت کہا جاسکتا ہے جو معمولاً و طبعاً ہر صحیح دماغ والے شخص مین اس کے اوقات بیداری مین پائی جاتی ہے، مثلاً سامنے والی میز کا ورک آنے جانے والون کی طرف میری توجہ کا منعطف ہوجانا یہ سب میرے نفس کی شعوری حالت کو مستلزم ہین، دوسری حالت وہ ہوتی ہی جبکہ کوئی چیز براہ راست میرے شعور مین نہین ہوتی لیکن حافظہ تلازم خیالات تخیل وغیرہ کی وساطت سے

وہ بھی شعور میں آسکتی ہے، مثلاً میں تحریریں بہت مہمک ہون لیکن جب کوئی شخص مدرسہ کا نام لیتا ہی تو میرے دماغ میں مدرسہ سے متعلق کچھ خیالات گذرنے لگتے ہین اور کچھ واقعات یاد آجاتے ہین، نفس کی اِس حالت کو عام طور پر نیم شعوری حالت کہا جاتا ہے، اِس کے علاوہ کچھ باتین ایسی بھی ہوتی ہین جو ہمارے دماغ کی سب سے نیچی تہوں میں مخفی رہتی ہیں اور اون کو شعور کی سطح پر لانے کے لیئے بہت کچھ جدوجہد کرنا پڑتی ہے، اِن واقعات کے متعلق ہمارے نفس کی حالت کو غیر شعوری یا لاشعوری حالت کہا جاسکتا ہے،

اِس قدر تمہیدی بحث کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ اون جذبات سے قطع نظر کر کے جو نفس کی شعوری حالت سے تعلق رکھتے ہین، ہماری جذبی زندگی کے دیگر عناصر زیادہ تر نفس کی لاشعوری حالتین موجود ہوتے ہین یا یون کہو کہ ہماری معمولی اور طبعی زندگی کی تہ میں چھپے رہتے ہیں، ظاہری حُسنِ اخلاق، ہمدردی، اور محبت کے خوشنما پردہ کے پیچھے ہر انسان کے نفس مین محبت و عداوت، حُبِ اقتدار، خوف و شک، غصہ و انتقام، کے جذبات بھی ابتدائی مدارج مین پائے جاتے ہین، ان کے علاوہ اور بہت سی بسیط تحریکات اور دبی ہوئی خواہشات بھی موجود ہوتی ہین، جو ارتقائے انسانی کے مختلف مدارج میں بجنسہ موجود رہی ہیں اور ہم مین بطور گذشتہ نسلون کی یادگار کے باقی ہین، یہ سب کی سب ناقابلِ ادراک طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہیں، فطرت انسانی کی اِس پوشیدہ زندگی کے وجود کو ماننا اور نفس کی لاشعوری حالت کا جو اثر ہماری ادنیٰ سی ادنیٰ ترغیبات پر پڑتا ہے اوسے تسلیم کرنا ہمارے لیئے بہت ضروری ہی، باطل ترغیبات کی مختلف اشکال، تہدید افراد، و ترغیبات اجتماعی کے مُضر اثرات جن سے گذشتہ صفحات مین بحث کی جاچکی ہے، اِن سب کا اصلی مخرج یہی تحت الشعور تحریکات و جذبات ہیں،

ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ باطل ترغیبات (اجتماعی و انفرادی)، خود فریبی، مکائدِ نفس وغیرہ کا

اصلی ماخذ ہماری غیر شعوری خواہشات اور جذبات ہوتے ہیں، اِس کی وجہ اِن تحریکات کے چند خصائص ہیں مثلاً سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حُبِّ اقتدار اوس کا زبردست ترین خاصہ ہے جو کسی نہ کسی صورت میں اِنسان کو اپنے اقتدار کے اظہار اور ادّعا پر اُبھارتا ہے، اگر ایک طرف بڑی بڑی جماعتوں میں یہی خاصّہ بقائے اقتدار کے بہت کچھ سامان کرتا ہے اور بعض اوقات بڑی بڑی خونریزیاں اس کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں تو دوسری صورت میں یہ بالکل معصوم طور پر جملوں، حرکات وسکنات، اشاروں میں ظاہر ہوتا ہے، مقصود بہرحال وہی ہوتا ہے یعنی اپنے اقتدار کا دوسروں پر اظہار، تمھارا بے تکلف دوست جب تمھارے کندھے پر ہاتھ مار کر نہایت صاف دلی سے تم سے سوال کرتا ہے کہ ”کہو جی اچھے تو ہو؟“ تو خود اس کو اور تم کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اِن پانچ الفاظ میں اقتدار و تفوق کی جھلک نظر آتی ہے لیکن ایک تجربہ کار نفسیات کا ماہر تمھیں بتائیگا کہ ان الفاظ میں اوس کی غیر شعوری خواہشِ فوقیت و اقتدار اپنا اظہار کر رہی ہے،

دوسری خصوصیت اِن غیر شعوری تحریکات کی یہ ہوتی ہے کہ اونکا رجحان زیادہ تر غیر معاشرتی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری باطل ترغیبات جو زیادہ تر ہماری غیر شعوری، دبی ہوئی خواہشات کا نتیجہ ہوتی ہیں خفیہ طور پر کام کرتی رہتی ہیں اور اپنی تشفی کے لیے خفیہ ذرائع تہدید و حصولِ انتفاع ناجائز کو کام میں لاتی ہیں جب کبھی حالتِ بیداری یا خواب میں ہمارے متخیلہ کی خود سرانہ پرواز نفس کی لاشعوری حالت میں ہم کو عرش بالا پر پہونچا دیتی ہے ہم اِس خیالی دنیا کے بطلِ اعظم اور دوسرے ہمارے محکوم ہوتے ہیں تو اوس وقت غیر شعوری تحریکات کا یہ رُجحان غیر مدنی اور غیر معاشرتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اِس کے غیر مدنی ہونے کا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا کہ ہم کبھی اِن خیالات کا دوسروں کی موجودگی میں اظہار نہیں کرتے، اِسی طرح جب ہم اِن مخفی خواہشات کی تحریک سے مجبور ہو کر اپنے خود غرضانہ جذبات مثلاً عیش پسندی، حصول مراعاتِ خصوصی، اقتدار یا ثروت

کی تشفی کی کوشش کرتے ہین تو ہم بطرۂ ایسے وسائل سے کام لیتے ہین جو ہماری اصلی خواہشات کو دوسروں پر اور خود ہمارے شعور کے سامنے ظاہر نہ ہونے دین غیر شعوری تحریکات کے مخالف تمدن و معاشرت ہونے کا یہ دوسرا ثبوت ہے،

جن حضرات کو نفسیات جدیدہ کی ایک اہم شاخ نفسی مرضیات (Psycho-Pathology) کے متعلق زیادہ واقفیت نہین ہے اون کو شاید یہ سنکر تعجب ہو کہ ان غیر شعوری رجحانات کی اصلاح اور ان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی بھی تدبیرین ہو سکتی ہین نہ مانۂ حال مین اختلال نفسی کا جو علاج بذریعہ نفسی تحلیل (Psycho-Analysis) کیا جاتا ہے اوس سے پتہ چلتا ہے کہ اختلال نفسی کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ مریض خارجی یا ذہنی اثرات کی وجہ سے اس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے پرُزور مگر ناقابل تشفی جذبات و خواہشات کو بجز اپنے شعور سے ہٹا کر شعور خفی مین لے آئے، تم نے اکثر ایسے پاگلوں کو دیکھا ہوگا جو سر پر سرکنڈے کا تاج پہنے ہاتھ مین لکڑی لیے بڑے رُعب و داب کے ساتھ بازارون مین پھرتے ہین اور اپنے آپ کو بادشاہِ وقت سمجھتے ہین تحلیل نفسی کے ذریعہ سے اگر تم اس شخص کی کیفیات نفسی کا مطالعہ کرو تو شاید تم کو معلوم ہو کہ اس شخص کے جذبات حکومت پسندی حُب ثروت وغیرہ بہت کچھ پرُزور تھے مگر خارجی حالات مثلاً نامساعدت روزگار یا ذہنی اثرات مثلاً ذاتی ناقابلیت کے احساس نے ان جذبات کے بجز غار کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی گویا کہ یہ جذبات اس شخص مین شعوری نہ رہے لیکن قطعاً فنا بھی نہین ہوئے اور غیر شعوری بن گئے اس جبریہ انسداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان جذبات کا اثر پہلے سے بھی زیادہ پرُزور ہو گیا، خود یہ جذبات مسدود ہوئے تھے لیکن ایسی رَو مین اس کی شخصیت و شعور کو بھی فنا کرتے گئے اور یہ آدمی پاگل ہو گیا، ایسا ہونا اس کے جذبات کی تشفی کے لئے زیادہ مُفید ہے، کیونکہ یہ شخص خیالی دنیا مین بادشاہ بنا بیٹھا ہے

اور اچھی طرح اپنے مخفی جذبات کی تسکین کرتا ہے،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ دنیا میں ہر فرد اس پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنی خواہشات کا منھ مارے اور نفس کُشی کرے پھر ہر شخص پاگل کیون نہین ہوجاتا؟ بات یہ ہے کہ کسی ناخوشگوار سلسلۂ خیالات کو شعور سے دور کرنا تو معمولاً اور طبعاً ہوتا ہی رہتا ہے، مثلاً غم غلط کرنا لیکن بعض صورتوں مین یہ ہوتا ہے کہ صرف یہ ناخوشگوار سلسلۂ خیالات ہی کل وجز مفقود نہین ہوجاتا بلکہ اپنے ساتھ مریض کے شعور سے دیگر تجربات کو بھی حذف کردیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت جو ابتک ایک منتظم اور مرکب حالت مین تھی منتشر ہوجاتی ہے، "شدّت غم سے پاگل ہوجانا" اسی کی مثال ہے، دوران جنگ مین "شل شاک" (گولون سے پھٹنے کا دھماکہ) سے یہی کیفیت رونما ہوتی تھی، لیکن ان سب باتون کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا کہ شخصیت تمام وکمال منتشر ہوجائے،

تجربات نفسی کا بیشتر حصہ غیر شعوری حالت مین موجود رہتا ہے اور مناسب ذرائع سے اس کا احیاء ہوسکتا ہے، علاج کا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے اوس کی تکالیف و شکایات کا بیان کرایا جاتا ہے تاکہ حذف شدہ تجربات نفسی (جو اصل باعث اختلال ہیں) زندہ ہوسکین، جن تلازمات سے اوس کے جنون کو شہ ہوتی ہے اون کو بغور دریافت کیا جاتا ہے، جب مسدود خیالات اور حذف شدہ تجربات نفسی (جو مریض مین ہیجان پیدا کرتے تھے) اوس پر ظاہر کردیئے جائینگے اور وہ اون سے واقف ہوکر اپنے خلل دماغ اور اون کے درمیان کوئی رشتہ علّت ومعلول دریافت کرسکے گا تو فوراً اوس کی حالت درست ہوجائے گی،

غیر شعوری تحریکات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا بہت کچھ تشنہ ہے[1] اس سے زیادہ مکمل

---

[1] اُردو میں آجتک کوئی کتاب نفسیات جدیدہ کے اس شعبہ تجزیہ نفسی کے متعلق نہیں لکھی گئی، انگریزی دان حضرات جن کو ان اُمور میں دلچسپی ہو، کتب ذیل کو بہت کچھ مفید و مکمل اور دلچسپ پائینگے، (بقیہ حاشیہ صفحۂ آیندہ پر)

بحث موجودکتاب کی حدنظر سے باہر ہے اِس موقع پر اِس کے بیان کرنے کی ضرورت یون محسوس ہوئی کہ اِس طریقۂ علاج کی اہمیت باطل ترغیبات کی صحت اور اون کے علاج مین دریافت ہوجائے نفسیات جدیدہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہو کہ اختلال نفسی کا سہل علاج یہ ہے کہ غیر شعوری باتونکو شعور میں لے آیا جائے اِسی طرح سے عمل ترغیب میں باطل ترغیبات، خود فریبی وغیرہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہو کہ ہم بلاخوف وشرم اپنے اندرونی تحریکات کا اچھی طرح جائزہ لین، اون کی نحوی تحلیل کرین اور بالآخر اون کے حسن یا قبح کو شعور کے سامنے بلاکم وکاست پیش کردین، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہماری ترغیب کی محرک بہت سی غیر شعوری خواہشات تھیں جو اپنی خود غرضی انتہا پسندی اور دیگر عیوب کی وجہ سے دوسروں کے سامنے تو کیا خود ہمارے نفس کے سامنے بھی ظاہر نہین ہوسکتی تھین اور ہم ان کو قبول کرتے ہوئے شرماتے تھے مخفی خواہشات کو اپنے نفس کے سامنے لے آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم اون کو دنیا اور اِس کے دیگر تعلقات کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہین اور اس طرح اون کی ایک بڑی خصوصیت (یعنی اون کا خلاف معاشرت اور خود غرضانہ ہونا) جاتی رہتی ہے، اعمال صحیحہ اور صحت نفس برقرار رکھنے کی ایک بڑی ترکیب یہ ہے کہ اپنی ہر بات کو کل دنیا کے متحدہ نقطۂ خیال سے دیکھا جائے، کس قدر مقام شکر ہے کہ ضروریاتِ زندگی ہمیں کسب معاش پر مجبور کرتی رہتی ہیں اور اِس طرح سے جو تعلقات دوسرے افراد کے ساتھ ہوجاتے ہیں اور خود اپنی زندگی میں اون کے وجود کی جو کچھ اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہ ہم کو دوسروں کے حقوق سے بھی اطلاع کردیتی ہے اور ہم بہت سی غیر شعوری

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) 1 Green Phychunalysis in the class room 2. Freud Interpretation of Dreams. 3 - Freud. Psychopathology of every day life 4 - Jung Psychoanalytic method

اور خود غرضانہ تحریکات کی کورانہ تقلید سے باز رہتے ہین لیکن پھر بھی غیر شعوری تحریکات کبھی کبھی ہم سے اپنے حسب حال عمل کرا چھوڑتی ہیں خود غرضانہ جذبات کی تشفی اور مخفی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہم ایک ترکیب سوچتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، اپنے ضمیر کی مخالف آواز کو مدد کرنے یا دوسروں کی نظرون مین اپنے افعال کو بجا ثابت کرنے کے لیئے ہم جھوٹی دلیلون کی ایک عمارت کھڑی کرتے ہیں اور دنیا پر یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہمارے افعال خود غرضانہ نہیں ہیں بلکہ نیک نیتی، ایثار، اور مفاد عامہ پر مبنی ہین، نفس انسانی کی یہ کارروائیاں عام ہین ان کو مستثنیات مین داخل نہیں کیا جا سکتا اس عالمگیر مرض کا علاج یہی ہے کہ نفس کی جملہ ابلہ فریبیون، مخفی خواہشات وغیرہ کو نفس کے سامنے لے آیا جائے اور اس طرح انکا اظہار کر دیا جائے،

حاصل کلام یہ کہ ترغیب کی ابلہ فریبیون سے بچنے کے لیئے وقتاً فوقتاً اپنے غیر شعوری جذبات کا جائزہ لیتے رہو اور پردۂ اخفا سے نکالکر اون کو شعور کے سامنے لے آؤ تاکہ اون کو اصلی رنگ مین دیکھکر تمھاری آنکھیں کھلیں اور تم اون کے فریب مین نہ آجاؤ، اگر ایسا کیا جائے تو تمھارا جادۂ حق سے منحرف ہونا ناممکن ہوگا، مختلف جذبات مین تمیز کرنا اون کے حسن و قبح کو دیکھنا، نفسانی و بہیمانہ خواہشات اور معاشرتی اور مدنی تأثرات مین حد فاصل قایم کرنا، یہ صحیح ترغیب کی شرط اولین ہے اسی کو بالفاظ دیگر یون سمجھو کہ ترغیب کا صحیح استعمال ہمارے ترجیحی اور اخلاقی فیصلون پر منحصر ہے، یعنی پہلے کسی شے کی اصلی اہمیت کا اندازہ لگانا اور پھر اخلاقی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ صادر کرنا، جسطرح غیر شعوری تحریکات زیادہ تر اعمال اسفل کی محرک ہوتی ہین اوس طرح سے جذبی رجحانات کو اپنے قابو مین رکھنا، اون کی کورانہ تقلید نہ کرنا اور قوت تمیزی سے کام لیکر اچھے اور برے مین تمیز کرنا اعمالِ صالح کا باعث ہوتا ہے، فطری تحریکات پر قابو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دماغ مین انا یا ذات کے متعلق صحیح اوصاف تصورات موجود ہون ہر اخلاقی فعل کے لیے شعور ذات لازم ہے

اور اخلاقی فیصلوں کا وجود بھی ضروری ہے،

ترغیب کی صحت کا اخلاقی معیار، **یہ تو ہر شخص تسلیم** کریگا کہ اخلاقی فیصلوں کی اساس وجدانات ہین جب کبھی کوئی شخص کوئی اعلیٰ درجہ کا اخلاقی کام کرنا چاہتاہے تو ضروری ہے کہ اس فعل کی تحریک کرنے والا کوئی نہ کوئی وجدان اوس مین اپنا عمل کر رہا ہو، حُبّ الوطنی، محبت، ہمدردی، اِن وجدانات ہی اخلاقی فیصلوں کی بنیاد رکھی جاتی ہو یہی ہر شخص جانتا ہے، اب بحث طلب امر یہ ہو کہ وہ کون سے وجدانات ہیں جن سے ہمارے اخلاقی فیصلے وجود مین آتے ہیں اِس کا جواب دینے سے قبل ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وجدانات کی دو قسمیں ہوتی ہیں، وجدانات عینی اور وجدانات مجرّد، وجدانات عینی وہ ہین جنکی محرک کوئی شے یا اشیاء موجودہ احول ہوتی ہیں، مثلاً خوشنما پھولون سے محبت، چھوٹے بچوں سے من حیث العام یا کسی خاص شخص سے محبّت وغیرہ، برخلاف اس کے وجدانات مجرد وہ ہوتے ہیں جن کی تحریک دینے والی اشیا نہین بلکہ کوئی صفت یا تجریدی کیفیت ہوتی ہو، مثلاً حق پسندی، عدل پروری، حُسن پرستی (بحیثیت مجموعی) وغیرہ، اخلاقیات مین اِن اضافی اقسام کی اہمیّت سے بحث کرتے وقت پروفیسر میکڈوگال اپنی کتاب نفسیّاتِ معاشرت مین لکھتے ہینؔ ایسے اخلاقی فیصلوں کا صادر ہونا جو تعمیم رکھتے ہوں صرف مجرّد وجدانات ہی پر منحصر ہے ورنہ وجدانات عینی جن اخلاقی فیصلوں کے محرک ہوتے ہیں وہ صرف فیصلہ کنندہ کی ذات تک محدود ہوتے ہین ونمین تعمیم کا وجود نہیں ہوتا اور دوسرون پر صحت کے ساتھ اون پر منطبق نہین کیا جا سکتا، اس قسم کے وجدانات قوت فیصلہ کو ناکارہ کر دیتے ہین۔ ... ،،

وجدانات کی ہر دو اقسام کے متعلق جو کچھ لکھا گیا اوس سے یہ معلوم ہوگا کہ عینی وجدانات صحیح فیصلوں کے صدور میں مانع آتے ہین، چونکہ ان کی حیثیت ایک معنی مین انفرادی اور خود غرضانہ ہوتی ہے اسلیئے یہ بھی باطل ترغیبات کے محرک ہوسکتے ہین، دوسرے باب مین جو مثالیں

ترغیب کی ابلہ فریبیون کی دی گئی ہین اون پر غور کرو تو خود غرضانہ وجدانات کا لگاؤ پاؤ گے،

اجتماعی ترغیبات کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اور اون کے جو مضر اثرات بتائے گئے،

اوس کا باعث بھی یہی یعنی خود غرضانہ وجدانات ہیں! ادنی النظرین تم کو شاید اجتماعی کے ساتھ

خود غرضانہ کا استعمال اجتماع ضدین نظر آئے اور تم سوال کرو کہ اجتماعی ترغیب مین خود غرضانہ

وجدانات کو کیا دخل؟ اگر تم نے تہدید افراد کے طریقوں اور ہماری دی ہوئی مثالون پر غور کیا ہے

تو تمھین یہ غلط فہمی باقی نہ رہیگی، ہم یہ نہین کہتے کہ جماعات کے اغراض لازماً خود غرضانہ ہوتے ہین

ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر دس افراد ایک جماعت بنائین جس کا مقصد شخصی یا ذاتی منفعت کے بجائے

عام مفاد ہو تو یقیناً جو نتائج مفیدہ اِس جماعت سے مترتب ہو سکتے ہیں، انکو اگر بیس افراد بھی انفرادی

طور پر بے غرضی اور خلوص سے کام کرین تب بھی نہیں پیدا کر سکتے مگر یہ کس صورت مین ؟ جب جماعت کا

مقصد نفع ذاتی یا شخصی نہین بلکہ مفاد عام ہو، اس شرط کا ہونا لازمی ہے، شرکت عمل، تعاون، مشترکہ

جدوجہد اِن سب کا اقتضاء یہ ہونا چاہیئے کہ ہمیں زندگی کے اعلیٰ مدارج تک لیجائین، گذشتہ باب

میں جو اعتراضات جماعتون کے رویہ اور اون کے طرز ترغیب پر کئے گئے تھے انکا اطلاق محض اُن

جماعات پر ہوتا تھا جو شرکت عمل، کی آڑ مین ذاتی اغراض کی تکمیل کرتی ہیں اور اِس طرح ؎

بانا شراب خورد و نہ زاہد نماز کرد

کی مصداق بنتی ہین، اون جماعات کو کوئی بھی برا نہین کہہ سکتا جو خلوص، صدق اور بیغرضی پر قائم

ہوتی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ "اچھے جب گرتے ہیں تو بُری طرح گرتے ہین" اپنے گرد و پیش نظر ڈالو تو تم کو

اِس جملہ کی صداقت مین شبہہ نہ رہے گا، ایک ذہین لڑکا جب کسی بُری صحبت مین داخل ہو جائے

تو بڑا زبردست بدمعاش یا بڑا مشہور چور بن سکتا ہے، اِسی طرح سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرةً

حلیم الطبع اشخاص کو جب غصّہ آتا ہو تو انتہا درجہ کا ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا یہی قانون

جماعت کے مفید و مُضر ہونے پر حاوی ہے، اگر کسی جماعت کی اُٹھان اچھی پڑی ہے، اوس کے
مقاصد فی الحقیقت اعلیٰ وارفع ہیں تو اوس کے مبنیِ فلاح وبہبود ہونے میں کسکو کلام ہوسکتا ہے،
لیکن اتنے ہی افراد کی جماعت جب بدقسمتی سے خود غرضانہ مقاصد کی حامی ہوجاتی ہے تو اوس کا حلقۂ
شر بھی اتنا ہی وسیع ہوجاتا ہے۔

جماعات کی ترغیب سے بحث کرتے وقت ہم نے کہا تھا کہ جب لوگ کسی غرض کی
تکمیل کے لیئے ہم خیال ہوجاتے ہیں تو اثر پذیری کا نتیجہ فنائے شخصیت ہوتا ہے، ذاتی اصابت رائے
تفکر و تدبر سب کچھ رخصت ہوجاتا ہے ہم یہ بھی کہہ چکے ہین کہ جب مختلف جماعتیں ایک دوسرے
کے مقابلہ میں حُبِ اقتدار کے لیئے صف آرا ہوتی ہیں تو اون مین باہمی مناقشات رُونما ہوتے ہین
اور ایک جماعت کا فرد دوسری جماعت کے افراد یا اپنے سے مختلف خیال والے افراد کو اپنا
دشمن خیال کرنے لگتا ہے، جس جماعت مین یہ سب باتین پائی جائیں وہان اگرچہ سب ساتھ ملکر
کام کرتے ہین لیکن پھر بھی حقیقی معنون میں شرکت عمل کا نقدان ہے، اوس جماعت کا شیرازہ
اس وجہ سے سدھا رہتا ہے کہ ہر شخص کے ذاتی منافع، مراعات، حقوق وغیرہ کا خیال اُسکو
جماعت کی شرکت پر مجبور کرتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ایسی جماعت کو جماعت کہنا ہی نہین چاہیئے،
ہان ایسے افراد کا مجموعہ البتہ کہہ سکتے ہو جس میں سے ہر ایک ذاتی منفعت کے لیئے جد و جہد کررہا ہے
افراد کا یہ مجموعہ جماعت سے وہی نسبت رکھتا ہے جو اینٹون اور لکڑیون کا انبار مکان سے یا ہجوم
اشجار باغ سے یعنی ماہیت وہی ہے، لیکن ترتیب نیک نیتی، خلوص (جو جماعت کے حقیقی مفہوم
مین داخل ہین) سرے سے غائب ہوتے ہیں، اور اصلی تعاون کی بجائے بڑے پیمانے پر انفرادیت
نظر آتی ہے

شرکت عمل اور اتحاد باہمی کا تصوّر جس طرح ہمارے دماغ میں خوش آیند خیالات پیدا

کر سکتا ہے اوسی طرح ہیبت ناک تصویرین بھی پیش کرتا ہے، کبھی اِس لفظ کو سُنکر ہم کو ایک ایسی جماعت کا خیال آتا ہی جس کے افراد ایثار کا نمونہ ہیں اور کبھی ایک ایسے جتھے کا تصور بندھتا ہے جس کے افراد آپس میں محض اِس وجہ سے متحد ہوئے ہین کہ پہلے سے زیادہ ذاتی نفع حاصل کریں اور افراد کو مجبور کریں، غرضکہ اِس اتحاد عمل کو اچھا یا بُرا جامہ پہنانا ہمارے نقطۂ خیال پر منحصر ہے آجکل ہم دیکھتے ہین کہ جماعت یا جماعت بندی کا ذکر استحسان اور تعریف کے الفاظ سے کیا جاتا ہے اور حُسنِ ظن کی شدت جماعت کو ایک خیر کُل بنا کر پیش کرتی ہے، موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ ابتک جماعت بندی کا نتیجہ بحیثیت مجموعی کسی طرح قوم کے لیئے مفید نہیں کہا جا سکتا، چند خاص جماعتون کو چھوڑ کر بقیہ سب جماعتین ہمارے بتائے ہوئے مُضر اثرات سے پاک ہونے کا دعویٰ نہین کر سکتین،

اگر کوئی جماعت یہ چاہے کہ اوس کو "انفرادیت بہ پیمانہ کثیر کا" ملزم نہ ٹھہرایا جائے اور حُبِ منفعت ذاتی کا جرم اُس پر نہ عائد کیا جائے تو اوسے اِس امر کی ضرورت ہی کہ وسیع النظری اور ایثار کو اپنا معیار بنائے، زمانہ کی روش کا اقتضا یہی ہی، مسٹر ایچ - جی ویلس جو ایک مشہور مؤرخ ہونے کے علاوہ ایک زبردست اشتراکی بھی ہین، اپنی تصنیف "جنگ کا اثر مستقبل پر" میں لکھتے ہیں کہ "باہم مِل جُلکر خدمت کرنے کا جوش زبردست اور روز افزوں رُجحان آجکل پایا جاتا ہی اوسکی مثال پہلے کبھی نظر نہین آتی، لیکن خدمت کِسکی، اور کیسی؟ میرا خیال ہے کہ مِل جُلکر خدمت کرنے کا عقیدہ اوسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم اِس اُصول کو اپنا ہادی بنالین کہ کل افراد انسانی ایک بڑی سلطنت کے رعایا ہین جس کا بادشاہ خدائے بزرگ و برتر ہے اور خدمت خلق ہی خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے، ہم کو اپنے اعمال و افعال کا ایک عام معیار مقرر کرنا چاہیئے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام دنیا پر یکسان حاوی ہو، امیر فقیر سے، شاہ گدا سے، افریقہ کا حبشی انگریز سے

یہ سوال کر سکے کہ میں اور تم دونوں اس معیار پر کہاں تک پورے اُترے ہیں، لیکن یہ معیار کیا ہو؟
دُنیا کو ملکِ خدا سمجھکر افراد کو اوس کی رعایا خیال کر کے کام کرنا۔"

ہماری اکثر ترغیبات باطل کیوں ہوتی ہیں؟ اکثر بیکار کیوں ہوتی ہیں؟ اس کا جواب ایک لفظ میں ادا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "تنگ نظری" کی وجہ سے چہارم ارل گرے آنجہانی نے اپنی کتاب "**معیارِ عمل**" میں ایک چٹکلہ بتایا ہے، جس کو اگر ہم سمجھ لیں تو یقیناً اپنی ترغیبات میں ہم کو ناکامی نہ اُٹھانی پڑے اور نہ باطل ترغیبات ہمارے لیئے پُر فریب ہو سکیں، کہتے ہیں "ہر کام کے کرتے وقت خواہ اُس کا تعلق خاندان سے ہو یا کُل ملک سے اپنے دل سے سوال کرو کہ جو کام میں کرنے والا ہوں اوس کام کو اگر دنیا کا ہر فرد کرے، اور دنیا کے ہر فرد پر اوس کا اثر بھی ہو تو بحیثیت مجموعی یہ کام بنی نوع انسان کو فائدہ بخشے گا یا نقصان پہونچائے گا، اگر تمہارا ضمیر تم سے کہے کہ اِس کام کا نتیجہ عام طور پر مُضر ہوگا، تو اس کام سے باز رہو، اس کے پاس تک نہ پھٹکو، خواہ ایسا کرنے سے تمہارے خاندان یا ملک کو فی الوقت کسی فائدہ سے محروم کیوں نہ رہنا پڑے"،

ترغیب کا صحیح استعمال اِسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ترغیب دہندہ کے ذہن میں فطرتِ انسانی کی عظمت اور بنی نوع انسان کی محبت جاگزیں ہو، اگر ایسا ہو تو دنیا سے ناجائز انتفاع، کاربرآری اور اسی قسم کے دوسرے غیر معاشری افعال یک لخت جاتے رہیں، ہمارا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ حتی الوسع ایسی تدبیریں سُوچیں جن سے انسانیت کے متعلق مذکورہ بالا اعلیٰ خیالات افراد کے دماغ میں قایم ہو سکیں، سب سے پہلی بات جو اس کے متعلق ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کل افراد انسانی اپنے آپ کو ایک ہی زنجیر کی کڑیاں، ایک ہی گلدستہ کے پھول خیال کرنے لگیں تو پھر دنیا سے خراب افعال بہت ہی کم ہو جائیں، جنگوں کے اسباب پر غور کرو، اگر انسانیت کی عظمت ہر شخص کے دل میں موجود ہوتی تو کیا وہ اور اوس کے مُضر اثرات دنیا پر اپنا منحوس

سایہ ڈال سکتے؟ زمانہ سلف سے لیکر اتک اگر کوئی قوّت، افرادِ انسانی کی ترغیبات کو غلط راستے پر لگئی ہے تو وہ یہی "ما" "وشما"، کا سوال ہے، "ہر شخص اپنے قدحے کی نیر مناتا ہے"، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو ہر قوم دوسری قوم کو غیر خیال کرتی ہے، اور یہی تے باعثِ اختلاف ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ترغیبات اچھے نتائج پیدا کریں، اور جائز ہوں، تو سب سے پہلے تمہارا فرض یہ ہونا چاہئے کہ دوسرون کی زندگی مین دلچسپی لو، کسی فرد کو غیر نہ خیال کرو، اور دوسرون کی ضروریات اور احساسات کا پاس کرو، بقول میر ؎

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یان یہ کارگاہ ساری دوکانِ شیشہ گر ہے

کیا اچھا ہو کہ ہماری موانست و محبت کا حلقۂ اثر وسیع ہوتے ہوتے مذکورہ بالا شعر کا مصداق ہو جائے،

تم شاید یہ اعتراض کرو کہ ہم حقیقت سے گذر کر "تصوریت" مین گرفتار ہو گئے ہین اور شاید مختلف اقوام کے اِس عالمگیر اتحاد کو محض ایک خوش آیند خواب خیال کر دیا، بالاصل اگر ایسا ہونا آسان نہیں ہے تو ناممکن بھی نہیں ہے، کیا تم نے برسات کے موسم مین کسی قصبہ یا شہر کی طغیانی کی کیفیت کو دیکھا ہے، ہندو، مسلمان، شیعہ، سُنّی، برہمن، شُودر، امیر، فقیر، اِن سب کا ایسی صورتوں میں کیا رویّہ ہوتا ہے؟ کیا ایک دوسرے کا شریک حال نہ تھا؟ انفلوئنزا کی دست بُرد کے زمانہ مین باہمی ہمدردی کی کیسی لہر دوڑ گئی تھی، میدان جنگ میں ہندی، انگریز، فرانسیسی، افریقی، امریکن، سب کِس طرح ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی بھی تکلفات دنیوی رسم و رواج، اور حفظ مراتب کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور انسان کو زندگی کے سیدھا اور دشوار گذار مراحل طے کرنا پڑتے ہیں، اُس وقت ہمدردی، اُخوت اور اسی قسم کے مدنی جذبات کا جوش عالمگیر ہوتا ہے، میدان کارزار مین جب دنیا کے بنائے ہوئے اختلافات پیچھے چھوٹ جاتے ہین اور موت ایک عُریاں حقیقت بن کر نظروں کے سامنے آتی ہے اوس وقت سب برابر ہو جاتے ہین،

کاندرین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

دنیا مین کسی چیز کا حاصل کرنا اتنا دشوار نہیں ہی جتنا وحدتِ مساعی و مقاصد کا، لاکھ کوشش کرو یہ ممکن ہی نہیں کہ مختلف افرادِ انسانی کسی مقصد کے حصول کے لیئے واحد ذریعہ استعمال کریں، اِس بارے مین تمھاری ترغیب کامیاب ہو ہی نہیں سکتی، وجہ یہ ہے کہ ہر شخص فطرۃً دوسرے سے مختلف ہوتا ہی، یہ اختلافات تو غیر فطری و ذہنی ہین، لیکن خود انسان نے گروہ، قوم، مذہب بنا کر اختلافات مین اور اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ عالمگیر اخوت اور رشتۂ اتحاد دراصل منشاءِ قدرت ہے، جب کبھی ہم تکلفات دنیوی اور تعصبات ذاتی کی بنا پر اس منشاء کی طرف سے غافل ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں، تو قدرت کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا کرتی ہے کہ اِس منشاء کی یاد لوگوں کے دلوں مین تازہ ہو جائے اور وہ خواہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ سہی،

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیں،

ذہنی اور عقلی اعتبار سے صحیح ترغیبات کا معیار

مذکورۂ بالا بحث سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ چونکہ ترغیبات مین اخلاقی فیصلوں کا وجود ہوتا ہے لہذا اون کے صحیح یا ناجائز ہونے کا معیار بھی اخلاقی ہونا چاہیئے، مطلب یہ کہ جو ترغیبین اخلاقی نقطۂ نگاہ سے پسندیدہ ہون وہ اچھی، اور جو اس معیار سے گری ہوئی ہون وہ بُری خیال کی جائین، یہ تو خیر بحث کا ایک رُخ ہوا مگر مصیبت یہ ہے کہ ہماری ترغیبات مین فیصلے صرف اخلاقی اعتبار ہی سے گرے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ اون مین ذہنی، منطقی اور عقلی عیوب و اسقام بھی پائے جاتے ہیں، باطل ترغیبات مین سوءِ استدلال کا جو کچھ حصہ ہوا ہے ہم مکائیدِ نفس سے بحث کرتے وقت دیکھ چکے ہین، اخلاقی پہلو سے اگر پُر فریب ترغیبات کو دیکھو تو اون میں یہ عیب نظر آتا ہے کہ یہ خود غرضانہ اور غیر معاشرتی ہوتی ہیں، اب اگر ذہنی نقطۂ نگاہ سے دیکھو تو اون کے معائب کچھ اور ہی نظر آتے ہین، مثلاً فطرتِ انسانی کا غلط اندازہ لگاتا

اور قیاسات میں تعصب سے کام لینا، فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانے کی مثال تم کو اتفاع ناجائز اور تہدید کے طریقوں میں نظر آئے گی، جو لوگ انسان کو اپنے حصول مقصد کے لیئے آلہ بناتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ انسان جذبات و تأثرات رکھتا ہے مشین کی طرح بے حس نہیں ہے، اپنے مطلب کے لیئے اِس طرح افراد انسانی کا میکانی استعمال فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا نہیں تو اور کیا ہے، ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بیجان اشیاء کی طرح انسان پر تجربات کرنا اور اِس سے مشینوں کی طرح ہمہ وقت اپنے حسب خواہش افعال سرزد کرانا ناممکن ہے، بیجان اشیاء کی تحقیق و تفتیش میں ہر تجربہ کا امکان ہے اور ان تجربات کی بناء پر عام کلیہ کا استقرار کیا جا سکتا ہے، مگر انسان کے طرز عمل کے متعلق اول تو تجربات ہی بہت دشوار ہیں، کیونکہ تجربات خاص خاص شرائط کی موجودگی چاہتے ہیں مگر انسان کے خیالات، جذبات، خواہشات، افعال یہ ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں، اگر بفرض محال تجربات ممکن بھی ہوں تو اون کی بناء پر جو اُصول قایم کیئے جاتے ہیں وہ مخصوص و محدود الاطلاق ہوتے ہیں، اون میں تعمیم نہیں ہوتی، فطرت انسانی کی تہ میں ہر وقت کوئی ایسا ناقابل تشخیص جوہر عمل کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے قطعیت کے ساتھ انسانی افعال کے متعلق حکم نہیں لگایا جا سکتا، یانی پر متعدد تجربات کرنے کے بعد ہم اِس نتیجہ کا استقصا کر سکتے ہیں کہ جب کبھی دو مقدار ہائیڈروجن ایک مقدار آکسیجن سے ملے گی، تو دو مقدار پانی بنے گا، لیکن کسی بچہ کو پریوں کی کہانیوں میں منہمک دیکھ کر تم قطعی طور پر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ جب کبھی پریوں کی کہانیاں بیان کیجائیں گی بچہ منہمک ہوگا، اپنے اِس کلیہ کے متعدد استثنا تم کو نظر آئیں گے، پس ترغیبات باطل کی بدولت دوسروں سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرانیکی کوشش کرنا اونکا آلہ کے طور پر استعمال کرنا یہ بہت بڑی غلطی ہے، اور ترغیب کا بہت بڑا نقص ہے،

غرضکہ ذہنی اعتبار سے دیکھو یا اخلاقی اعتبار سے باطل ترغیبات سے بچنے اور صحیح طور پر اوسے استعمال کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ انسانی شخصیت کا صحیح اندازہ لگایا جائے انفرادی اعتبار سے

جو فرق مختلف انسانوں میں ہے اوس کا لحاظ رکھا جائے، اور اِس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ مختلف انسان ایک ہی قسم کے مؤثرات سے مختلف طور پر متاثر ہوتے ہیں، اِسی کو دوسرے الفاظ مین یون کہو کہ ہماری جملہ ترغیبات کی بنا مدنی اور معاشرتی، جذبات اور وجدانات پر ہونا چاہیئے، نہ کہ ذاتی اور خود غرضانہ تأثرات پر، ہماری اجتماعی مساعی کی رُوح و رُوان یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ "قومی مفاد کے لئے شرکتِ عمل اور تعاون ناگزیر ہے" لیکن کن معنون مین؟ زمانہ موجودہ میں قومی خدمت کی ضرورت پر اِس قدر زور دیا جارہا ہے اور اہل اور نا اہل افراد اِس قدر شد و مد سے اِس پر اظہار خیال کر رہے ہین کہ "اندیشہ ہے کہ کہیں قومی خدمت کا مفہوم ہی سرے سے غلط نہ سمجھا جائے"، تنگ خیال مُبلغین اور متعصب قائدین کی تلقین کا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ لوگوں نے قومی خدمت سے یہ مراد لینا شروع کر دیا ہے کہ "ہمارا فرض ہے کہ ہر شخص کے معاملات سے متعارض ہون خواہ وہ غلط راستے پر ہو یا صحیح طریقہ پر، ہماری نصیحت کا محتاج ہو یا اوس سے بے نیاز" افسوس ہے کہ ہندوستان مین اکثر قومی یا سیاسی جماعتون کے رضاکار اسی طریقہ پر کار بند ہین، اِس مین شک نہین کہ اون کا یہ طرزِ عمل اون کے ایثار قومی کا ثبوت ہے، لیکن اخلاقیات نے ایثار کی بھی کچھ حدود مقرر کر دی ہیں، اگر ہم غور و خوض سے کام لیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم مین کا ہر ایک فرد اپنی علیحدہ دنیائے خیالات میں رہتا ہے اور یہ کہ دوسرون کے حالات اور صورتِ واقعات سے کما حقہٗ واقف ہونا تو درکنار ہم خود اپنے خیالات کا اندازہ غلط لگا جاتے ہین، اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم غیر ضروری تعارض سے باز رہینگے، قومی خدمت کی حدود لامتناہی نہین ہیں، اِس مین ہر شخص کا حصہ مقرر ہے، اصلی معنون میں قومی خدمت وہی ہو سکتی ہے جب بلا کسی تجسس و تفتیش کے ہمارے سامنے خدمت کے مواقع آئین، اپنی شاہراہِ عمل سے منحرف ہو کر دوسروں کی راہ کی تاک لگانا قومی خدمت کا حقیقی مفہوم ادا نہین کرتا،

اخلاقی اور عقلی

اعتبار سے صحیح ترغیب کا معیار تو ہم دیکھ چکے ترغیب کا صحیح استعمال منطقی نقطۂ نگاہ سے،

اب منطقی نظر سے اوسے دیکھنا باقی ہے یا د ہوگا کہ دوسرے باب مین ہم یہ ثابت کر چکے ہین کہ باطل ترغیبات مین استدلال یا کم از کم استدلال نما بحث پائی جاتی ہے، جب ہم کسی صورتِ حالات کو اپنے ذاتی تاثرات اور مفاد کی روشنی مین دیکھتے ہین یا اوس کا اندازہ کم و بیش ذاتیات سے کرتے ہین تو اُس صورت مین اپنے اِس عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیئے ہم کسی نہ کسی استدلال سے ضرور مدد لیتے ہین اِس کی کئی صورتین ممکن ہین، اپنے کسی ناجائز فعل کے جواز کے لیئے کبھی تم اون لوگون کی مثال ڈھونڈھتے ہو جو تمہارا سا فعل کر چکے ہین اور اِس طرح نظائر بتا کر اپنے گناہ کی شدت کم کرنا چاہتے ہو، کبھی اُن لوگون کے نام گنواتے ہو جنھون نے بالکل یہ ہی کام کیا لیکن دُنیا اون کو صالح ہی فرض کرتی رہی، کبھی اپنے دوست زید کی مثال پیش کرتے ہو کہ وہ مجھ سے بھی بدتر افعال کرتا ہے، کبھی اپنے فعل کا باعث واقعات کی پیچیدگی کو قرار دیتے ہو اور کبھی یہ کہتے ہو کہ "نیت تو صادق ہے" پھر افعال کے حسن و قبح کی تحقیق سے کیا حاصل، وغیرہ وغیرہ،

جس طرح ترغیبات باطل مین جذبات کی نیرنگیاں کم و بیش غیر شعوری اور ہمارے نفس و ادراک سے باہر ہوتی ہین، اس طرح سوء استدلال اور غلط طریقون سے اپنے افعال کا جواز یہ چیزین بھی ہمارے قبضۂ اختیار سے باہر اور غیر ارادی ہوتی ہین، اونکا مخرج بھی یہی غیر شعوری تحریکات ہین، بادی النظر مین تو اس قسم کے غیر ارادی استدلال اور شعوری استدلال مین کچھ فرق نہین معلوم ہوتا کیونکہ دونون مین یکسان طور پر تمثیلات اور تشبیہات کا وجود ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت اول الذکر ناکارہ و خام ہے، انسانی زندگی مین تعقل و استدلال کا کام یہ ہے کہ تجربات ماضی کو ترتیب کے ساتھ منتظم حیثیت مین محفوظ رکھے تاکہ اون کی روشنی مین ہم اپنے مستقبل کو درست کر سکیں اور اپنے آیندہ طرزِ عمل کو اپنے سابقہ تجربات پر منطبق کر کے اوس کی صحت یا غلطی سے واقف ہو جائین، گویا اِس اعتبار سے اِستدلال کا مدعائے اصلی، ہدایت، اور مستقبل کے لیئے شاہراہِ عمل کی فراہمی ہے، لیکن غیر شعوری اور غیر ارادی استدلال مین ہدایت کی یہ صلاحیت نہین پائی جاتی، اِسی لیئے حسن تشبیہات سے اوس مین کام لیا

جاتا ہے وہ ناقص اور قوت تمیز سے مُبّرا ہوتی ہین، چونکہ ان کی اساس غیر شعوری خواہشات وجذبات ہوتے ہیں، اِس لیئے وہ حقیقت سے دُور اور بعض وقت انتہا درجہ کی مضحکہ خیز ہوتی ہین،

جس کسی کو ہمارے مذکورہ بالا بیان کی صداقت مین شبہہ ہو، وہ خواب مین اِن بے ڈھنگی تشبیہون کے کرشمے اچھی طرح دیکھ سکتا ہے، نفسیّات جدیدہ مین خواب کے متعلق جو عظیم الشان لٹریچر فراہم ہوگیا ہے اوس کا ماحصل یہ ہے کہ "خواب مین انسان اپنی اِن آرزوؤن کو پورا کرتا ہے جو کسی وجہ سے زندگی مین پوری نہ ہوسکین" حالتِ خواب مین ہمارا شعورِ خفی، تشبیہات ونظائر باطل سے کام لیکر ہماری زندگی کی ناخوشگوار خواہشات کو کچھ عجیب جامہ پہناتا ہے، جن چیزون کو خواب کے آثار وعلامات کہا جاتا ہے وہ انہی تلبیسات کا نام ہے، مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی شخص **الف** کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ ایک شخص **ب** کو نقصان پہونچائے، لیکن **الف** کا ضمیر ہمہ وقت اوسے رُوکتا رہتا ہے، **الف** خواب دیکھتا ہے کہ ایک شخص نے اوس پر حملہ کیا اور اُس نے اوس شخص کو مار ڈالا ہے، اِس خواب کی تحلیل نفسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خواب والا دشمن وہی شخص **ب** ہی، دشمن کا لباس اس وجہ سے پہنا دیا گیا کہ اِس صورت میں اوسے مارنا **الف** کے ضمیر کے منافی نہین رہ جاتا گویا اِس طرح زندگی کی ایک ناتمام خواہش خواب میں پوری کی گئی، اِس مثال سے ہمارے شعور خفی کی باطل تشبیہ اور تمثیل کے طریقہ اچھی طرح واضح ہوجاتے ہین،

غیر شعوری تشبیہات کے یہ کرشمے صرف عالم خواب تک ہی محدود نہین ہین، بلکہ ہماری معمولی باطل اور پُر فریب ترغیبات میں بھی انکا عمل ہوتا رہتا ہے، خیالی پلاؤ پکانا بھی اِس قسم کی تے کی ترغیب ہے، غیر شعوری تحریکات کے جو خواص ہم کچھ صفحات ادھر بیان کر آئے ہین وہ اِس مین بھی پائے جاتے ہین، پہلی بات تو یہ کہ اس کی حیثیت خود غرضانہ اور غیر معاشری ہوتی ہی، جو شخص خیالی دنیا کی سیر میں مصروف رہتا ہے، وہ اپنی ذات کے سوا تمام دنیا سے تھوڑی دیر کے لیئے بے خبر ہوجاتا ہے، یہی حہ ہی

کہ خیالی پلاؤ جیسا کہ خود اُس کے نام سے ظاہر ہے اکثر مہمل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب تم نے اپنے آپ کو حقیقت اور واقعیت سے علٰحدہ کر لیا تو پھر تمھارے خیالات مہمل نہ ہوں تو اور کیا ہوں؟ غیر شعوری تحریکات کا دوسرا خاصّہ جو اس خیالی پلاؤ مین پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یا تو ناگوار خیالات پر رنگ آمیزی کرکے اون کی ہیئت کذائی کو چھپا لیا جاتا ہے، یا پھر سرے سے اونکا گذر ہی نہیں ہونے دیا جاتا ہے، تیسرا خاصّہ یعنی حُبِ اقتدار اور فوقیت کا میلان بھی خیالی پلاؤ میں بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے، ہم کبھی اپنے آپ کو حقیر تو دیکھتے ہی نہین، باطل ترغیبات مین بھی غیر شعوری تحریکات کے متذکرہ بالا خواص نظر آتے ہیں، غاصب اپنے غصب کو ہلکا کرنے کے لیئے بڑی بڑی سلطنتون کے غصب کی مثال پیش کرتا ہے کہ کسی معصوم شخص کو مجرم ثابت کرکے اور اوسکو سزا دلا کر ایک وکیل اپنے زعم مین خود کو سوسائٹی کا نجات دہندہ فرض کرتا ہے، اپنی رعایا مین حب الوطنی کا جوش اور دوسری قوموں کی جانب سے اون کے جذباتِ نفرت کو برانگیختہ کرنے کے لیئے قیصر جرمنی اپنے ملک کی تکالیف کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تکالیف سے مشابہت دیتے ہین، شیعہ و سنّی مسلمانون کے ہنگامہ کے بعد شیعہ حضرات اپنی مظلومیت اور دوسرے فرقہ کی طرف سے لوگون کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیئے اِس ہنگامہ کی تمثیل "کربلائے معلّٰی کے واقعۂ فاجعہ" سے کرتے ہیں، مذکورہ بالا اصلی اور فرضی مثالوں میں سے کسی ایک کو لو، تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ غلطی کی اصل وجہ قوتِ تمیز کی کمی اور غور و خوض، صحیح معائنہ و مقابلۂ واقعات کی ناقابلیت ہے، پس معلوم ہوا کہ ترغیبات کو صحیح نہج پر لانے اور انکا جائز استعمال کرنے کے لیئے صرف مختلف جذبات مین تمیز کرنا اور غیر شعوری خود غرضانہ تحریکات اور معاشرتی وجدانات کا فرق جاننا ہی ضروری نہین ہے، بلکہ تصوّرات اور تخیلات میں تمیز کرنا بھی ہمارا فرض ہے،

ہر قسم کے استدلالِ عقلی کی بنیاد اُصولِ تشبیہ و تمثیل پر ہے ہمارا ہر استدلال اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اوس کی اصطلاحات اور قضیون مین لازمی اور یقینی تناسب ہو، اگر مشابہت غیر تام اتفاقی اور ناقص ہو تو اوس کی بنا پر جو استدلال کیا جائیگا وہ بھی غلط ہی ہوگا،

غور کرو مثلاً تمھارا استدلال ہے کہ چونکہ تمام مادی اشیاء میں وزن ہوتا ہے اور ہوا بھی ایک مادی شے ہے اسلئے ہوا میں بھی وزن ہونا ضروری ہے اب اسی میں دیکھو کہ استدلال کی غلطی یا صحت اوس مشابہت پر منحصر ہے جو ہوا میں اور دیگر مادی اشیاء میں باعتبار مادیت پائی جائے، اگر ہوا میں اوسی قسم کی مادیت ہو جیسی کہ دیگر اشیاء مین تو تمھارا استدلال صحیح ہو ورنہ نہیں، کیونکہ اس صورت مین مقدمہ صغریٰ ہی ناقص ہوا جاتا ہے، سو استدلال کی کسی قسم کو لو، تم دیکھو گے کہ اس مین غلطی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تمھاری قوت تمیز نے غلطی کی یا یہ کہ تم نے تبویب (اصطلاح Classification) مین غلطی کی یعنی کسی مجموعہ حالات کو ایسے عنوان کے تحت مین رکھا جس مین وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے شامل نہیں ہو سکتا تھا، ہر غلطی مین یہی ہوتا ہے جب مین غلط استدلال کرتا ہوں یا غلط نتیجہ اخذ کرتا ہون تو اوسکا باعث یہی ہے کہ مین اپنے خیال مین صورت حالات کو کچھ اور سمجھتا ہوں اور فی الحقیقت یہ اوس سے مختلف ہے، پس منطقی نقطۂ نگاہ سے ترغیب کے جائز استعمال کی شرط یہ ہے کہ ہم واقعات و حالات کو صحیح روشنی مین دیکھین تبویب مین غلطی نہ کریں اور غلط تشبیہات کے دھوکہ مین نہ آئین،

خلاصہ، **مختصر یہ کہ** جسے ہم حقیقی اور جائز معنون مین ترغیب کہہ سکتے ہین وہ ایک خود شعوری عمل ہے جس مین ذہن تخیل اور جذبات باہم مخلوط ہوتے ہین اور یہ اختلاط غیر شعوری تحریکات کا نتیجہ نہین ہوتا بلکہ اس کی بنا صورت حالات کے صحیح ذہنی درک پر ہوتی ہے صحیح اور جائز ترغیب مین صرف انہی استنباطات، تخیلات، اور تشبیہات سے کام لیا جاتا ہے، اور صرف وہی جذبات برانگیختہ کیے جاتے ہین جو بالاصل صورت زیر بحث کی تحت آئین، برخلاف اسکے ترغیبات باطل مین تخیلہ، ذہن اور استدلال کا عمل مصنوعی اور غیر ارادی ہوتا ہے اور صورت حالات سے تطابق لازمی نہین خیال کیا جاتا، اپنا مقصد مافی الضمیر حاصل کرنے کے لیئے یا کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیئے ہم غلط منطق سے کام لیتے ہیں، اپنے تخیل کو ناجائز طور پر اُکساتے ہین اور جلد از جلد اپنا مقصد حاصل کرنے کی نیت سے

ایسے جذبات کو اشتعال دیتے ہین جو اگرچہ حصول مقصد میں ہمارے معین تو ضرور ہوتے ہین لیکن اِن نقصانات سے
دیکھو تو اون مین اور صورت زیر بحث مین کوئی رشتہ نہین ہوتا، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص ترغیب مین زیادہ
خامیان عنصر ذہنی کی وجہ سے ہون اور تخیلی اور جدی نقطۂ نگاہ سے وہ غلط نہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ
کہ ایک قسم کی غلطی دوسری غلطیون کو بھی مستلزم ہے، جذبات، تخیل، اور ذہن ایک دوسرے کو مدد دیتے رہتے
ہین، ایک دوسرے کی ہدایت اور ایک دوسرے کے ساتھ شرکت عمل بھی کرتے ہین، جائز ترغیبات مین یہ
تینون شعور داراده کے اختیار مین رہکر ہم آہنگی سے کام کرتے ہین، ترغیبات باطل مین بھی یہی تینون عمل پیرا
ہوتے ہین لیکن اِس صورت مین انکا عمل خارج از اختیار و اراده ہوتا ہے اور اس کا مقصد محض ایک
مقررہ حد تک ہم کو لیجانا ہوتا ہے، صحیح اور باطل ترغیبات میں مابہ لامتیاز یہی ہے، ورنہ بلحاظ عناصر ترکیبیہ
یہ دونون ایک ہی ہین،

باب پنجم

ترغیبِ خاموش

ترغیبات غیر لفظی اور اون کے اقسام، اشارات، سطوت، شخصیت، موسیقی، نقاشی، بائسکوپ وغیرہ کے ذریعہ سے ترغیب، انکے صحیح یا فریب دہ اثرات سے بحث،

ترغیب خاموش اور اوسکے طریقے،

ابتک ہم نے عملِ ترغیب کی نفسیاتی تشریح کی ہے، باطل ترغیبات کے طریقے، خود فریبیان، اجتماعی ترغیبات کے نقصائص، ترغیبات کو صحیح نہج پر استعمال کرنے کے وسائل، یہ سب ہماری بحث کا مرکز رہے ہین، اب ترغیب کے اقسام سے بحث کرکے ہم یہ دیکھینگے کہ وہ کون سے مختلف ذرائع ہین جن کے ذریعہ آدمی خود اپنے نفوس کو یا دوسرون کو ترغیب دیتا ہے،

عرف عام مین ترغیب سے مراد تحریری یا تقریری ترغیب لی جاتی ہے، یعنی یا تو کوئی مقرر زبانی دلائل کی رُو سے دوسرون کو کسی فعل کرنے پر راغب کرے یا پھر واسطۂ تحریر سے یہ مقصد حاصل کیا جائے لیکن ان کے علاوہ ایک اور طریقۂ ترغیب بھی ہے جس مین الفاظ سے خواہ زبانی ہون یا معرضِ تحریر مین لائے جائین، ترغیب کا کام نہین لیا جاتا بلکہ خاموش طریقہ پر لوگون کو متاثر

کیا جاتا ہے، اِس باب مین اسی سے بحث کی جائیگی،

بادی النظر مین لوگون کو ترغیب خاموش کا تصور قائم کرنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑے ہی غور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فی الحقیقت خاموش رہ کر بھی انسانون کے قلوب کو متأثر کیا جاسکتا ہی، اور ان کو کسی خاص فعل کے کرنے کی ترغیب دیجاسکتی ہی، آنکھون کے اشارون سے جو کام لیا جاسکتا ہے، وہ بعض اوقات فصیح و بلیغ تقریرون سے بھی نہین ہوتا، خاموشی مین جو گویائی ہوتی ہوتی ہی اوس سے شاعر برابر بحث کرتے رہے ہین، فطرت کے خاموش مناظر دلون کو جس طرح متأثر کرتے ہین، وہ ہر فطرت پسند شخص جانتا ہے، سعدیؒ آج سے بہت پہلے اِسی خاموش ترغیب کی طرف اشارہ کر گئے ہین ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار　　ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اگر تم نے کسی جادو بیان مقرر کو تقریر کرتے سُنا ہے، تو تمھیں معلوم ہوا ہوگا کہ الفاظ تو جس طرح تیر و نشتر بنکر دل مین اُترتے ہین، وہ تو خیر ہے ہی لیکن اسکی آواز، حرکات و سکنات، اشارات، شکل و صورت، سطوت شخصیت کا بھی عجیب اثر ہوتا ہے، اگر تم کبھی بائسکوپ گئے ہو، اور وہان سے کسی خیال کو دل مین لئے ہوئے باہر آئے ہو تو تمھین اندازہ ہوا ہوگا کہ بغیر الفاظ کی وساطت کے صرف تصاویر کے ذریعہ سے بھی لوگون کے خیالات پر قابو پانا ممکن ہے، اور فی الحقیقت موجودہ زمانہ مین بائیسکوپ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بہت بڑے پیمانہ پر اور کامیابی کے ساتھ لیا جاسکتا ہے، یہ سب ترغیب خاموش کے اثر کا پتہ دیتے ہین اور جن ذرائع سے بغیر الفاظ کے ترغیب دی جاسکتی ہے وہ یہ ہین، اشارات، سطوت شخصیت، موسیقی، نقاشی، بائسکوپ وغیرہ،

استارات، | **اشارات** تقریبًا ہر تقریر مین پائے جاتے ہین، تفہیم کے لیئے ہاتھون سے اشارہ کرنا، لوگون کو متوجہ کرنے کے لئے جسم کا اون کی طرف جھکانا، جوش کے مواقع پر مٹھیان بند کرکے

زور سے ہاتھوں کو ہلانا، سر کی جنبش، قہقہہ یا تبسم، اِن سب کا وجود تقریرون میں برابر ہوتا ہے، مولوی وحید الدین صاحب سلیم نے اپنی نادر تصنیف "وضع اصطلاحات" مین الفاظ کی ابتدا سے بحث کرتے وقت ضمناً اشارون کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ الفاظ کی کمی کو پورا کرتے ہین، اِس مین شک نہین کہ ادائے مطلب سے قاصر رہ کر لوگ اشارون کا استعمال کرنے لگتے ہیں پھر بھی اون کے اِس خیال کو کلیہ کی حیثیت نہیں دیجا سکتی، الفاظ کی کمی کے علاوہ، اور مواقع پر بھی (جو ہم اوپر بتا چکے ہیں) اشارات کام مین لائے جاتے ہین، زمانۂ قدیم سے فن خطابت مین اشارون کے استعمال پر بھی زور دیا جا رہا ہے، اور آج بھی جہان کہین اِس فن کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے وہاں انتخابِ الفاظ، آواز کے اوتار چڑھاؤ کے ساتھ ہی ساتھ اشارون کے استعمال کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے،

یون تو کم وبیش ہر شخص دوران تقریر مین حرکات وسکنات، جنبش اعضا، تعبیر خط و خال سے کام لیتا ہے، لیکن ترغیب میں اُس کا استعمال مختلف قومون میں، مختلف مقدار مین ہوتا ہے، لاطینی اقوام مین اِس کا ظہور بہت کچھ دیکھنے میں آتا ہے، رومۃ الکبریٰ، اور یونان کے قدیم مشہور خطیب اِس طریقہ سے بہت کچھ کام لیتے تھے، گرجوں میں جو مذہبی وعظ ہوتے ہین اون مین آج بھی بہت کچھ اشارات سے ادائے مطلب، اور تائید کا کام لیا جاتا ہے، مشرقی اقوام مین بھی اِس کا اثر بہت کچھ پایا جاتا ہے، ہندوستان مین خاصکر بنگالی مقررون مین، تعبیر لحن اور ہاتھوں کی جنبش وغیرہ سے سامعین کو متأثر کرنے کا بہت کچھ ملکہ ہوتا ہے، سکسنی اقوام میں یہ بات ذرا کم پائی جاتی ہے، انگریز اور بہت سے جدید خیال کے ہندوستانی بھی اشارات کے قصداً استعمال کو مذموم خیال کرتے ہین، سردست اِس سے بحث منظور نہین کہ یہ طریقہ کہانتک پسندیدہ ہے، جو کچھ دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت آلۂ ترغیب اِس کا اثر کتنا ہوتا ہے،

فرانس کے ایک ظالم بادشاہ وقت کا جنازہ رکھا ہوا ہے، گرجا میں سناٹا چھایا ہوا ہے،
ہر شخص سیاہ لباس میں ملبوس گردن جھکائے بیٹھا ہے، بہت سے قلوب اندر ہی اندر اس بدکردار
کی موت پر خوش ہو رہے ہیں، یہ لوگ کسی ہمدردی کی بنا پر نہیں بلکہ سلطنت کے قانون سے مجبور ہو کر
نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہیں، اتنے میں ایک بلند قامت شخص منبر کے پاس جا کر کھڑا ہوتا ہے
اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد یہ شخص بہت دھیمی آواز میں رُک رُک کر انجیل سے ذیل کی عبارت پڑھتا ہے،

"میری حیثیت آج دنیا میں بہت ممتاز ہے، جتنے لوگ بیت المقدس میں گزرے ہیں،
ان میں سے کوئی ثروت و شوکت، جاہ و جلال، شان و شکوہ میں مجھ سے زیادہ نہ تھا، لیکن آہ! مجھ پر ایک
حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے، کہ دنیا میں عجب بیجا، اور ایذائے روحانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں .. "

عبارت پڑھی جا چکی، خطیب نے کتاب بند کر دی لوگ منتظر ہیں کہ اب کیا کہنے والا ہے، مگر یہ ہی
کہ سر جھکائے، آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کی عبارت نے
اس کے خیالات میں کوئی خاص ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہ اندر ہی اندر اپنے جذبات سے برسر پیکار ہے
کچھ لوگ اس کی خاموشی پر متعجب ہیں، بعض اس کی ظاہری حالت سے متأثر ہوئے ہیں، دو چار
کے سینوں سے دبی ہوئی آہ نکلی، مگر متوجہ سب ہیں خطیب نے سر اُٹھایا گرد و پیش نظر ڈالی، مگر فوراً
ہٹا بھی لی، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ان سیاہ پوش ماتمیوں کے نظارہ نے اس کے دل پر کوئی خاص اثر
کیا، اب آہستہ آہستہ اس کی نظریں گرجا کی چار دیواری پر پھر رہی ہیں، جہاں چاروں طرف بتاہاں
سلف کے اسلحہ آویزاں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس منظر نے اسے اور بھی زیادہ متأثر کر دیا ہے، اس نے
مجمع کی طرف نیم باز آنکھوں سے دیکھا، ہونٹھوں کو جنبش ہوئی اور آہ میں ملے جلے کچھ الفاظ سنائی دیے

"بھائیو! انسان خاک کا پتلا ہے، سب بزرگی خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے"

اس مجمع میں ایک عام بے چینی، اور اضطراب پایا جاتا ہے، غور سے دیکھا تو بادشاہ کے خاص مخالفین کی

آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے ہیں،

(۲) **علی گڈھ** کالج کے اسٹریچی ہال مین طلبا جمع ہیں، ایک مشہور پرنسپل رخصت ہو رہا ہی اور اس نے الوداع کہنے کے لیے طلبا کو بلوایا ہی، مختلف حلقون مین مختلف رایوں کا اظہار کیا جا رہا ہی ایک کثیر جماعت اِس موقع پر خوش نظر آتی ہی، کچھ دل ایسے بھی ہین جو مغموم ہین، ہال مین خاموشی چھا گئی پرنسپل پشت کے دروازہ سے داخل ہو کر چبوترے پر کھڑا ہوتا ہی، پیشانی سے پسینہ خشک کر کے مجمع پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہی، عجب عالم سکوت ہی، اب اوس کی نظرین ہال کی دیوارون پر بھٹک رہی ہین، بانی کالج کی تصویر سے ہٹکر اب یہ دیوار کے اوس حصہ پر جمی ہوئی ہیں جہان مخیر معاونین کالج کے نام تیجر پر کندہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل ہی دل میں اِن تیرہ سال کے خاموش ساتھیوں کو الوداع کہہ رہا ہے، تقریبًا پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد وہ طلبا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مغموم آواز مین یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں،

" عزیز شاگردو! میں نے تم کو . "

جذبات کا تلاطم، آواز میں گرفتگی پیدا کر دیتا ہی، اور بہت جلد "خدا حافظ" کہکر پرنسپل ہال سے چلا جاتا ہے مجمع میں اب دوسری ہی کیفیت ہی، ہم نے اپنے کانوں سے سُنا کہ وہی لوگ جو پہلے اظہار مخالفت میں بلند آہنگ تھے، اب اظہار تاسف میں رطب اللسان ہیں،

مذکورۂ بالا مثالوں مین اگرچہ اشارون سے بہت زیادہ کام نہیں لیا گیا، پھر بھی تغیّر لحن، اور خود سکوت، آلۂ ترغیب ثابت ہوئے، کچھ لوگ اِن چیزوں کو بھی پسندیدہ نظرون سے نہیں دیکھتے، اسلیئے کہ اِن مین اکثر اوقات تصنع کی بو آتی ہی، مثلاً پہلی مثال میں خطیب کے اشارات پر تصنع کا الزام اِس بنا پر لگایا جا سکتا ہی کہ ایک جابر بادشاہ کے انتقال کے موقع پر کسی مذہبی رہنما کا اِس قدر اظہار تاسف کیا معنی رکھتا ہے؟، اظہار ملال حقیقی ہو یا مصنوعی تاہم اعتراض کرتے وقت ایک ور

بات کا بھی خیال رکھنا چاہئیے، اور وہ یہ کہ خطابیات کے طریقے مختلف قوموں مین، بلکہ خود ایک ہی قوم
مین بلحاظ اختلاف زمانہ مختلف ہوتے ہیں،

باموقع اشارات سے جو کام لیا جاسکتا ہے، اور سامعین کے افعال کو جس حد تک متاثر
کیاجاسکتا ہی، اس کی مثال ذیل کے واقعہ سے ملتی ہی، جو ۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو دارالعوام انگلستان مین پیش
آیا، آئرلینڈ کے ہوم رول بل پر مباحثہ ہو رہا تھا، طرفین میں بہت کچھ جوش تھا، مسٹر جان ریڈمنڈ تقریر
کر رہے تھے، اور اپنی تقریر کا خاتمہ اونھوں نے اس طرح کیا،

"معہ کچھ مباحثہ آج ہوا ہی، اوسے آپ سب اصحاب سُن چکے ہیں مجھے صرف اسی قدر کہنا
ہے کہ اس بحث ومباحثہ سے کوئی مزید فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں، جو اصحاب میرے ہم خیال ہوں
اون سے میری او ؐبانہ درخواست ہی کہ اس بیکار گفتگو میں تضیع وقت نہ کریں، اور ارکین دارالعوام کو
مطلق العنان چھوڑ دین تاکہ جو کچھ اون کا جی چاہے قرار داد کا حشر کریں، چونکہ یہاں ٹھہرنا موجب
ذلت وتوہین ہی لہذا میرے ہمخیال اصحاب فوراً اٹھ کھڑے ہوں، اور میرے ساتھ چلکر باہمی مشاورت
سے آیندہ طرز عمل کے متعلق کوئی رائے قائم کریں"،

جس اخبار سے مذکورۂ بالا اقتباس لیا گیا ہے، وہ آگے چلکر لکھتا ہے۔

"یہ الفاظ مسٹر ریڈمنڈ نے بہت جوش وخروش سے کہے، قومیت پسندوں میں بہت کچھ جوش تھا
مسٹر ریڈمنڈ کی تائید میں برابر تالیاں بجائی جارہی تھیں، جوں ہی کہ مقرر ہال سے اُٹھا، تمام قومیت
پسند جماعت ایک ساتھ اوٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جاتے جاتے سرکاری ممبروں پر سخت طعن وتشنیع
کی بوچھار کرتی گئی، نظارہ عجیب وغریب تھا، تمام سیاسی حلقوں میں اس سے سنسنی پھیل گئی"،

اس موقع پر دیکھو کہ حرکات وسکنات کتنی باموقع تھیں، غصہ میں بات کرتے کرتے یکایک
اوٹھ کر چلے جانا بالکل فطرت انسانی ہے، مسٹر ریڈمنڈ کا یہ فعل اضطراری تھا، اور اون کے جذبات کا صحیح

منظر، اِس سے ہم انکار نہین کر سکتے کہ بعض اوقات اشارات، حرکات و سکنات سراسر مصنوعی بھی ہوتے
ہیں، اُنکا اظہار صداقت پر مبنی نہین ہوتا، بلکہ سامعین کو متاثر کرنے کے لیئے ایکٹروں کی طرح بالقصد تصنع سے
کام لیا جاتا ہی، بعض اوقات حرکات و سکنات اضطراری اور فطری تو ہوتی ہین، لیکن پھر بھی اون کو مستحسن
نہین کہا جا سکتا، اِس کی وجہ یہ ہی کہ جس طرح ہر ترغیب کی با جذبہ ہی، لیکن جذبہ فریب آمیز بھی ہوتا ہے،
اوسی طرح سے حرکات و سکنات جذبات کے جسمانی مظاہر ہین، اور فریب آمیز جذبات کے مظاہرات
بھی فریب آمیز ہوتے ہین، خواہ وہ اضطراری ہون یا مصنوعی، شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ حرکات
و سکنات مصنوعی کیسے ہو سکتی ہین، اِس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو مقرر کے دل میں جذبات کا سرے سے
وجود ہی نہو، لیکن پھر بھی دھوکہ دینے کے لیئے ایسی حرکات کیجائیں، جن سے معلوم ہو کہ فی الواقع اوس کے
دِل پر کوئی جذبہ طاری ہی، مثلاً بناوٹ کی ہنسی، یا دھوکہ دینے کے لیئے زور سے ہاتھ ہلانا، تاکہ لوگون کو اپنے
جذبۂ غضب کا یقین دلایا جائے، دوسری صورت وہی ہے جو اِس سے قبل بیان کی جا چکی ہی، یعنی حرکات کا
اضطراری ہونا، جذبات کے حرکی لواحقات کے طور پر اُن کا ظاہر ہونا، لیکن خود اِن جذبات کا فریب
آمیز ہونا، شق اوّل میں ترغیب کی فریب دہی پائی جاتی ہے، مثلاً فرض کرو کہ مین کسی ایسے مجمع کے روبرو
تقریر کر رہا ہوں جو میرے مزعومہ نقطۂ خیال کا حامی ہے، یاد رہے کہ میرا نقطۂ خیال صرف مزعومہ ہے،
اور میرے الفاظ میرے دل کے ترجمان نہین، مگر سامعین میری اصلی رائے سے ناواقف ہین، اگر اونکو
شرارۃً غیظ و غضب پر آمادہ کرنا میرا مقصد ہو تو میں بہت آسانی سے اون کو اس کی ترغیب دے
سکتا ہوں، مثلاً دانت بند کر کے الفاظ کا ادا کرنا، ہاتھوں سے اِس طرح اشارے کرنا جیسے مین کسی کو مار
رہا ہوں، اگر اِتفاق سے مخالف فریق کا کوئی رکن اِدھر سے جا رہا ہو، تو مجمع کو برانگیختہ کرنے کا آسان طریقہ
یہ ہے کہ میں اوس کے پیچھے دوڑوں، میرے ساتھ ہی سب سامعین بھی دوڑیں گے، اور یقیناً بلوہ کی
صورت رونما ہو جائیگی، جن لوگوں نے مولانا شرر کے ناول "زوال بغداد" کا مطالعہ کیا ہے، اون کو کتاب

کتاب میں طقطقی اور شقشقی کی رعیانہ تقریروں میں حرکات وسکنات کے یہ مضر اثرات کثرت سے نظر آئیں گے
ہڑتالوں میں جو بلوے عام طور پر ہوتے ہیں اون سے بھی اِس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے، اکثر ایسے مواقع پر
بعض شریر النفس لوگ ایک پتھر کارخانہ کی دیوار پر مارتے ہیں اور فی الفور پورا مجمع سنگ باری کرتا ہوا
نظر آتا ہے، ڈھاکہ میں عدم موالاتیوں کے جلوس میں اِس قسم کا واقعہ راقم کا چشم دید ہے، صرف ایک
تماشائی کی تقلید میں مجمع نے پولیس کی چوکی پر پتھر پھینکنا شروع کر دیا اور عام بلوے کی نوبت آگئی، کچھ
گولیاں بھی چلیں، شق دوم میں خود فریبی کا حل ہے،

مذکورۂ بالا مثالیں، اور بالخصوص آخری واقعہ پڑھکر کسی کو یہ ماننے میں تامل ہوگا کہ
مصنوعی اشاروں سے کام لیکر (جو محض فریب دہی کے لیے کیے جاتے ہیں) سامعین کو جبر و تشدد یا کسی
اور عمل کی ترغیب دینا دشوار نہیں ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی حرکات وسکنات
ہیں جن کا استعمال ترغیب میں جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اشارات بموقع ہوں، مقرر کے اصلی
جذبات کی ترجمانی کرتے ہوں، اور اوس کی شخصیت کے مطابق ہوں تو جائز ہیں، ورنہ نہیں، غرضکہ
اشارات، الفاظ اور مقرر کی شخصیت، اِن تینوں میں باہمی مناسبت اور ربط کا ہونا ضروری ہے،
اگر مقرر ایسے حرکات وسکنات سرزد کر رہا ہے، جن کا الفاظ تقریر، اور نوعیت تقریر سے کوئی علاقہ
ہی نہیں، تو یقین مانو کہ اوس کی نیت دھوکہ دہی کی ہے، مثلاً درستی عقائد پر وعظ دیتے وقت اگر کوئی
مقرر پاؤں پٹکے، یا زور سے ہاتھوں کو جنبش دے، تو یہ حرکات یقیناً باطل ہونگے، کیونکہ نوعیت مضمون کو
اِس قسم کے اظہار جوش وخروش سے کوئی علاقہ ہی نہیں ہے، اِسی طرح سے اگر میرے حرکات وسکنات
میری شخصیت سے متناقض ہیں، تو یہ بھی مصنوعی اور فریب دہ ہیں، اگر ایک بے ریش و بروت نوجوان
دورانِ تقریر میں مقدس بزرگوں کی طرح اپنے بے ریش چہرہ پر ہاتھ پھیرے، یا کوئی متین، سنجیدہ، بزرگ
صورت مقرر دوران تقریر میں عامیانہ حرکات سے کام لے تو دونوں صورتوں میں حرکات وسکنات

لازماً جھوٹے مظاہرات ہیں،

مختصر یہ کہ اگر سامعین احتیاط سے مقرر کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کریں، تو وہ دھوکے مین نہیں آسکتے، لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ اثر پذیری کی بدولت قوت تمیز معطل ہوجاتی ہے، حرکات کا مطابق فطرت، یا مظہر جذبات ہونا نہیں دیکھا جاتا اور خصوصاً ادنی طبقے کے مجمعون مین اسقدر جوش و خروش پیدا ہوجاتا ہے جس سے اتلاف جان تک کی نوبت آتی ہے، منطق تجسس اور استدلال سب رخصت ہوجاتے ہین ؎

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند　　　نکتہ ہا ہست بسے، محرم اسرار کجاست؟

سطوت، **ترغیب کی** کامیابی کا شہرت اور سطوت، پر بھی ایک بڑی حد تک انحصار ہے مشہور مقررون کی تقریرین خاص انہماک سے سُنی جاتی ہین، اسی طرح سے مشہور مصنفون کی تصانیف بھی لوگ خاص دلچسپی لیتے ہین، اگر ایک ہی قابلیت کے دو مقرر ہون، اون مین سے ایک کو سطوت تقریر حاصل ہوچکی ہو اور دوسرے کے پاس سوائے ذاتی قابلیت کے اور کوئی طغرائے امتیاز نہو، تو اوس صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ اول الذکر کی باتون پر جو توجہ کی جاتی ہے، دوسرے کو اوس کا نصف حصّہ بھی نصیب نہیں ہوتا، اِس مثال سے معلوم ہوا ہوگا کہ سطوت بھی بجملہ دیگر غیر عقلی عناصر ترغیب کے ہے، کسی فرد کو کسی خاص سطوت، کا حاصل ہونا، اوس میں اون صفات کے وجود کو مستلزم نہیں ہے، جس کی سطوت، اُسے حاصل ہے، سطوت کا انحصار افراد کی اثر پذیری پر ہوتا ہے اور اثر پذیری ایک جذباتی عمل ہے،

عام طور پر سطوت، کو ایک فطری اور ذہنی شے سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہم نے اکثر حضرات کو سطوت ذاتی بھی استعمال کرتے دیکھا ہے، غور کرو تو یہ الفاظ اجتماع ضدین معلوم ہوتے ہین، سطوت حاصل ہوتی ہے، لوگوں کی طرف سے ملتی ہے، خاندانی تعلقات، دولت، ثروت اور مرتبہ کی وجہ سے بھی پیدا ہوجاتی ہے، لیکن فطری کبھی نہیں ہوتی، جو حضرات اسے فطری کہتے ہیں وہ سطوت اور شخصیت

یں کوئی فرق نہیں دیکھتے، حالانکہ یہ دونوں علحدہ چیزیں ہیں، اس سے شخصیت کے تحت میں بحث کیجائیگی،

اپنے گرد وپیش نظر ڈالو، تم دیکھوگے کہ اگرچہ کبھی کبھی سطوت محض دھوکا اور نمایش نہیں

بلکہ حقیقی بھی ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات جس چیز کو سطوت، سے تعبیر کیا جاتا ہے، اوس کی اصلیت

سوائے نمایش کے اور کچھ نہین ہوتی، اگر زید کو سطوت اخلاقی حاصل ہے تو اوس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ اخلاق زید کی خصلت بھی ہے، زمانہ کا قاعدہ ہو کہ اگر کوئی شخص بظاہر آثار مروجہ معیار اخلاق پر

پورا اوترے، دیکھنے والوں کی موجودگی مین بہت متانت اور وقار کے ساتھ چلے، بدنام صحبتوں مین

شریک ہو، قابل اعتراض مقامات پر دیکھا نہ جائے، تو اوس کے اخلاق کی شہرت ہو جاتی ہو لیکن اوسکی

سطوتِ اخلاق، اوس کی صفات اخلاقی کی دلیل نہیں ہے،

سطوت اخلاقی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ ہر قسم کی سطوت پر صادق آتا ہو تاریخ

مین اِس کی مثالین بکثرت ملتی ہیں، بڑے بڑے پارسا حضرات جن کے تقدس کی دُور دُور تک شہرت

تھی، جب اِن کا نقلی جامۂ پارسائی چاک ہوا، تو کیا کچھ داغ سیہ کاری دیکھنے میں نہین آئے، دور اکبری

کا مشہور عالم مفتی قاضی مخدوم الملک جو ایک عرصہ تک ہندوستان کی مسند شیخ الاسلامی پر بھی متمکن

رہ چکا تھا، اور جس کی پابندی شریعت کی ایک دنیا مداح تھی، اِسی مخدوم الملک کی جب حقیقت کھُلی تو

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غصب کا مال خاندانی قبرستان سے نکلا، اور لوگوں نے حیرت و استعجاب سے

سُنا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیئے یہ مفتی شریعت، ہر سال اپنا مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتا تھا، اور وہ سال ختم ہونے

سے پہلے ہی اوس کے نام بخش دیتی تھی، تاکہ اوسے زکوٰۃ کی شرط "حول کامل" نہ پوری ہونے پائے، کون

انکار کر سکتا ہو کہ مخدوم الملک کو سطوت پارسائی حاصل نہ تھی، لیکن کیا فی الحقیقت وہ پارسا بھی تھا؟

ہمارے زمانہ میں اگر اسمبلی کا کوئی رُکن بظاہر منطقی دلائل سے کام لیتا ہوا نظر آئے، وراں

تقریر میں صحت لفظی کا بہت خیال رکھے، منطق نما پیرایۂ تقریر اختیار کرے، تو تمام ملک اس کی تیزی فکر،

تدبیر اور استدلال کا قائل ہوجاتا ہے، حالانکہ بہت ممکن ہو کہ ع

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

کا مقولہ ہمارے دوست کی شان میں انکسار کی بجائے حقیقت ہو،

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جن صفات کی موجودگی کو سلائے سطوت فرض کیا جاتا ہے، وہ اکثر اوقات ذاتی یا شخصی نہیں ہوتیں بلکہ اضافی، یا مصنوعی ہوتی ہیں، ترغیب دہندہ کی ثروت، اور خاندانی وجاہت اوس کی ترغیب کی کامیابی میں جو حصہ لیتی ہے وہ روزانہ اخبارات سے ظاہر ہے، یہ جو ہم آئے دن سُنا کرتے ہیں کہ فلاں کتبخانہ، اسپتال، یا مدرسہ کا افتتاح فلاں خطاب یافتہ شخص نے کیا، اس کی وجہ کیا ہے محض یہی کہ اِن عمارتوں کے بانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اِن "معزز" افراد کے انتساب سے عوام الناس بھی اون کی جانب ملتفت ہونگے، اس سے بحث نہیں کہ سطوت خاندانی یا سطوت تمول کا اثر ترغیب پر کم ہوتا ہے یا زیادہ، سوال یہ ہے کہ یہ دونوں کسی حد تک ترغیب میں بطور رسد قبول کیے جاسکتے ہیں، ظاہر ہے کہ تمول دوسری باتوں کے لیئے "طغرائے امتیاز" نہیں ہوسکتا، اور نہ کسی فرد کا کسی خاندان سے انتساب اوس کے ذاتی محاسن و معائب کا اصلی مظہر ہے، وصف اضافی "ہنر ذات" نہیں ہے، و ما احسن قول العرفی؂

این فتوی ہمت بود ارباب ہمم را	اما بود وصف اضافی ہنر ذات
ہر چند ہوا عطر دہد قوت شمم را	وصف گل و ریحان بہوا باز نہ گردد

سطوت کے اثر سے مرعوب ہوجانیکی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کی "اثر آفرینی" بھی جذبات اور نیم شعوری تحریکات کی طرح غیر عقلی ہوتی ہے کسی قسم کی سطوت کو لو، اوس کا مدار زیادہ تر مصنوعات اور نمایش پر نظر آئے گا، بادشاہوں کا جاہ و جلال اور شہزادوں کا دبدبہ اون کے درباروں کی آرایش کی وجہ سے قائم ہے، یا خاندانی روایات پر منحصر ہے، مدبرانِ سلطنت کا رعب داب، اون کے تحکم اور اقتدار کے سبب سے ہوتا ہے، افسرانِ فوج کی شان، اون کی وردیوں سے ہوتی ہے، اون

صورتوں کے علاوہ جہاں سطوت کے ساتھ شخصیت کا اثر بھی شریک ہو، اور عملی مثالیں لو گے اون مین سطوت کی بنا حقیقت، اور استدلال پر بہت کم نظر آئیگی، ضرورت ہے کہ سطوت کا موجودہ معیار بدلا جائے، یا کم از کم کسی اثر مین آکر لوگ اپنے اعمال کو نہ بدلین، سطوت کی بنا لوازمات اور مصنوعات نہین بلکہ اخلاقی، حقیقی و ذاتی صفات پر ہونا چاہیے "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"، اور "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" کے زرین مقولوں مین اسلام نے اسی ضرورت کو واضح کیا ہے،

شخصیت، | عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ سطوت اور شخصیت مرادف الفاظ ہیں، ہم اس غلطی کی طرف سطوت سے بحث کرتے وقت اشارہ کر چکے، سطوت یا دھاک اور شخصیت یا نفوذ مین سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر وہبی و فطری ہوتی ہے اور ذاتی صفات عالیہ پر منحصر ہوتی ہے، حالانکہ اول الذکر اکتسابی ہے، اس کا وجود کسی صفت عالیہ کے وجود کو مستلزم نہین ہے، مختصر یہ کہ سطوت کو اگر چاہو تو نفوذ مکتسب للتہ کہہ سکتے ہو، لیکن شخصیت کا اطلاق اس پر ہرگز نہین ہو سکتا، اس مین شک نہین کہ لوگون کا ان دونون باتوں سے مرعوب ہو جانا غیر عقلی فعل ہے، اور تعدیہ اثر کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سطوت کا اثر شخصیت کے مقابلہ مین کہین زیادہ غیر عقلی ہوا کرتا ہے، ایسے لوگون کی ترغیب جن کی سطوت کی بنیاد خاندانی حیثیت، تمول، حکومت یا اور کوئی اضافی وصف ہے کیون کارگر ثابت ہوتی ہے؟ مذکورہ بالا صورت میں تعدیہ اثر جذبی عمل ہے، اگر نفوذ ذاتی اور شخصیت کا لحاظ کیا جاتا تو ترغیب کو قبول نہ کیا جاتا، گویا کہ ترغیب کو قبول کرنا محض اسی وجہ سے ہے کہ ترغیب دہندہ کا رعب "غیر ذاتی، اور غیر شخصی" ہے، اخبارات کی ترغیب کیوں کامیاب ہوتی ہے؟ قوانین پارلیمنٹ ضابطۂ عدالت، احکام دار القضاۃ لوگون کے دل میں ایک قسم کی ہیبت اور رعب کیون پیدا کرتے ہین؟ وجہ یہ ہے کہ ان قوانین و احکام مین سطوت کا اثر ہے، کسی فرد یا افراد کی شخصیت کا لگاؤ نہیں پایا جاتا، چونکہ لوگ اُن ذاتوں کا تشخص اور تعین نہیں کر سکتے، جو پس پردہ عامل ہین، اسلیے

اِن چیزون کی دھاک اون کے دلوں پر اور زیادہ بیٹھ جاتی ہے، اگر اخبارات کی اڈیٹر "ہم" کے بجائے "مین" کا استعمال کرتے یا پارلیمینٹ کے ارکان ہر قانون کو اپنے اپنے نامون کے ساتھ شائع کرتے تو ان صورتوں مین "اخفائے شخصیت" باقی نہ رہتا اور نہ اِن چیزوں کا ایسا اثر ہوتا بعض رسالون کے مدیر بلابر واحد متکلم کا استعمال کرتے ہیں، اِن کا خیال ہوتا ہے کہ اِس طرح سے وہ شاید تکلم میں زیادہ کامیاب ہوتے ہین یہ خیال سراسر غلط ہی "مین" کے استعمال کے ساتھ زید عمر بکر کی شخصیت کا سوال درپیش ہوتا ہے، اور اڈیٹری کا "پردہ" فاش ہوجاتا ہے،

سطوت اور شخصیت میں مذکورۂ بالا تناقض تو صرور پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی جب موجبِ الذکر کے اندر ہم ظاہری باتوں مثلاً وجاہت ذاتی وغیرہ کا خیال کیا جاتا ہے تو اس کا اثر بھی جذبی اور غیر عقلی ہوجاتا ہی کسی تقریر کے اچھے یا بُرے ہونے کے متعلق جب کبھی اظہار خیال کیا جاتا ہے تو ہماری رائے پر مقرر کی آواز حرکات وسکنات، خط وخال کا ضرور اثر ہوتا ہے، اگرچہ ہم اِس سے لاعلم ہوتے ہیں، تسخیرِ قلوب کی استعداد اور کشش کا ملکہ مقرروں کے لیئے طغرائے امتیاز خیال کیئے جاتے ہین، ان خارجی باتون سے متاثر ہونا فطرتِ انسانی کا خاصہ ہی، اور اگر یہ چیزیں فی الحقیقت مظہر شخصیت ہون، تو ان سے مرعوب ہونا غیر مستحسن نہین کہا جاسکتا، صفات باطنی اور مظاہرات خارجی مین اگر تخالف نہ پایا جائے، تو ثانی الذکر کا اثر (ترغیب میں) حد درجہ نہین ہی، اگر تم کو کسی مقرر کی صداقت کا یقین ہوتا ہے، تو باوجودیکہ تم اوس کے نقطۂ خیال کے حامی نہ ہو پھر بھی اوس کی تقریر کو انصاف کے ساتھ جانچتے ہوا ور بیجا تنقید سے کام نہیں لیتے، خاص خاص مواقع سے قطع نظر، زندگی مین روز یہی ہوتا رہتا ہی کسی شخص کی گفتگو سنکر محض اوس کے الفاظ کی بنا دیر اوس کے متعلق رائے قائم نہین کی جاتی، بلکہ اوس کی خصلت اور عادت کے متعلق جو کچھ ہمارا حُسن ظن، یا سوء ظن ہو، اِس کا اثر بھی ہمارے فیصلہ پر پڑتا ہی اور ایسا کرنا چندان قابلِ اعتراض نہین بشرطیکہ خصلت کے اندازہ مین تعصب کا دخل نہ ہو، بڑے

کیٹو (CATO)[1] نے خطیب کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے" وہ نیک آدمی جسمیں تقریر کا ملکہ ہو"، اِس سے زیادہ جامع اور واضح تعریف مشکل ہے، اگر ہم سطوت کے ظاہری مظاہرات سے دھوکہ نہ کھائیں "حقیقی" اور "مصنوعی" کے درمیان حدِ فاصل قایم کریں، اور ہر قسم کی ترغیب کا معیار بجائے ظاہری باتوں کے، ترغیب دہندہ کی صدقِ نیت اور ذاتی اخلاقی صفات کو قرار دیں، تو ہم کبھی محض شخصیت کے رعب میں آکر ہر اچھی یا بری ترغیب کو قبول نہ کریں، اور نہ اون لوگوں کے دھوکے میں آئیں، جو افراد کی کمزوریوں اور جماعتوں کے خاصۂ اثر پذیری سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر، اون کو بطور آلۂ کامیابی کے استعمال کرتے ہیں،

جملہ وسائل ترغیب | مثلاً حرکات وسکنات، اشارات، سطوت اور شخصیت جن سے ہم اب تک بحث کرتے رہے، اگرچہ فی نفسہ ترغیبِ خاموش کے ذیل مین آتے ہین، موسیقی ونقاشی، صناعی، تاہم ان کو ترغیبِ لفظی سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ اِن کا اثر الفاظ کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ کا مطلق استعمال نہ ہو، اور پھر بھی ترغیب کا عمل ہوسکے، اِس کی مثال موسیقی اور نقاشی مین ملتی ہے یہ چیزیں صرف خود ہی جذبات سے لبریز نہیں ہوتیں بلکہ دوسروں مین بھی وہی جذبات پیدا کردیتی ہین جنکی وہ خود مظہر ہیں، نغموں کا اثر لوگوں پر کیا کچھ نہیں ہوتا ــــ سنسان راتوں میں سوہنی کی راگنیاں کتنی دہشت پیدا کرتی ہین، چاندنی رات مین تالاب کے کنارہ بانسری کی سُریلی آواز کتنی فرحت وانبساط سے لبریز ہوتی ہے، ماہ محرم کے ماتمی لحن، فوجی افسرون کی تجہیز وتکفین کے وقت بیڈ کی آواز کتنی دل خراش ہوتی ہے، اوس کے سنتے ہی دِل دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے، زندگی عذاب معلوم ہوتی ہے، فنا، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کے خیالات

---

[1] (ELDER CATO) ۲۳۴ق م میں ٹسکولم (TUSCULAM) میں پیدا ہوا، ابتدائی تربیت فنِ کاشتکاری میں پائی، بعد ازاں رومۃ الکبریٰ چلا گیا، اور متعدد لڑائیوں میں شریک رہا، روم کا سنسر (SENSOR) مقرر ہوا، ہر جدید ایجاد کا سخت مخالف تھا، کارتھیج سے اسکو شدید دشمنی تھی ۱۴۹ق م میں وفات پائی،

دماغ پر مسلط ہوجاتے ہیں، میدان جنگ میں باجوں کی آوازوں میں کس قدر ہیجان پیدا کرتی ہے، انسان تو خیر جس طرح جان دینے کے لیئے تیار ہوجاتا ہے، وہ تو ہے ہی، لیکن جانور بھی بے صبری کے ساتھ حملہ پر آمادہ ہوجاتے ہیں، ہاتھی مست ہوجاتے ہیں، گھوڑے ٹاپیں مارتے ہیں،

ترغیب پر موسیقی کا اثر جذبات کی وساطت سے ہوتا ہے، اس کے ذریعہ سے جذبات کو برانگیختہ کرکے لوگوں سے اپنے حسب خواہش عمل کرایا جاسکتا ہے رقت کے جذبات طاری کرکے لوگوں کو ہمدردی پر آمادہ کیا جاسکتا ہے ندامت اور ترحم کے جذبات طاری کرکے کسی شخص کو قبیح افعال سے باز رکھا جاسکتا ہے، جوش حب وطن اور اخوت کے جذبات بیدار کرکے ضعیفوں، کمزوروں، اور بزدلوں کو بھی جنگ پر آمادہ کرسکتے ہیں، موسیقی کے براہ راست اثر کی مثالیں اگرچہ اتنی کثیر تعداد میں نہ مل سکیں، تاہم ایسی مثالیں جن میں الفاظ کا اثر موسیقی نے دوبالا کردیا ہو، اور اس طرح بالواسطہ ترغیب دی ہو، تا دہیں ہیں، کانگریس کے جلسوں میں بندے ماترم کا راگ سامعین کے دلوں کو مقررین کی ترغیب قبول کرنے پر آمادہ کردیتا ہے، اسلامی جلسوں کا آغاز جب کوئی خوش الحان قاری حسب موقع آیات قرآنی سے کرتا ہے، تو دلوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے، قومی نظمیں گانے والے کتنی کامیابی سے عوام میں جوش پیدا کردیتے ہیں، اور بہت کچھ چندہ وصول کرلیتے ہیں،

موسیقی کے اثر کو قبول کرنے کے متعلق جو کچھ عملی ہدایات دی جاسکتی ہیں، وہ صرف یہی ہیں کہ جذبات میں امتیاز کیا جائے، جب کبھی اس قسم کی ترغیبوں سے تم کو دوچار ہونا پڑے تو اس کو ضرور دیکھ لو کہ جو جذبات مشتعل کیئے جارہے ہیں، وہ مستحسن ہیں، یا غیر مستحسن، موقع کی مناسبت سے ہیں، یا محض کاربرآری وحصول مقصد کے لیئے برانگیختہ کیئے جارہے ہیں،

موسیقی کی طرح تصاویر کا اثر بھی جذبات پر بہت کچھ ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال بائسکوپ ہے، جس سے ہم آئندہ بحث کریں گے، شام کا جھٹ پٹا وقت، بہتا دریا، لہراتی ہوئی کھیتی شفق، ان سب مظاہر قدرت کی تصویریں دل پر سکون اور اطمینان کامل کی کیفیت طاری کرتی ہیں

برخلاف اِس کے بسترِ مرگ، جان بلب مریض، مایوس بیوی بچوں کی تصویر دیکھکر دل پر غم کا بادل چھا جاتا ہے، اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی تصاویر میں ایک عجیب خاموش گویائی ہوتی ہے، اور اِس کا ترغیبی اثر الفاظ کی مدد سے بے نیاز ہوتا ہے، انگلستان میں ہوگارتھ[1] کی تصاویر بہت کچھ اخلاقی درستی کا باعث ہوئیں، شراب خواری عیاشی وغیرہ کے خراب نتائج تصاویر کے ذریعہ ظاہر کرکے اس مصور نے بہت کچھ اصلاحی کام کیا، ہندوستان میں بھی، دوران جنگ بلقان میں بلغاریوں کے مظالم کی تصویریں لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کرتی تھیں، مسجد کانپور کے واقعہ میں سب سے زیادہ چندہ الہلال کی تصاویر، اور اڈیٹر الہلال کی جادو بیانی کی وجہ سے جمع ہوا، تصاویر کی کامیاب ترغیب کی بڑی وجہ اِن کی صفت نمایندگی اور اظہارِ واقعات ہے، ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ؟

تقریر اور تحریر میں جو کچھ کام تخیل کو کرنا پڑتا ہے، وہ تصویر میں حس باصرہ کرتی ہے، اور اس ذریعہ سے ناخواندہ لوگ بھی ترغیب کے حلقۂ اثر میں آجاتے ہیں، اُمّی، اور عالم دونوں یکساں طور پر صورتِ حالات کو سمجھ لیتے ہیں، اور ترغیب دہندہ کے حسب منشا عمل کرتے ہیں،

موسیقی، نقاشی و صناعی میں جذبات سے اِسی طرح اپیل کی جاتی ہے، جس طرح کہ خالص عمل ترغیب میں، فرق اِن میں یہ ہے کہ اول الذکر صورتوں میں کسی طرزِ عمل کی براہ راست تشویق نہیں ہوتی، مگر مؤخر الذکر میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، انسانی طرزِ عمل کو براہ راست متاثر کیا جاتا ہے، فنونِ لطیفہ کی تعریف اِن الفاظ میں کی جاتی ہے "وہ انسانی فعل، جس کا مدعا، علامات و نشانات

---

[1] ہوگارتھ (HOGARTH) ۱۶۹۷ء میں لندن میں پیدا ہوا، ایک سنار کی دکان میں بطور اُمیدوار کے داخل ہوا، نقاشی اور تصویرکشی کی تعلیم بطور خود حاصل کی، اسکی تصویروں کا موضوع ہمیشہ اپنے زمانہ کی اخلاقی پستی کا اظہار رہا، اِن تصویروں نے انگلستان کی عام اخلاقی حالت کی درستی میں بہت کچھ مدد دی، وفات ۱۷۶۴ء

کے ذریعہ سے (مثلاً حرکات، خطوط، رنگ، اصوات یا الفاظ سے) دوسروں میں بالقصد کوئی جذبہ پیدا کرنا فنون لطیفہ کی تحت میں آتا ہے، لیکن اِس تعریف کے ساتھ ساتھ ایک اور شرط بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے اور وہ یہ کہ صاحب فن جن جذبات سے متاثر ہو، یا جن سے دوسروں کو متاثر کرنا چاہے، وہ تا بہ غرض سے خالی اور غیر شخصی ہوں، یعنی کسی ذلت سے اون کا لگاؤ نہ ہو، ذاتی خواہشات کے اثر سے پاک ہوں، اور حیات کے وسیع اور اعلیٰ تصورات پر مبنی ہوں، اِن چیزوں کے علاوہ، فن لطیف سے اگر کوئی اور مقصد پورا کرنا مدنظر ہو، تو اوسے فن لطیف نہین کہہ سکتے، نقاشی اُسی وقت تک فن لطیف ہے، جب کہ محض اپنی لطافت کے لحاظ سے کی جائے، موسیقی کا بھی یہی حال ہے، فنون لطیفہ میں سے کسی کو، اگر وہ فی الحقیقت، فن لطیف ہی تو اوس مین حیات انسانی کے عملی رخ سے تم کو ایک طرح کی بے تعلقی نظر آئیگی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اون کا بالواسطہ اثر عمل پر بھی ہوتا ہے اور اوس کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں، لیکن اِن صورتون مین اِن مین فنون لطیفہ کی فہرست سے خارج کر دینا پڑے گا۔

بائسکوپ یا متحرک تصاویر کے ذریعہ سے ترغیب، **تصاویر کے ذریعہ** سے ترغیب دینے کا سب سے زیادہ مقبول ذریعہ جو آج کل کثرت سے استعمال کیا جا رہا ہے، بائسکوپ ہی گزشتہ جنگ کے زمانہ میں مختلف حکومتون نے اِسی کے ذریعہ نشر واقعات، اور اپنے مقصد کی تبلیغ و اشاعت کا کام لیا، انگلستان، اور دیگر اتحادی سلطنتوں میں اسی کے ذریعہ سے عوام کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا گیا، متحرک تصاویر دکھا کر جرمن "بہیمیت" اور "مظالم" سے اون کو آشنا کیا گیا، ابھی حال ہی میں انگلستان کے اخبارون نے غل مچایا تھا کہ جاپانی قوم بائسکوپ کے ذریعہ سے انگریزی آبادی کو اپنا حامی اور ہم خیال بنا رہی ہے، سیاسی اغراض سے قطع نظر، معاشرت کی اصلاح کا کام بھی بائسکوپ سے لیا جاتا ہے، مثلاً شراب نوشی یا قمار بازی کی وجہ سے کسی خاندان کی تباہی کے حالات دکھا کر ناظرین کو ان افعال قبیحہ سے متنبہ کیا جاتا ہے، آجکل مجلس اقوام اس کی تعلیمی اہمیت اور درس و تدریس میں اس کے استعمال پر غور کر رہی ہے

بائسکوپ کی کامیاب ترغیب کا خاص سبب تدریجی انکشاف واقعات ہی، واقعات
یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتے ہین، حواس خمسہ یا متخیلہ کی وساطت سے اصلی یا فرضی حالات دکھاکر
لوگوں کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہے،

اگرچہ بائسکوپ کا اساسی اُصول وہی ہے جو تصویر کی ترغیب کا ہوتا ہے، لیکن مُوخر الذکر ایک
طرح سے محدود ہے، صناعی، نقاشی، مصوری، اِن سب میں رنگ آمیزی اور دوسری علامات کے ذریعہ اظہار
واقعات وافعال تو کیا جاسکتا ہی، لیکن یہ اظہار بلحاظ زمان و مکان، محدود ہوتا ہے، یعنی اِن مین کسی
خاص مقام پر، کوئی خاص واقعہ یا فعل، ایک ہی وقت میں وقوع پزیر ہوتا ہوا نظر آتا ہے، مثال کے
طور پر فرض کرو کہ تم کوئی ایسی تصویر دیکھتے ہو جس مین قاتل خنجر اُٹھائے ہوئے کسی شخص پر حملہ کر رہا ہے،
اور یہ شخص دونون ہاتھ پھیلا کر اوس سے رحم کا ملتجی ہے، ظاہر ہے کہ یہ تصویر صرف اوس وقت کا اظہار کرتی
ہے جبکہ مظلوم قاتل کے قبضہ مین آچکا تھا، ظلم کی وجہ، قاتل کے جذبات کا اشتعال، اوس کا تعاقب، مظلوم
کا بھاگنا، اور دوسرے بہت سے واقعات جو اس تصویر کے قصہ کو مکمل کریں، تصویر میں ظاہر نہیں کیے جاسکتے
اِن کے لیے کئی تصویروں کی ضرورت ہوگی، کیٹس (KEATS) نے ایک چینی کے پیالہ پر کسی
حسین عورت اور اوس کے عاشق کی تصویر دیکھ کر کہا تھا "تجھکو دائمی نوجوانی حاصل ہے، اور تیرا عاشق
ہمیشہ تجھ سے محبت کرتا رہے گا، مطلب یہ کہ جہاں تک تصویر کا تعلق ہے نہ تو معشوقہ کا انحطاط لوگوں کو
معلوم ہوگا، نہ عاشق کی محبت میں کوئی کمی کسی کو نظر آئیگی، دو سو برس کے بعد بھی دیکھو، تو اوس تصویر
کی وہی کیفیت پاؤگے، جو ابتدا سے تھی، اِس مقولہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ دکھانا تھا، کہ فضا و پیر،
رعایت اور مُرور زمانہ کے ساتھ جو واقعات اور تغیرات رونما ہوتے ہین، اونھین ظاہر کرنے سے قاصر
ہیں، لیکن بائسکوپ میں یہ سب کچھ تدریجی انکشاف واقعات سے آناً فاناً ظاہر ہوجاتا ہے، سلسلۂ واقعات
کی تمام اہم کڑیاں موجود ہوتی ہیں،

بائسکوپ کی تصاویر اظہار زمانیت، تبدیلی مقام، اور درمیانی واقعات کے انکشاف سے عاجز نہیں ہیں، اون میں سلسلۂ واقعات کا بھی اظہار کیا جاسکتا ہے جن کا قیام مہینوں بلکہ برسوں ہا سے صرف ایک آدھ تشریحی جملہ کی ضرورت ہوتی ہی، نقاشی اور مصوری کے برخلاف، بائسکوپ قید وقت سے بے نیاز ہے، بلکہ ناول یا ربانی قصوں کی طرح تشریح وتوضیح واقعات پر بھی اسے مکمل قدرت ہے،

ایک لحاظ سے اگر دیکھو تو بائسکوپ میں تسلسل واقعات، اور زمانیت کے اظہار کی صلاحیت ناول سے بھی زیادہ ہوتی ہے، علت ومعلول کا رشتہ جس طرح بائسکوپ میں ظاہر کیا جاسکتا ہے اوتنا آسانی کے ساتھ ناول میں بھی نہیں ہوتا، ناولوں میں یہ رشتہ متعدد صفحات عبور کرنے کے بعد ہاتھ آتا ہی لیکن بائسکوپ میں علاقۂ سببیت بہت کچھ بیّن اور واضح ہوتا ہے، اس کی بہترین مثال مسٹر جیرارڈ کی کتاب "میرا چہار سالہ قیام جرمنی" سے ملتی ہی، حسن اتفاق سے اس کتاب کے واقعات کی ایک فلم بھی تیار کر لی گئی اور ان دونوں کے مقابلہ سے بائسکوپ کی کامیابی کا راز اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے، کتاب میں ایک موقع پر اوس دعوت کا بیان ہے جو برلن کے حکام سیاسی نے سفیر امریکہ کے اعزاز میں دی تھی، اس موقع پر میزبانوں نے امریکہ کے ساتھ بہت کچھ اظہار ہمدردی و دوستی کیا تھا، پھر کئی صفحات کے بعد جرمنی کے حکام کے کسی خفیہ جلسہ کا ذکر ہے، جو اسلئے منعقد کیا گیا تھا کہ امریکہ سے جنگ کرنے کے متعلق باہمی مشاورت سے کوئی تصفیہ کیا جاسکے، یہ تو کتاب کی حالت ہی، لیکن جب یہی واقعات بائسکوپ میں دکھائے جاتے ہیں تو پہلی دعوت کے بعد ہی دوسرے خفیہ جلسہ کا منظر پیش کردیا جاتا ہے، اور اس طرح سے ناظرین پر کتاب کے مطالعہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اثر پڑتا ہے، انسانوں کے مقابلے میں بائسکوپ کی بڑھی ہوئی ترغیبی حیثیت کی یہ بہت اچھی مثال ہے، توالی و تواتر واقعات دکھا کر اپنے حسب منشا جذبات کو بآسانی اشتعال دیا جاسکتا ہے،

بائسکوپ کی کامیابی کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے خیالات قوت کی

قیدسے بے نیاز ہیں، اور گزشتہ کا خیال کرکے اور کبھی مستقبل کی خیالی تصویر قایم کرکے ہم اپنے آپ کو یا دوسرون کو ترغیب دے سکتے ہین، اوسی طرح سے بائسکوپ مین بھی حال سے بحث کرتے کرتے ماضی یا مستقبل کی تصویر بھی دکھائی جاتی ہے، مثلاً اسی فلم میں جس کا ہم حوالہ دے چکے ہین جب سفیر امریکہ کو اطلاع ملتی ہے کہ تا وقتیکہ وہ ان جرمن جہازون کی حفاظت کا ذمہ نہ لے جو امریکی ساحلون پر لنگر انداز ہین اوس وقت تک اوسے پروانۂ راہداری نہین دیا جاسکتا، تو معاً اوس کے خیال مین عوت کا منظر، اور مدبرین جرمنی کی دوستانہ تقریرین آجاتی ہین، بائسکوپ مین اوس کے ان خیالات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، اور جو خیالات سفیر کے دماغ میں چکر لگا رہے ہین وہ پردہ پر ظاہر ہوتے ہیں، اور دفعۃً سرعت خیال کے ساتھ غائب بھی ہوجاتے ہیں، لوگون کے خیالات کے اظہار کی صلاحیت اور حال سے بحث کرتے وقت پردہ پر مستقبل یا ماضی کے واقعات کی تصاویر کا ظاہر ہونا، یہ ایک اور وجہ بائسکوپ کی ترغیب کی کامیابی کی ہے، خیالات کی تصاویر دکھا کر وہی خواہشات اور خیالات ناظرین کے دماغ میں بھی پیدا کردئیے جاتے ہین، اور ترغیب دی جاتی ہے،

ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی ایک اور ترکیب جو بائسکوپ مین کی جاتی ہے یہ ہے کہ ایکٹرون کے خط وخال، اون کے چہرون کا اُتار چڑھاو، یہ باتین بھی پردہ پر ظاہر کی جاتی ہین، تغیر خط وخال مین جذبات کو متحرک کرنے کی جو صلاحیت ہے اوس سے کوئی انکار نہین کرسکتا، جب ہم کسی کو فرط انبساط سے مُسکراتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور اس کی آنکھوں مین خوشی کی چمک پاتے ہین تو خاص صورتوں سے قطع نظر خود ہمارے قلوب میں بھی انبساط کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، کسی کو خوف کی حالت مین دیکھکر خشک ہونٹھ، زرد چہرہ، نکلی ہوئی آنکھیں، دیکھنے کے بعد ہم مین بھی خوف کی ایک لرزش سی پیدا ہوتی، غرضکہ کسی جذبہ کے خارجی مظاہرات دیکھکر ہم میں بھی اوس قسم کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں، بائسکوپ مین بھی اس خاصہ سے بہت کام لیا جاتا ہے، خط وخال، اور چہرہ کی کیفیت کا اظہار اگرچہ تصویرون مین بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن

اون کا تعبیر نہین دکھایا جا سکتا، بائسکوپ میں جس کامیابی کے ساتھ یہ باتین دکھائی جاتی ہین، وہ ناولون کے متعدد صفحات سے بھی ممکن نہین، حرکات وسکنات بھی بائسکوپ مین خوب دکھائے جا سکتے ہین، اور چونکہ یہ چیزیں (چہرے کا تعبیر حرکات سکنات وغیرہ) دیکھنے سے متعلق ہیں، اور معرض تحریر میں پوری طور سے نہین لائی جا سکتیں، بائسکوپ مین انھیں دکھا کر جذبات کو اچھی طرح شہ دی جا سکتی ہے،

توالی وتواتر واقعات، تعبیر خط وخال، ایکٹرون کے خیالات کا تصویرون مین اظہار حرکات سکنات، اِن سب باتون نے مِل جلکر بائسکوپ کو ترغیب کا ایک کامیاب آلہ بنا دیا ہی، اوسکی کامیابی کا اندازہ اِسی سے ہو سکتا ہے کہ بقول ایک انگریزی اخبار کے اڈیٹر کے "FOURYEARS)- (STOY INGERMANY" - چہار سالہ قیام جرمنی کے فلم نے انگلستان کی آبادی کے ۲/۵ حصہ کو جنگ کے اسباب سے مطلع کیا اور جرمنی کی بہیمیت، اور وعدہ خلافی دکھا کر اوس کے خلاف شدید نفرت کے جذبات پیدا کیئے"، ہندوستان مین ابھی تک بائسکوپ سے تبلیغ واشاعت کا کام نہیں لیا جاتا، لیکن یہ صرف وقت کا سوال ہے، اور وہ وقت دور نہیں ہے جب یہان بھی سیاسی تحریکات کی تائید مین اور معاشرتی اِصلاح کے لیئے بائسکوپ کا استعمال شروع ہو جائے گا،

ابتک ہم اون خصائص سے بحث کرتے رہے جنھون نے بائسکوپ کی ترغیبات کو کامیاب کر دیا ہے، لیکن اِس سے یہ لازم نہین آتا کہ اِس طریقۂ ترغیب مین خامیان نہین ہین، بائسکوپ کی ترغیب متعدد اسقام رکھتی ہے، اور اوس کی کامیابی کا انحصار انھین خرابیون پر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ بائسکوپ کی ترغیب تمام وکمال حسّی ہے، نظرین پردہ پر جمی رہتی ہین، مختلف تصاویر دیکھ کر، جذبات کو فوری تحریک تو ضرور ہوتی ہے، لیکن ناظرین کے قوائے عقلیہ تعطل کی حالت میں رہتے ہین، یہی وجہ ہے کہ بائسکوپ کا اثر جُہلا اور کم عقلون پر بہت ہوتا ہے، جو محض محسوسات سے متاثر ہوتے ہین، اگرچہ جاہل لوگون کو واقف کرانے کا بہترین ذریعہ بائسکوپ ہی ہے، لیکن سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھو، تو یہ طریقۂ ترغیب ناجائز

حقیقی ترغیبات ایسی نہیں کہتے جن میں قوائے عقلیہ کو معطل کر کے مقصد برآری کی جائے، بلکہ اُس میں
نفس کے مختلف مظاہرات، استدلال، تخیل، تاثر، ارادت وغیرہ کا آزادانہ عمل بھی ہونا چاہیئے،

دوسرا عیب بائسکوپ کا یہ ہے کہ اوس میں واقعات کا اظہار بے ربط، مبالغہ آمیز، اور سنسنی خیز
ہوتا ہے، جن فلموں کا مقصد لوگوں کو زبردستی کسی خیال کا مؤید بنانا ہوتا ہے، اوس میں واقعات کی ترتیب
اور اون کے باہمی ربط کی پروا نہیں کی جاتی، تصویروں کے انتخاب اور واقعات کے احضار میں صرف
یہ خیال پیش نظر ہوتا ہے کہ یہ جذبات کو مشتعل کر سکتے ہیں یا نہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب ترغیب باطل کے
خصائص ہیں، جائز ترغیب کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے، واقعات کی ترتیب، اون کا بتدریج اور بے مبالغہ
ناظرین کے سامنے پیش کرنا، موافق اور مخالف دونوں رخوں کو دکھلانا، حرکات و سکنات کا باقاعدہ
استعمال یہ سب باتیں جائز ترغیب کے لوازمات ہیں، نہ یہ کہ واقعات کا ہجوم، مبالغہ، اور سرعت
کے ساتھ آنکھوں کے سامنے لایا جاتا ہے، تاکہ عقل سے کام لینے کا موقع ہی نہ رہے!

اگر یہ مختلف عیوب نہ بھی ہوتے، تب بھی بائسکوپ کی ترغیبات کو ناجائز قرار دینے کے
لئے صرف یہی کافی تھا کہ اوس میں میکانکی وسائل سے کام لیا جاتا ہے، اِس ترکیب سے جو کچھ واقعات
پیش کیے جاتے ہیں وہ عاقل افراد پر زیادہ اثر نہیں کرتے، اور جو کچھ اثر ہوتا ہے تو وہ بھی عارضی تھیٹر
کے ذریعہ سے جو جذبات ناظرین کے سامنے ظاہر کیئے جاتے ہیں، وہ باوجود اس کے کہ اوس میں انسان کام
کرتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، پھر بھی حقیقی نہیں بلکہ مصنوعی خیال کیئے جاتے ہیں، پھر بائسکوپ کی ترغیب
جس میں تصاویر کام کرتی ہیں اور یہ تصاویر بھی مشین کے ذریعہ سے متحرک کی جاتی ہیں کیسے حقیقی ہو سکتی ہے،

———•> : <•———

باب ششم

ترغیب لفظی

مکالمۃ، بیع، اشتہارات، اخبارات کے ذریعہ ترغیب، ہرایک کے ضمنی مباحث، اور اوسکے متعلق عملی ہدایات

ترغیب لفظی کے ذیل مین تحریری اور تقریری دونون قسم کی ترغیبات داخل ہین، سچ پوچھو تو مدعائے ترغیب دونون صورتون مین وہی ہے لیکن پھر بھی اِن کے اجزائے ترکیبی مین کسی قدر اختلاف ہوتا ہے، مثلاً ترغیب تحریری مین ذہنی عنصر کسی قدر زیادہ ہوتا ہے، اور غیر عقلی عناصر کی خلل اندازی کا کم احتمال ہوتا ہے، برخلاف اس کے ترغیب تقریری مین مقرر کی شخصیت کا اثر بھی سامعین پر ہوتا ہے، اور پھر اوس کے پاس اپنی ترغیب کو پرزور اور کامیاب بنانے کے اور وسائل بھی موجود ہین، مثلاً حرکات و سکنات کا استعمال، اشارات وغیرہ جو ظاہر ہے کہ ترغیب تحریری مین ممکن نہین، ان دونون اقسام مین سے، چونکہ ترغیب تقریری مین مختلف عناصر ترغیب کے کرشمے مدرجۂ اولیٰ نظر آتے ہین، لہٰذا اسی کو اظہار خیال اور ترغیب کا عام ترین، اور مناسب ذریعہ کہا جا سکتا ہے، اِس باب مین اِن دونون قسمون کے بعض ذیلی اصناف سے بحث کی جائے گی، جو فی الحقیقت ترغیب کے ذیل مین آتی ہے، لیکن اون کو ترغیب کوئی نہین کہتا، مثلاً ترغیب تقریری کے اصناف مکالمۃ اور بیع کے وقت بائع کی مشتری سے گفتگو، اور ترغیب تحریری کے

اصناف :- اشتہارات، اور اخبارات کی ترغیب،

مکالمتہ یا عام گفت گو، **گفتگو یا مکالمتہ** کے متعلق، خواہ وہ کسی قسم کی کیون نہو، عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوس مین عناصر ترغیب ضرور پائے جاتے ہیں، خواہ دل بہلانے یا وقت کاٹنے کے لئے گفتگو کی جائے، یا دوسرون کو فرحت یا ایذا پہونچانا مقصود ہو، تم کو یہی نظر آئے گا کہ متکلمین ایک دوسرے کو کسی نہ کسی قسم کی ترغیب ضرور دے رہے ہین، اور ایک دوسرے کی شخصیّت سے متاثر ہو رہے ہیں مذکورۂ بالا مواقع کے علاوہ، جہاں گفتگو سے محض بالواسطہ ترغیب کا کام لیا جاتا ہے، ایسی گفتگو بھی ہوتی ہو جس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دوسرون کی رائے، یا اون کے اعمال کو متاثر کیا جائے، علمی معاشرتی، سیاسی، معاشی، اخلاقی، مذہبی، غرضکہ ان جملہ مباحث پر جو گفتگو کی جاتی ہے اوس کا مقصد براہ راست ترغیب دینا ہوتا ہے، گفتگو کا مدعا کچھ ہی کیون نہو، اوس کی ترغیب کا کامیاب ہونا گفتگو کرنے والے مین کچھ ذاتی صفات چاہتا ہے، اوس کے مزاج عام افتاد طبیعت، خصلت، اِن سب باتوں کا ترغیب کی کامیابی یا ناکامی مین بہت کچھ دخل ہے،

بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جن کی گفتگو ہمیشہ کامیاب طور پر ختم ہوتی ہے، دوسرون کو اپنا ہمخیال بنانے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرانے کا اونھین خاص ملکہ ہوتا ہے، لازمی نہیں ہو کہ یہ لوگ جادو بیان مقرر بھی ہون، خطابیات کے طریقے چاہے یہ نہ جانتے ہون، لیکن معمولی کاروبار زندگی مین یہ لوگ ہمیشہ اپنی بات دوسرون سے منوا لیتے ہیں، اِس گروہ کے برخلاف کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی گفتگو کسی کو مرغوب نہیں ہوتی، ذرا ذرا سے شبہات رفع کرنے مین، خفیف سے خفیف بات منوانے مین اونھیں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، اور پھر بھی اون کا مقصد حاصل نہین ہوتا، اور باتوں کے علاوہ (مثلاً قوت استدلال، نفوذ ذاتی وغیرہ) پہلے گروہ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ وہ عام فطرت انسانی سے واقف ہوتے ہیں، اوس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، دیگر معاملات دنیوی کی طرح گفتار

مین بھی داد و ستد، کے اُصول پر کاربند رہتے ہین،

ترغیب جائز کی طرح خوش گفتاری بھی اوس وقت حاصل ہوتی ہے، جب فطرت انسانی کی عزت، ہمدردی، اور دوسرون کی شخصیت کے متعلق عظمت اور توقیر کے نقوش ہمارے دلون پر گہرے بیٹھے ہوئے ہون، یاد رہے کہ ان چیزون مین مبالغہ سے کام لینا اوتنا ہی مُضر ہے جتنا کہ اون کا قطعاً لحاظ نہ رکھنا، ہمدردی سے یہ مراد نہیں ہو کہ مسائل متنازعہ فیہ میں دوسرون کو خوش کرنے کے لیے اپنی رائے بھی بدل دی جائے، اور اون کے خیال کو صحیح مان لیا جائے، جو لوگ ایسا کرین اون کو خلیق، نہ سمجھنا چاہیئے، بلکہ اون کی بےحیالی کو معتقدات کی کمزوری، اور دلائل کی سطحیت پر محمول کرنا چاہیے، اہم اور سنجیدہ مضامین پر جو گفتگو ہوتی ہو، اوس میں ہمیشہ ذاتی تیقن، اعتماد، اور وثوق کے ساتھ رائے دینا چاہیئے، لیکن ان باتون میں بھی "خیر الامور اوسطہا" کے زرین اُصول پر کاربند رہنا چاہیئے، وثوق جب اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے، تو تنگ نظری کا باعث ہوتا ہے اور اس کو تعصب کا نام دیا جاتا ہے، اپنی اصابت رائے پر بھروسہ رکھکر، دوسرون کی کسی بات کو نہ ماننا یا اون سے الجھ پڑنا مکالمہ کے محاسن نہین کہے جا سکتے، دوسرون کے خیالات، طبیعت، اور تاثرات کا حتی الوسع لحاظ رکھنا چاہیئے، سہولت اور نرمی کے ساتھ اپنے معتا رانی الضمیر کا اوپر اظہار، اور انکی رائے کی بجا تنقید کرنی چاہیئے، جو لوگ ان باتون پر عمل نہیں کرتے، اور باہمی مکالمۃ کا آغاز صاف دلی کی بجائے سوءظن، تعصب، یا کبیدہ خاطری سے کرتے ہین، ایسی صحبتون میں اول تو گفتگو کا جاری رہنا ہی محالات سے ہے، اور اگر ہو بھی تو محض رسماً اور وضع کی پابندی کے لحاظ سے ہوگا، حقیقی لطف گفتگو مفقود ہوگا، خوش گفتاری کے لیے صدق نیت ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، وحدت مساعی کا ہونا لازمی ہے،

اب روزمرّہ کی مکالمہ کو اس کسوٹی پر کسو، تم کو اوس مین بیشتر ان صفات کا فقدان نظر آئے گا، اور بجائے ان کے وہ جملہ خصائص دکھائی دینگے، جو ترغیب باطل کی ذیل میں ہم بتا چکے ہین،

دوسرون کی شخصیت سے بے اعتنائی، قول وعمل کا تخالف، دل آزاری طعن وتشنیع، یہ اور اسی قسم کے دوسرے خصائص اکثر گفتگو مین بھی نظر آئینگے، یہ سب باتین جتنی قاطع محبت اور غیر معاشرتی ہین وہ ظاہر ہی ہے، اصلیت یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو غیر شعوری تحریکات کی وجہ سے ہوتی ہے اور غیر شعوری تحریکات کے جو قبیح خصائص ہوتے ہین اس کے اعادہ کی ضرورت نہین ہی،

ہم نے قصداً مکالمہ کے ذیل مین استدلال کے کرتمے تخیل کی پرواز اور جذبات کی ہنگامہ آرائیوں سے بحث نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے ترغیب تحریری وتقریری مین جو مدد لی جاتی ہے، اس سے ہم پہلے ابواب مین بحث کر چکے ہیں، گفتگو کو کامیاب بنانے کے لئے عام ہدایات دی جاچکی ہیں، جن پر کاربند رہکر ہر شخص کے لئے اپنی قوت مکالمہ کے ذریعہ دوسرون کو ترغیب دینا ممکن ہوسکتی ہی، ذیل کے معنی خیز جملون سے گفتگو کے ضروری خواص سب کچھ جامع طور پر ظاہر ہونگے،

بیع، بائع کی گفتگو، **معمولی مکالمہ کے** علاوہ، گفتگو کی ایک اور قسم بھی ہی جس مین کبھی نہ کبھی ہر فرد حصہ لینے پر مجبور ہوتا ہے، ہماری مراد اس گفتگو سے ہے جو خرید وفروخت کے وقت بائع، اور مشتری میں ہوتی ہے، ایسے موقعوں پر بائع کی حیثیت ترغیب دہندہ کی ہوتی ہے، موجودہ زمانہ میں دوکانداری کو بھی معمولی حیثیت سے بلند کرکے، ایک فن کے درجہ تک پہونچا دیا گیا ہے، اور مختلف ممالک، بالخصوص امریکہ میں خالص اس موضوع پر کہ بائع کو خریداروں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے، متعدد کتابین لکھی گئی ہین،

اس سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہوکہ بحیثیت ترغیب دہندہ کے بیچارے دوکاندار کی حیثیت بہت کچھ نازک ہوتی ہی، صرف یہی نہیں کہ اوسے مختلف مزاج اور طبائع کے خریدارون سے سابقہ پڑتا ہو، بلکہ ہر خریدار اوس کی طرف سے یہ سوءظن لئے ہوئے دوکان میں داخل ہوتا ہے کہ "اس کی نیت مجھ سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی ہے"، اس سوءظن کی روشنی میں دوکاندار کا ہر عمل مشتبہ نظر آتا ہے

اگر وہ اخلاق سے پیش آئے، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خوشامد سے کام لے رہا ہے، اگر وہ استقلال کیساتھ قیمت بتلائے، اور ایسے رویہ سے اس کا اظہار کرے کہ خریدار کے چیز خریدنے یا نہ خریدنے سے اوس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہے، تو اس صورت میں اسے کج خلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انصاف سے دیکھو خریداروں کا یہ رویہ سراسر غیر مستحسن ہی، اوکھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دوکانداروں . . کا منشا صرف جلب منفعت ہی نہیں ہوتا، انکو ان حقوق کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے جو ان پر بائع کے انسان ہونے کی حیثیت سے ہیں۔

دوکانداروں کے لیے سب سے زیادہ ضروری صفات، مشاہدہ کی تیزی، اور قیافہ شناسی کا ملکہ ہیں، اوکھیں ایک نظر میں پہچان لینا چاہیئے کہ کونسا خریدار کس مزاج کا ہوگا، اور اُسی کے حسب حال اوس کے ساتھ پیش آنا چاہیئے، اون کی اپیل زیادہ تر انفرادی ہوتی ہے، اون کی ترغیب کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ خریداروں کی ضروریات کا اندازہ لگاکر، اگر ان ضروریات کا احساس اون کے دماغ میں خفیف اور مبہم ہو تو اوس میں وضاحت اور تیقن پیدا کردیں تاکہ اون میں خریدنے کا میلان پیدا ہوجائے، دوکانداری سے قطع نظر، اگر غور سے دیکھا جائے، تو انفرادی طور پر لوگوں کی طرف متوجہ ہونا، اختلاف طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے ترغیب دینا، ہر کامیاب ترغیب کے لیئے ضروری ہی، اکثر علما کی تقریرین زیادہ تر اسی وجہ سے ناکام رہتی ہین، بحیثیت مجموعی ان میں اثر ضرور ہوتا ہے، لیکن سامعین انفرادی طور پر اور خصوصیت کے ساتھ اِس کا اثر محسوس نہیں کرتے وکلا اور بیرسٹر اس راز سے آشنا ہوتے ہیں، اور بحث کرتے وقت ان کا تمامتر مدعا سب سے زیادہ تندید مخالف کو رام کرنا ہوتا ہے، موسیو لی بان نے اپنی کتاب نفسیات جماعات مین لاشاڈ کا قصہ لکھا ہے، سب اراکین جوری اس کے ہمخیال ہوچکے تھے، اور اب اس کی فصاحت کے حملے صرف ایک شخص پر تھے، یکایک دوران تقریر میں رُک کر اس نے جج سے کہا "براہ کرم چپراسی کو حکم دیجئے کہ چک ڈالدے، فلاں جیوری صاحب کے چہرہ پر دھوپ آرہی ہے، جس سے اونکو تکلیف ہورہی ہے" یہ الفاظ اوس شخص کی تسخیر کے لیئے کافی تھے، اور بالآخر لاشاڈ کو کامیابی ہوئی، ایک مشہور

وکیل مسٹر گنگ اپنی کتاب "خطبات قانونی" میں لکھتے ہیں "سب سے پہلے اُس رُکن کو رام کرو، جو سب سے زیادہ ذہین ہو، اور مقدمہ میں زیادہ دلچسپی لیتا ہو، لیکن بقیہ گیارہ اراکین کی طرف سے بھی قطعاً بے پروا نہ ہوجاؤ، ورنہ اون کے احساسات کو ٹھیس لگے گی، اور وہ یہ سمجھیں گے تم اون کا عدم و وجود برابر جانتے ہو اور ممکن ہے کہ اون کی رائے تمہاری رائے کے خلاف ہوجائے" اِس ہدایت کو دوکانداروں پر منطبق کرکے دیکھو تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ نظر آتا ہے کہ مشتری کو خوش رکھیں، یعنی قوتِ تمیز، اور فیصلہ سے کام لیکر، خریدار کی شخصیت اور ضرورت کے حسب حال الفاظ استعمال کئے جائین، ساتھ ہی اسکا بھی لحاظ رہے کہ مشتری قبل از قبل بائع کی طرف سے بدگمان ہوکر دوکان میں داخل ہوتا ہے، اس لئے اوس کی رائے سے تعارض کرنا، یا تواضع و خوش خلقی میں انتہائی مبالغہ سے کام لینا، خریدار مین ایک طرح کی ضد پیدا کردے گا، جو ظاہر ہے کہ بائع کیلئے مفید نہین ہوسکتی،

اشتہارات،

عام طور پر ہر ملک کے معاشی ارتقاء کے تین مدارج تسلیم کیئے گئے ہیں سب سے پہلا درجہ وہ ہوتا ہے جب کسی گاؤن کے لوگ انفرادی طور پر اپنی ضروریات کے پورا کرنے مین مشغول نظر آتے ہین، اِس حالت مین تجارت کا کوئی وجود نہین ہوتا، اشیاء کی قدر معاشی کا تعین بجائے روپیون کی تعداد کے مقدار اشیائے متبدلہ سے ہوتا ہے، اول خویش بعدہٗ درویش، معاشی جد و جہد کا اصول قرار دیا جاتا ہے، ہر شخص جو کچھ پیدا کرتا ہے، اوس کا مقصد اوّل خود اپنی ضروریات کی کفالت ہوتا ہے، اور جو کچھ بچ رہتا ہے وہ دوسرون کو دے کر ان سے دوسری احتیاجات پوری ہوتی ہین،

اِس دورِ اول کے بعد جسے ہم بجا طور پر خود کفالت، کے نام سے تعبیر کرسکتے ہین، دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اِس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دوسروں کی ضروریات معیار قرار دیجاتی ہین، نجار، زرگر، پارچہ باف، غرضکہ تمام صناع اور دست ورز افراد جو کچھ پیدا کرتے ہین وہ دوسرے بازارون کے لیئے پیدا کرتے ہین، ظاہر ہے کہ اِس حالت مین کاروبار،

اور خرید و فروخت کا صحیح معنوں میں آغاز ہوتا ہے، فلاں مقام پر کس چیز کی ضرورت ہے؟ فلاں تہوار کے موقع پر کس قسم کے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے؟ آج کل کا فیشن کیا ہے؟ یہ سوالات ہیں جن کا لحاظ ضروری ہوتا ہے، اس کے بعد جو دور آتا ہے اور جسے معاشیات میں فیکٹری کے درجہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اُس میں پیدائش اشیا بہت بڑے پیمانہ پر عمل میں آتی ہے، دوسرے ملک بھی حلقۂ تجارت میں داخل ہو جاتے ہیں، اور اس طرح سے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں، یہی وہ حالت ہے جہاں اشتہارات کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے، اور پرانے لوگوں کے خیال کے بالکل خلاف تجارت میں "روئے دلآرام" کے لئے، مشاطہ کی ضرورت تکلف کی حد سے گزر کر لوازمات کے زمرہ میں شامل ہو جاتی ہے

دو بدو خرید و فروخت میں جو کام بائع کی چرب زبانی کرتی ہے بالکل وہی غرض اشتہارات کی بھی ہوتی ہے، ان کا منشا یہی ہوتا ہے کہ خریداروں کے سامنے عام ضرورت کی اشیا کا ایسے الفاظ میں ذکر کیا جائے کہ اون کی خواہشات کو تحریک ہو یہی چیز ہے جو اشتہارات کو بھی دوسرے محرکات ترغیب کی صف میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے اور اسی حیثیت سے ان کی نفسیاتی خصوصیات پر غور کیا جا سکتا ہے، یوں تو ہر شخص جب کسی دکان میں داخل ہوتا ہے، تو کوئی نہ کوئی خواہش لئے ہوئے جاتا ہے، لیکن بسا اوقات یہ خواہش موہوم ہوتی ہے، اس صورت میں دوکاندار کی چرب زبانی اور لسانی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے پُرزور بنا دیا جائے، اسی طرح اشتہارات کا مقصد بھی اسی خواہش کو بیدار کر کے اسے قوی تر بنانا ہوتا ہے، اس قسم کے اشتہارات جلب منفعت کے لئے دیئے جاتے ہیں، ترغیب تحریری کی دوسری اصناف کی طرح اشتہارات کی ترغیب بھی تنظیم و ترتیب لئے ہوئے ہوتی ہے، جدت کو مستعمل کرنا، متخیلہ کی ریشہ دوانیاں، استدلال کی تائید، یہ سب باتیں ادنیٰ پیمانہ پر، لیکن بدلی ہوئی نوعیت کے ساتھ اشتہارات میں بھی نظر آتی ہیں، الفاظ کے ساتھ ساتھ تصاویر سے بھی مدد لیجاتی ہے، اور اس طرح سے توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ تفریح بھی ہو جاتی ہے،

یون تو اشتہارات کا مدعا اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ لوگون کو خرید و فروخت کی ترغیب دیجائے لیکن زمانۂ موجودہ مین اونکا حلقۂ اثر وسیع ہوتے ہوتے سیاست، اور حتی کہ (انگلستان مین) مذہب پر بھی حاوی ہوگیا ہے، تبلیغ و اشاعت کا کام انہی کے ذریعہ سے لیا جاتا ہے، قومی و سیاسی مباحث سے عوام کو روشناس کرانے کے لیئے، اور اون کی تائید حاصل کرنے کے لیئے بھی اسی واسطہ کو کام مین لایا جاتا ہے، میونسپلٹی اور کونسلوں کے انتخابات، ترک موالات، فراہمی زر، اعانت سوراج اور ایسے بہت سے سیاسی اور معاشرتی مسائل پر متعدد اشتہارات نظر سے گذرتے ہین، خود حکومت بھی تبلیغ و اشاعت کے مستقل محکمے قائم کرتی ہے، مجروحین کی امداد، فوجی بھرتی وغیرہ کے متعلق سرکاری دار الاشاعتون سے اشتہارات شایع ہوتے رہتے ہیں، اور ہر شخص جانتا ہے کہ اِس قسم کے اشتہارات کی کامیابی بحیثیت محرکات ترغیب بہت کچھ ہے،

اشتہارات کے خصائص سے ناظرین کو روشناس کرانے کے لیئے، اور اُن کے اساسی اصول نفسیہ سے واقف کرنے کے لیئے ذیل کی مثال بہت کچھ مفید ہوگی، یہ اشتہار، زمانۂ جنگ میں برطانوی وزارتِ خدمتِ قومی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا،

"**دشمن** کی نیت تمہیں فاقوں مارنے کی ہے، اوس کی کوششوں کو غارت کردو، برضا و رغبت
قومی خدمت کے لیئے خود کو وقف کردو، **برطانیہ کو ہر حال مین** جلد از جلد دوسروں کی
مدد سے بے نیاز ہوجانا چاہیئے، جنگ کے قابل افراد کو سبکدوش کرکے جلد از جلد **صلح** حاصل کرنے
مین مدد دو، آج ہی اپنا نام لکھاؤ، **ابھی ابھی** جاکر نزدیک ترین ڈاکخانہ یا دفتر خدمت قومی سے
رضاکارانہ خدمت کا تختہ لے آؤ اور اوس پر **ابھی ابھی** دستخط کردو"

ہر عمل ترغیب کا آغاز کسی نہ کسی خواہش یا عقیدہ سے ہوتا ہے باوجود ترغیب دہندہ کے ذہن میں قبل از عمل موجود رہتا ہے، مذکورۂ بالا اشتہار میں بھی اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ مشتہر کی ترغیب

جس خواہش سے شروع ہوئی، وہ یہ ہے کہ قومی خدمت کے لیئے رضاکاروں کی کثیر ترین تعداد جلد از جلد فراہم کی جائے،

مشتہر کی خواہش تو معلوم ہو گئی، اب آؤ یہ دیکھیں کہ یہ خواہش اس کے دماغ میں کیوں پیدا ہوئی؟ لازم ہے کہ اس سے کسی جذبہ یا فطری رجحان کی تشفی ہو، ورنہ اِس کا وجود ہی نہ ہوتا، وہ کون سے جذبات ہیں جو مشتہر کے دل میں پیدا ہوئے، اور جن کو وہ بذریعۂ اشتہار دوسروں میں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی تحریک سے لوگ اس کے حسب منشا عمل کریں، صیانت حیات کا جذبہ ہر شخص کے دل میں فطرۃً موجود ہوتا ہے، اس کو اشتعال دینے کے لیئے یہ کہا گیا کہ دشمن کی نیت ہمیں فاقوں مارنے کی ہے، یعنی وہ ذرائع بہم رسانی خوراک کو مسدود کر دینا چاہتا ہے، جذبۂ حب الوطنی کو تحریک دینے کے لیئے یہ کہا گیا کہ برطانیہ کو جلد از جلد دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہو جانا چاہیئے"، یہ کہکر کہ دشمن کا حملہ وسائل بہم رسانی خوراک پر ہے، لوگوں کے دلوں میں غصہ و غضب کے جذبات برانگیختہ کیئے گیئے، اِن سب جذبات کی ملی جلی طاقت نے مشتہر کے دل میں یہ خواہش پیدا کی کہ فوج بھرتی کی جائے، اور چونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر یہی جذبات لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیئے جائیں گے تو وہ اس کے حسب خواہش عمل کریں گے، اِس لیئے اشتہار کی وساطت سے یہی جذبات ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی،

اِن جذباتی عناصر کے علاوہ، اگر اس اشتہار کو غور دیکھا جائے تو عنصر ذہنی بھی مختصر اور عام فہم دلائل کی شکل میں نظر آتا ہے، لوگوں کے سامنے یہ کلیہ پیش کیا گیا کہ فوج میں بھرتی ہونے والے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دینگے، اور وہ اِس طرح سے کہ فاقوں کی مصیبتوں کو دور کرنا، دشمن کو شکست دینا، برطانیہ کو بیرونی امداد کی طرف سے بے نیاز کر دینا، یہ بھرتی ہونے والوں کا فرض ہوگا اور یہ سب وطن خواہی اور خدمت قومی کی مثالیں ہیں، مزید دلیل یہ پیش کی گئی کہ ان کی اعانت اور شرکت عمل سے جنگ بھی جلد از جلد ختم ہو سکے گی کیونکہ دولت برطانیہ اپنے تعدادی حملہ کی بدولت دشمن کو صلح پر مجبور کر سکے گی،

جذبی اور مذہبی اپیل سے قطع نظر، ذرا ترکیبِ عبارت اور ترتیبِ الفاظ پر بھی غور کرو، طرزِ بیان کتنا پُر زور ہے، موقع کی اہمیت، اور تعجیل کی ضرورت ظاہر کرنے کے لیئے جلی قلم سے کام لیا گیا، مشتہر نے کمال فطرت شناسی کی بنا پر کہیں بھی لفظ جرمن یا جرمنی استعمال نہیں کیا، اس لیئے کہ دشمن کے "بد" لفظ سے خطرہ کا احساس زیادہ عام ہو جاتا ہے، ضرورت کی شدت ظاہر کرنے کے لیئے تمام عبارت امر میں لکھی گئی، ہر پڑھنے والے کو یہ احساس دلانے کے لیئے کہ مشتہر کا روئے سخن اسی کی جانب ہے، عبارت میں جمع مخاطب "تم" استعمال کیا گیا، اور واحد یا جمع غائب کا استعمال (مثلاً لوگوں کو چاہیئے، یا ناظرین کو چاہیئے الخ) نہیں کیا گیا، قومی مبلغین کے لیئے اس آخری اصول پر کاربند رہنا از بس ضروری ہے بغیر اس کے، ترغیب کی کامیابی دشوار ہے، مثلاً ترک موالات ہی کی تحریک کو لو، اگر کوئی مبلغ بدیشی صنائع کے استعمال کی ترغیب کسی مجمع کو دے رہا ہو، تو اس کو چاہیئے کہ اپنا منشا ما فی الضمیر کو ایسے الفاظ میں پیش کرے کہ زید، عمر، بکر، سب اپنی اپنی جگہ پر اوس کے خیالات سے متاثر ہوں، اور محسوس کریں کہ اوس کی اپیل انہیں سے ہے،

جن جن اصولوں کا ابھی ابھی ذکر کیا گیا، عام تجارتی اشتہارات بھی انہی پر منحصر ہوتے ہیں، مگر یہ قومی کی بجائے انفرادی ہوتے ہیں، اور انکا اصل مقصد جلبِ منفعت ہوتا ہے، اور امر سے انہیں بھی اکثر کام لیا جاتا ہے، دلائل البتہ بہت کم ہوتے ہیں، اور ان کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہوتی اسلیئے کہ زیادہ تر تجارتی اشتہارات خورد و نوش، صحت و تفریح، لباس، مکان وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں، اور یہ خواہشات ہر شخص میں فطری طور پر اتنی قوی ہوتی ہیں کہ مزید دلائل کے ذریعہ تقویت پہنچانیکی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیئے صداقت ناموں اور اسناد پر اکتفا کی جاتی ہے، کبھی کبھی کسی سربرآوردہ شخص سے انتساب کرکے ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً "گاندھی اسٹور" یا "بسرپرستی حاذق الملک" وغیرہ، دلیل کے بجائے دعووں سے البتہ کام لیا جاتا ہے، مثلاً شدتِ وثوق کے ساتھ اپنی مشتہرہ اشیاء کو بہترین بتایا جاتا ہے،

عوام الناس جب بہ تکرار اس قسم کے دعوون کو سنتے ہین، تو کسی قدر ان سے متاثر ہوتے ہین، اور اس طرح ان چیزون کی خرید کی اونھیں ترغیب ہوتی ہے، لوگوں مین فرحت پیدا کرنے اور اونکی توجہ مائل کرنے کے لئے مختلف ترکیبیں کی جاتی ہیں کبھی کبھی مضحکہ خیز تصاویر سے بھی کام لیا جاتا ہے، اسم صفت کا استعمال نہایت فراخ دلی سے ہوتا ہے، "بہترین"، "ارزاں ترین"، "نہایت پائدار"، ایسی ہی دوسری مبالغہ آمیز صفات کا استعمال کیا جاتا ہے،

تمام اشتہارات کی مشترکہ صفت، ان میں کسی نہ کسی جدت کی موجودگی ہے، خواہ یہ جدت کسی تصویر کے استعمال سے پیدا ہوئی ہو، یا عنوان اشتہار، یا نفس اشتہار سے پیدا ہوتی ہو، اب سوال یہ ہے کہ ترکیب اشتہار مین جو جدت طرازیاں کیجاتی ہیں وہ بامعنی، اور اشیائے مشتہرہ کے حسب حال ہونی چاہئیں یا بے سروپا، جن کا نفس اشتہار سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، زیادہ تر اشتہارات جو اپنی نظر سے گزرتے ہیں، وہ اسی موخرالذکر قسم کے ہوتے ہین، تصاویر اگر دیجاتی ہین تو وہ ایسی کہ ان مین اور اشیاء مشتہرہ میں فی نفسہ کوئی مناسبت ہی نہین ہوتی، عبارت کی دلچسپی کا بھی یہی حال ہے، عنوانات ایسے مضحک قائم کئے جاتے ہیں جو جالب توجہ تو بیشک ہوتے ہین لیکن نفس اشتہار سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، بدقسمتی سے یہ سب عیب ہمارے ہندوستانی اشتہارات مین بدرجۂ اولی نظر آتے ہین، چند مثالین درج ذیل ہیں،

(۱) ایک صاحب امراض خبیثہ کی دواؤں کا اشتہار دیا کرتے ہین عنوان مین لکھا ہوتا ہے،

"مرادآباد مین مردہ زندہ ہوگیا"،

نفس مضمون کو پڑھو تو عنوان سے کوئی تعلق نہین رکھتا،

(۲) ایک صاحب ناظرین کی توجہ مبذول کرانے کے لیے عنوان مین لکھتے ہین،

"آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور پڑھیئے"،

(۳) ایک صاحب سرمہ کا اشتہار دیتے ہیں، عنوان میں یہ فقرہ ہوتا ہے:-

"آنکھین کھل گئین جب چاند نظر آیا"

عالمانہ یہ بین اشتہارات، ہندوستانی اشتہار بازوں کی فن اشتہار بازی کی طرف سے لاعلمی کا کافی ثبوت ہیں، اخبارات کے کالمون سے ایسے متعدد اشتہارات جمع کیے جا سکتے ہین،

مذکورۂ بالا اشتہارات، اس مین شک نہین، کہ پڑھنے والون کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہین، اور اون کی سُرخیاں پڑھکر ایک طرح کا خوشگوار، یا تعجب کا تاثر ضرور ہوتا ہے، مگر استمرارِ توجہ کی صلاحیت ان مین نہین ہوتی، اور متعدد بار شائع ہوا بجائے اس کے کہ ان اشتہارون کو مقبول بنائے، برعکس نتیجہ پیدا کرتا ہے، ان عنوانات کے بدلے، اگر ایسے عنوانات قایم کیے جائین جو نفس مضمون سے تعلق رکھتے ہین، ایسی عبارت استعمال کی جائے جو نفسیاتی اعتبار سے ترغیب کے جملہ عناصر اپنے اندر موجود رکھتی ہو، ایسی تصاویر کا استعمال کیا جائے جو پڑھنے والون کی ضروریات کو زیادہ واضح کرین، اور محض زینتِ اشتہار ان کا منشا نہ ہو، تو کہین زیادہ عملی فوائد حاصل ہونے کی اُمید ہوسکتی ہے

انگریزی، امریکی تجارت کے فروغ کے اسباب تلاش کرو تو جہاں اور بہت سے معاشی یا سیاسی اسباب نظر آئین گے وہیں فن اشتہار بازی کی زیادہ واقفیت بھی ایک بڑا سبب معلوم ہوگا، جن لوگوں نے گلیکسو (GLOXO) البیوکیٹن (Albulactine) اسٹیفن کی روشنائیون اور لپٹن کی چائے کے اشتہارات دیکھے ہین، وہ بتلا سکتے ہین کہ یہ سب کتنے مربوط اور مسلسل ہوتے ہین، اپنے مختلف محاسن کے اعتبار سے دوسرون کے جذبات کو کس طرح تحریک دیتے ہین،

توجہ کو برقرار رکھنے، اور لوگوں کو کامیاب طور پر ترغیب دینے کی بہترین صورت یہ ہوسکتی ہے کہ معمولی وسائل دلچسپی کے علاوہ اشتہارات کے ذریعہ ان خواہشات اور رجحانات سے اپیل کی جائے، جن کی تسکین اشیائے مشتہرہ کر سکتی ہوں، کامیاب مشتہرین وہی ہوتے ہین جو اس گر کو

سمجھ لیتے ہین اور اپنے استہار کے آغاز مین پہلے تو خواہشات کو اِس طرح اُکساتے ہین کہ اشیائے مشتہرہ کی ضرورت واضح ہو جائے اور پھر دوسرے مشتہرین کے مقابلہ میں اپنی فوقیت کا اظہار کچھ ایسی خوش اسلوبی سے کرتے ہین کہ ادعائی میاں کے بجائے لوگوں کو وہ حقیقت نظر آتا ہے، مثلاً خضاب کا ایک اشتہار ہے،

"کیا تم پیری مین جوان بننا چاہتے ہو"

یہ دعویٰ تو نہین کیا جا سکتا کہ جس خواہش کو اِس عنوان کے ذریعہ تحریک دی گئی ہے، وہ کل ضعیف العمر حضرات کے قلوب مین موجود ہوتی ہے، پھر بھی کم از کم خضاب استعمال کرنے والا طبقہ اس طرزِ مخاطبت سے ضرور متاثر ہوتا ہے، آگے چلکر خضابون کے مختلف عیوب بتائے جاتے ہین، مثلاً تیزابیت کا ہونا، یا جلد پر داغ ڈالنا، یا دیرپا نہ ہونا وغیرہ سب سے آخر مین اپنے خضاب کو ان عیوب سے بری بتلاکر دو تین مستند ڈاکٹرون کے صداقت نامے دئیے جاتے ہین، اِس اشتہار کو نفسیاتی اعتبار سے مکمل تو نہین کہا جا سکتا، اِس کا عنوان بہت مِمکن ہو کہ اکثر حضرات مین ضد (Contravance) کا مادہ پیدا کر دے، کیونکہ گو خضاب کے استعمال کا مخفی مقصد وہی کیوں نہ ہو جو عنوان مین ظاہر کیا گیا ہے، تاہم اِس خواہش کا شعور حِسی سے نکال کر شعور کے سامنے لانا، مخاطب افراد کے ضمیر میں ایک طرح کی خلش پیدا کر دیتا ہے، وہ دراصل کم عمر معلوم ہونا چاہتے ہیں، لیکن یہ بھی نہیں چاہتے کہ کوئی اونکی اس خواہش کو پہچانے اِس سقم کے باوجود، اِس اشتہار میں کامیاب اشتہارات کے اکثر خصائص نفسی نظر آتے ہین،

عرض کہ اشتہارات میں کسی فطری خواہش کو تحریک دینا ضروری ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مختلف فطری خواہشات میں سے ایسی کون سی چیزیں ہین جن مین سے مشتہرین زیادہ مدد لے سکتے ہین، امریکہ کے ایک مشہور ماہرِ نفسیات ڈاکٹر ایڈورڈ ک، اسٹرانگ (Edward.K. Strong.) نے اِس بارہ مین متعدد تجربے کیے ہین، اور ان کی بنا پر چند مفید اصولوں کا استقصا کیا ہے، ایک تجربہ یہ تھا کہ اشیائے خورد و نوش کے متعلق میں مختلف اشتہارات جمع کیے گئے، اِن بیسون اشتہارات کی نقلیں پچاس

بی اے کامیاب اور بی، اے کے متعلمیں کے حوالہ کی گئیں، اِن لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ اِن اشتہارات کو بغور پڑھیں، اور ایک علیحدہ کاغذ پر اِن کی ترغیبی قوت کو لکھتے جائیں، یعنی یہ کہ اگر وہ خود اِن اشیا کو خریدیں تو مختلف مشتہرین میں سے کس سے خرید کرینگے جو اشتہار سب سے زیادہ ترغیب دیتا ہوا سے نمبر اول پر رکھکر بقیہ کو علی الترتیب اوس کے نیچے درج کرتے جائیں، جب یہ مختلف نتائج تجربہ کنندہ کے حوالہ کیے گئے اور اونکو جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ بلحاظ اثر جس اشتہار کو سب سے پہلے نمبر پر لکھا گیا وہ حسب ذیل تھا،

"ہمارے یہاں خورد و نوش کی جملہ اشیاء صاف ستھرے باورچی خانوں میں، پاک و صاف لوگوں کے ہاتھ سے صاف ستھرے برتنوں میں تیار ہوتی ہیں، قانون غیر آمیزش خوراک مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۶ء کے ماتحت ہماری دوکان کی گارنٹی ہو چکی ہے، ہر سال ہزارہا افراد ہمارے باورچی خانوں میں آکر بچشم خود چیزوں کو تیار ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں"

ڈاکٹر صاحب موصوف ان صفات کی ترتیب جن کی بنا پر مذکورہ بالا اشتہارات کم یا زیادہ مقبول ہوئے، درجہ وار حسب ذیل کرتے ہیں،

(۱) سب سے زیادہ ترجیح پاکی و صفائی کو دی گئی،

(۲) جن اشتہارات نے طبی صداقت سامنے دیکھے تھے اون کی مقبولیت دوسرے نمبر پر تھی،

(۳) ذائقہ اور صحت کی طرف جن اشتہارات نے اشارہ کیا تھا، اونکا نمبر تیسرا رہا،

(۴) چوتھا نمبر اون اشتہارات کا تھا جنمیں کارخانوں کی قدامت اور شہرت کا ذکر تھا، اور جمہوریت امریکہ کے سابق صدر روزولٹ (ROOSEVOLT) کی سفارش اور ارزانی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا،

(۵) پانچویں نمبر پر وہ اشتہارات تھے جن میں حسب ذیل، یا اونہی معنوں کے دوسرے جملے

درج تھے" ہر جگہ فروخت ہوتی ہیں" "ملکی تجارت کو فروغ دو" "عظیم الشان کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں"
وغیرہ وغیرہ،

اِس قسم کے تجربات دلچسپ ہونے کے علاوہ سبق آموز بھی ہوتے ہیں، اور اگر زیادہ بڑے پیمانے پر
کیئے جائیں تو اون کی مایہ صحیح نتائج بھی مستنبط ہو سکتے ہیں جو ظاہر ہے کہ تجارتی حیثیت سے بہت کچھ
مفید ہوں گے،

لیکن ایسے تجربات کا ایک نقص یہ ہوتا ہے کہ اُن کے استقرا ءمیں تعمیم کا وجود نہیں ہوتا، ایک
محدود حلقہ کے اندر یہ البتہ صحیح ہوتے ہیں، مثلاً اسی تجربہ میں دیکھو کہ اگر یہی بیس اشتہارات کسی
جامعہ کے طلبہ کی بجاے فوج کے سپاہیوں کے حوالہ کیئے جاتے تو مختلف صفات کی تبویب اور ترتیب موجودہ
صورت سے ضرور مختلف ہوتی، بہت ممکن ہے کہ صفائی کے بجائے زور و لٹ کی سفارش یا ارزانی کی صفات
ان لوگوں پر زیادہ اثر کرتیں، تاہم اِس قسم کے تجربات سے اتنا ضرور معلوم ہوجاتا ہے کہ عالب افراد میں
کونسی خواہشات توی تر ہیں، اور کونسی کمزور، اور اِسی بنا پر اشتہارات کی عمارت تیار کی جاسکتی ہے،

دوسری بات جو مذکورہ بالا تجربہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ ترغیبی پہلو کسی اشتہار میں
نمایاں ہوگا، اسی قدر کم احتمال اس کی کامیابی کا ہے، انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے
کہ کوئی شخص ہم پر کوئی خاص اثر ڈال رہا ہے تو ان میں ایک طرح کی "ضد" پیدا ہوجاتی ہے، اور قوت ارادی
کی خاص کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس اثر کو قبول نہ کیا جاوے، اسی طرح سے اشتہارات کی ترغیب بھی اسی وقت
کامیاب ہوسکتی ہے جب یہ "ضد" پیرایہ میں اور بالواسطہ دی جارہی ہو، جس اشتہار کو گزشتہ تجربہ میں اول
نمبر پر رکھا گیا تھا، اِسی میں دیکھو، تو ترغیبی پہلو کہیں صاف نہیں نظر آتا، ہندوستانی مشتہرین، اِس اصول کو
بھلائے ہوئے ہیں، اور اکثر اشتہارات ہماری نظر سے ایسے گزرتے ہیں جن میں بعض اوقات قسمیں تک دیجاتی
ہیں، اور تاکیدی عبارت مثلاً "آج ہی آرڈر دیجئے" "ضرور خریدیئے" "دیکھیئے دیر نہ کیجیئے ورنہ پھر موقع

ہاتھ نہ آئیگا" درج ہوتی ہے،

استہار بازی کا ایک جدید اسلوب جو امریکہ اور یورپ کے مشتہرین استعمال کر رہے ہیں، بحیثیت آلۂ ترغیب بہت کچھ کامیاب ثابت ہوا ہے، اِس طریقہ میں نہ تو غیر متعلق اور بے تکی تصویروں سے مدد لیجاتی ہے، اور نہ کوئی بے معنی عنوان قائم کیا جاتا ہے، "مضمون" کی طرح ایک آدھ کالم کی مسلسل عبارت ہوتی ہے جس میں منشاء اشتہار کے مطابق کوئی علمی، سیاسی، طبی بحث ہوتی ہے، ناظر کو تاوقتیکہ پوری عبارت نہ پڑھی جائے یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے کہ یہ اشتہار ہے یا کوئی بحث، اِسی سلسلہ میں عجیب بے ساختگی کے ساتھ شے مشتہرہ کا حوالہ دیا جاتا ہے، ذیل میں اِسی قسم کے ایک انگریزی اشتہار کا (جو آئی۔ ڈی ٹی لکھنؤ مورخہ ۲۳ مئی ۲۳ء سے لیا گیا ہے) ترجمہ درج کیا جاتا ہے،

"اگر تمھارے گردون مین کھڑکیان ہوتین"

"تو تم دیکھتے کہ وجع مفاصل، گردہ، جگر، مثانہ، اور معدہ کے جملہ امراض الغلوا مرا، شدید مرلہ، ریڑھ کا درد، ضعف وغیرہ یہ سب کی سب تیزاب کے اثر اور خون کے فساد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں،"

ڈبلو، جی، ایسٹ جو ۳۰ رسال تک کیمبرج مین معلم ورزش رہ چکا ہے، کہتا ہے:۔

"بغیر خون صاف کیئے ہوئے امراض کا علاج کرنا محض تضیع اوقات ہے"

یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بآسانی اِس کا ثبوت فراہم کیا جا سکتا ہے کہ مختلف عضویاتی امراض، اور دیگر شکایات جسمانی، سب براہ راست جراثیم، تیزاب، زہر آلود مادہ اور دیگر فسادات کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں، مثلا یورک ایسڈ کے اثرات سے گٹھیا اور اعصابی امراض، اور معدے کے تیزابوں کے اثر سے بدہضمی پیدا ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ٹیوبر کیولاس (TUBER CLOSIS) اور معمولی زکام کے درمیانی تمام امراض مہلک صورت اختیار کر لیتے ہیں تب طبیبوں کو یہ فکر ہوتی ہے

کہ کسی طرح رہبر کا دفعیہ کیا جائے، لیکن احتیاط کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ قبل از قبل خون کی
صفائی مدنظر رکھی جائے، ہر شخص کو چاہیے کہ وقتاً فوقتاً جگر کو تقویت پہنچا کر، معدہ اور گردوں کا
تنقیہ کرکے خون صاف کرتا رہے تاکہ تولید جراثیم کوئی مرکز ہی نہ رہے، اور یہ خون میں سرایت
نہ کرنے پاوے، خون اور نظام عصبی کو جراثیم اور دیگر فسادی مادے سے صاف کئے ہی بغیر ازالۂ
مرض کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا بغیر آگ کے بجھائے ہوئے دھوئیں کو دور کرنے کی
کوشش کرنا، تم اس کا ثبوت خود فراہم کر سکتے ہو اور وہ اس طرح کہ ایسے دوا فروش سے ایک
کم قیمت دوا جس کا رجسٹری شدہ نام الکیا سالٹریٹس (بہ شکل سفوف) ALKIA-
SALRATES — ہے، حاصل کرو، سادے پانی کے ایک گلاس میں چمچہ بھر سفوف ملا کر پیو، دو
تین دن کے استعمال کے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارے امراض رفتہ رفتہ رخصت ہو رہے ہیں
اور تمہاری صحت اور قوت میں بیّن اضافہ ہوتا جاتا ہے،،

اس قسم کے اشتہارات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ استدلال سے زیادہ اپیل کی جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ کسی طرح کی ظاہری ترغیب کا پتہ نہیں چل سکتا، اور ضد پیدا ہونے کے بدلے اثر زیادہ ہوتا ہے،

اشتہار بازی کا جدید ترین طریقہ بائسکوپ کا استعمال ہے، مشین کے ذریعہ متحرک تصاویر پردہ پر دکھائی جاتی ہیں، مثلاً لپٹن کی چائے کے اشتہارات بائسکوپ میں اس طریقہ پر دیئے جاتے ہیں کہ پہلے دوکان کی تصویر نظر آتی ہے، پھر کچھ لوگ آکر دوکان میں بیٹھتے ہیں، تھوڑی دیر میں چائے تیار ہو کر ان کے سامنے آتی ہے جس کو پی کر وہ بہت محظوظ ہوتے ہیں، سب کچھ ہو چکنے کے بعد کرۂ ارض کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص لپٹن چائے کی پیالی پھینکتا ہے، جو کرۂ ارض پر پھیل جاتی ہے، جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ تمام دنیا میں اس کی طلب ہے، پھر یہ عبارت لکھی نظر آتی ہے۔

"لپٹن کی چائے بہترین چائے ہوتی ہے"

اِس طریقۂ اشتہار بازی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ناظرین سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور پھر متحرک تصاویر کی وجہ سے تفریح اور مسرت کا تاثر پیدا ہوتا رہتا ہے،

کامیاب اشتہارات کی جو کچھ خصوصیات اوپر بتائی گئی ہیں، ان کے علاوہ ایک ضروری شرط اون کی کامیابی کی یہ ہے کہ اُنھیں متعدد مرتبہ شائع کیا جائے تاکہ ہر شخص انھیں پڑھ سکے، اور بار بار پڑھے، جب تم متعدد مرتبہ ایک ہی اشتہار کو دیکھتے ہو، اور تار کے ستونوں پر، مکان اور دیوار نیز اخبارات کے کالموں اور ریل کے ڈبوں مین سب جگہ تم کو وہی ایک مضمون، اختلافِ عبارت کے ساتھ نظر آتا ہے، تو تحسُّس اور ادراک کی حالت سے گزر کر یہ اشتہار بھی جزوِ نفس بنتا ہے اور کبھی نہ کبھی تم اِس سے متأثر ضرور ہوتے ہو، تکرار سے کسی شے کے جزوِ نفس بنجانیکی عام ترین مثال یہ ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی شے تمھارے کمرہ مین ہمیشہ ایک مقام پر رکھی جاتی ہو، اور تمھاری لاعلمی میں وہ وہاں سے ہٹائی جائے تو خواہ تم کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، تمھارے نفس مین ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے، ایک طرح کے خلا کا احساس ہوتا ہے، یہ احساس اس امر کی دلیل ہے کہ وہ چیز بتکرار ایک ہی مقام پر موجود رہنے سے، تمھارے شعور میں سرایت کر گئی تھی، مبلّغین کا بار بار کسی خیال کا اظہار کرنا اِسی مصلحت سے ہوتا ہے، عام مقولہ ہے کہ "کہنے سننے سے دیواریں ٹل جاتی ہیں،" اسی حقیقت کے ایک رُخ کو ظاہر کرتا ہے

ترغیب کی دیگر اقسام کی طرح، اشتہارات کا استعمال بھی ناجائز طور پر کیا جا سکتا ہے، سیاسی اُمور میں اشتہارات کی باطل ترین ترغیبیں بہت کچھ عام ہیں، اونکا استعمال زیادہ تر، افراد کی داعی کمزوریوں یا دیگر نقائص طبعی سے فائدہ حاصل کرنے کے لیئے کیا جاتا ہے، تجارتی اشتہارات میں بھی یہی عیوب ہوسکتے ہیں،

ہندوستان مین "اشتہاری دوا فروشوں" کی بدنامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، ان مین سے اکثر افراد ناکارہ اشیاء فروخت کرکے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تجارت مین خوش معاملگی سے کام نہیں لیتے،

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی نیت یہ بیہودہ ناجائز وسائل کے استعمال سے گریز نہ کریں گے، زائد سے زائد تعداد کو اپنے قبضہ میں لانے کی غرض سے یہ حضرات ادنیٰ درجہ کے جذبات کو مشتعل کرنا بھی معیوب نہیں سمجھتے، قانونی بندشوں کی موجودگی میں بھی بعض اوقات فحش ترین اشتہارات ہماری نظروں سے گزرتے ہیں، کم سمجھ لوگوں سے سند قبولیت حاصل کرنے کے لئے محض یہ لکھنا کافی خیال کیا جاتا ہے، کہ "نقشہ حال کے مطابق ہے"، کبھی کبھی انتہائی مبالغہ سے بھی کام لیا جاتا ہے، سنسنی پیدا کرنے والے الفاظ میں اشتہار دینا اشتہار بازی کا بہترین اسلوب خیال کیا جاتا ہے، ہم ذیل میں ایسے اشتہارات کی چند مثالیں درج کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہ خالص علمی بحث ہے، ذاتیات سے بحث کرنا مقصود نہیں،

(۱) **خون سے بچئے**

یعنی ہمارے یہاں کے نئے ریکارڈ سنکر دل خوش کیجئے،

(۲) **بڑے دن کو خون ہوگا،**

گراموفون کے ریکارڈوں کا اشتہار،

(۳) **یورپ اپنے گھر میں رہے،**

مصر کے کسی بزرگ کی تصنیف "مستقبل الاسلام" کا اشتہار ہے،

(۴) **زار روس کی ہتھکڑیاں،**

رسائل شیخ سنوسی کے ترجمہ کا اشتہار ہے،

(۵) **ہندوستان میں جہاد،**

محمود کی تاخت ہند اور حملۂ سومنات کے متعلق ایک کتاب کا اشتہار ہے،

مذکورۂ بالا اشتہارات کی سرخیاں نفس مضمون سے جو کچھ ربط رکھتی ہیں ظاہر ہے۔ ان سے صرف جلب توجہ مقصود ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ان پہ نظر پڑتے ہی طبیعت میں ایک طرح کا انتشار

آمیز شوق پیدا ہوتا ہے، لیکن دوسری سطر پڑھتے ہی بے ساختہ ہنسی آتی ہے، اور ترغیب کے بدلے تنفر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ذیل کی مثال سے واضح ہوگا کہ اِس قسم کے اشتہارات جلبِ منفعت کے لیئے کس طرح دیئے جاتے ہیں،

ہندوستان میں طاعون

ڈاکٹروں نے پیشین گوئی کی ہے کہ عنقریب طاعون بہت شدت کے ساتھ پھیلنے والا ہے، لوگوں کو چاہیئے کہ قبل از قبل الخ . (کم فہم لوگوں کا اِس دھوکہ میں آجانا، اور مشتہرہ دوا خریدنا مقام تعجب نہیں ہوسکتا)

اشتہاروں میں مذکورۂ بالا عیوب کی موجودگی کی ایک اہم وجہ سامانِ طباعت کی گرانی، اور اشتہارات کے بڑھے ہوئے نرخ ہیں، کچھ تو اِس وجہ سے کہ اشتہار بازی کو محض ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے اور زیادہ تر قلتِ گنجائش کی وجہ سے مشتہرین اِس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ کم سے کم جگہ میں اپنے مطلب کو ادا کریں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلائل و براہین کے استعمال سے قاصر رہ کر، مبالغہ آمیز، متوحش عبارت کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ گنجائش بھی کم لیجائے اور (ان کے غلط خیالات کے مطابق) اثر بھی زیادہ ہو، اشتہارات میں غلط بیانی، مبالغہ، بے سروپا تصاویر، بے تکے عنوانات وغیرہ کا وجود اسی سبب سے ہوتا ہے،

مذکورۂ بالا وجہ کے علاوہ ایک اور وجہ آجکل کی شدید مسابقت ہے، اگر بیس برس قبل کے اشتہارات کا آجکل کے اشتہارات سے مقابلہ کرو تو مؤخر الذکر میں تم کو اِن عیوب کا رنگ زیادہ گہرا نظر آئے گا، اسکی وجہ ظاہر ہے، تمدن کی ترقی، ضروریات کی کثرت، اور وسائلِ آمد و رفت کی سہولتوں نے مختلف ممالک کی تجارت گاہوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا ہے، چونکہ خریداروں کا حلقۂ انتخاب وسیع ہوگیا ہے لہذا ہر مشتہر اسی فکر میں رہتا ہے کہ دوسروں پر اپنے تفوق کا اظہار کرے، اور اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے جو ذرایع بھی کام دسکیں، استعمال کرے، زمانہ کا رنگ بتا رہا ہے کہ آیندہ اِس سے بھی سخت

مقابلہ ہوگا اور ممکن ہی کہ اشتہارات کی مبالغہ آمیزی، فریب دہی اور کثرت بھی اب سے کہین زیادہ ہوجائے،
ہندوستان کے مشتہرین اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ اشتہار بازی کو علمی حیثیت دینے
کے لیے تیار نہ ہون، اس مخصوص بحث پر مضامین و کتب کی ضرورت ہی، نفسیات کا ذوق رکھنے والے
حضرات محولۂ بالا تجربہ کی طرح بہت سے مفید تجربات کرسکتے ہیں، اور اس طرح سے نہ صرف ایک مفید علمی مقصد
بلکہ بالواسطہ ہندوستان کی تجارت کو بھی مدد دے سکتے ہین،

ہمارے ہندوستانی مشتہرین جو اشتہار بازی کے پیش پا افتادہ اُصولوں سے بھی ناواقف
ہین، شاید یہ سنکر تعجب کریں کہ دنیا کی عظیم الشان نمایش میں جہان اور بہت سے شعبے اور محکمے قایم ہین
وہان اشتہار بازی کا بھی ایک مستقل شعبہ ہے جو "بین الاقوامی مجلس اشتہارات" (INTER
NATIONAL ADVERTISIM CONVERTION) کے نام سے موسوم ہے، ابھی حال ہی میں اس
مجلس کا ایک اجلاس ہوا ہے، جس میں تمام دنیا کے مشاہیر تجار و دیگر سربرآوردہ اصحاب کے روبرو
ہندوستان مین یورپی اشتہار بازی کے متعلق تقریرین ہوئیں، اِن تقریرون مین اگرچہ اشتہار بازی
کے نفسیاتی اُصولوں سے کوئی بحث نہیں کی گئی، پھر بھی ایسی باتوں پر بحث کی گئی جو شاید ہندوستانی
اور خصوصاً اُردو مشتہرین کے لیئے خالی از منفعت نہ ہوں، اِن تقریرون کے ضروری اقتباسات اپنے
خیالات کے ساتھ پیش کیے جاتے ہین، اس سے ہمارے یہاں کے مشتہرین کو معلوم ہوجائے گا کہ ہندوستان
میں مغربی تجارت کی کامیابی میں اور اُوں کی کامیاب اشتہار بازی کا کہان تک دخل ہی
وہ لوگ اشتہارات مین کن اُصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں،

سب سے پہلے مسٹر ڈی کیمبر نے ہندوستانی بازاروں کی حالت پر تبصرہ کیا، ان کی یہ رائے
نہایت صحیح ہے کہ دوسرے ممالک کی بہ نسبت ہندوستان مین اشتہارات کی کامیابی کے بہت زیادہ
مواقع ہین، اِس کی وجہ یہ ہی کہ یہاں کے تاجر، دوکاندار اور سائنس اشتہار کے اصولون سے ناواقف ہیں

دوسرے درجہ کے شہروں کا تو ذکر ہی کیا، بڑے بڑے تجارتی شہروں مین بھی بہت کم ایسی ہندوستانی دوکانین نظر آئین گی جہاں کہ اشیا کو خوشنما اور جالبِ توجہ طریقہ پر سجایا جاتا ہو، "Shop — windows" (دریچہ ہائے دوکان) جو ہر انگریزی دوکان کا ضروری جزو خیال کیجاتی ہین، ہماری نظروں مین کوئی اہمیت نہین رکھتین، اس کا راز اگر ایک طرف ہماری تجارتی پستی مین مضمر ہے، تو دوسری طرف ہندی بلکہ ایشیائی فطرت بھی اس کی بڑی حد تک ذمہ دار ہے، ہماری فطرت سادگی پسند ہے، اور تجارت مین نمایش سے اتنی ہی دور دور رہتی ہے جتنی کہ زندگی کے اکثر شعبون میں، اس مین شک نہین کہ مغربی اُصولون کے تصادم سے یہ بات رفتہ رفتہ مٹتی جا رہی ہے، لیکن اب بھی کم از کم ساٹھ فیصدی تاجر اور دوکاندار ایسے نظر آتے ہین جو یا تو بازاروں میں سڑکون پر اپنا ساطحانہ پھیلائے ہوئے بیٹھے رہتے ہین، یا پھر اپنی دوکان کے اندر ایک عجیب بے نیازی کے ساتھ بیٹھے یا لیٹے نظر آتے ہیں، اور اپنی کسادبازاری کو خریدارون کے فقدانِ مذاق پر محمول کرتے ہین، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس دورِ مسابقت نے گاؤن یا شہرون کے حدود کو توڑ کر تمام عالم کو مدمقابل کر دیا ہے، اور آجکل "مشک کی خوشبو" کے علاوہ عُطار کی یادہ گوئی" کا بھی تجارت کی کامیابی مین بہت بڑا دخل ہو گیا ہے،

دریچون کی نمایش کے علاوہ، اشتہار بازی کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے کاغذون پر جلی قلم سے، اشتہار لکھکر شہر کے متعدد حصوں میں اسے چسپان کیا جائے، بڑے بڑے شہروں میں ہمیں اس قسم کے "پوسٹر" نظر آتے ہیں، لیکن اِن سے بھی پوری طرح فائدہ نہین اُٹھایا جاتا، ان میں سے اکثر تو کھیل، بائسکوپ وغیرہ کے اشتہارات ہوتے ہیں، اور اگر کسی چیز کے متعلق کبھی اشتہار دیا جاتا ہے تو وہ ایسا مضحک و بے سرو پا ہوتا ہے کہ خریدارون کی احتیاج مین شدت پیدا کرنا تو درکنار، اس سے اولٹا تنفر پیدا ہوتا ہے، کسی اشتہار میں جلی قلم سے "خوشخبری" لکھا ہوا ہوتا ہے، اوس کے نیچے کسی نئی دوکان کے قائم ہونے کی اطلاع ہوتی ہے، کہین بڑے بڑے حرفوں مین "مفت، مفت"،

لکھا ہوا نظر آتا ہے، پوسٹر اشتہارات کی عبارت ایسی ہونی چاہیئے کہ جتنی مرتبہ انھیں پڑھا جائے اتنا ہی وہ اپنی مختلف ترغیبی خصوصیات کی بدولت زیادہ حروف نقش سے رہیں اور اندر ہی اندر خریداروں کی خواہشات کو اکساتے رہیں، انگریزی مشتہرین نے گلی کوچوں میں اشتہاربازی کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ لوہے کی روغنی چادروں کا استعمال کرتے ہیں، اور انھیں شہر کے ممتاز مقامات، مثلاً اسٹیشن پلیٹ فارم، باغ وغیرہ میں آویزاں کردیتے ہیں، اگر ان چادروں کا استعمال ایک طرف اپنی قیمت کی وجہ سے بے سروپا اشتہاربازی کو روکتا ہے، تو دوسری جانب یہ زیادہ پائدار بھی ہوتی ہیں، اور پوسٹروں کی طرح موسمی تغیرات کا اثر اس پر نہیں ہوتا، میلنس فوڈ Mellnes food پیرس سوپ (Pears soap) اسٹیفس کی روشنائیاں، غرضکہ متعدد چیزوں کے اشتہارات ہمیں انھیں چادروں پر لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن کسی ہندوستانی مشتہر کی طرف سے ایسا ایک بھی اشتہار ہماری نظروں سے نہیں گذرتا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ایک طرف تو اخراجات کی زیادتی انھیں ان آہنی ٹکڑوں کے مستقل فوائد نہیں دیکھنے دیتی، علاوہ ازیں وہ ایسے انوکھے، جالب توجہ اور مضحکہ خیز اشتہارات کے لیئے ان کو موزوں نہیں پاتے، کیونکہ ان کو ہمیشہ "نئی سرخیوں" کی فکر رہتی ہے، مسٹر کیمر کی رائے میں، ان روغنی ٹکڑوں کا استعمال اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ:-

"عام طور پر ادنیٰ درجہ کے ہندوستانی ان ٹکڑوں کو اپنی دیواروں کی رہائیں یا چھتوں میں لگانے کی غرض سے چرا لیا کرتے ہیں"

اس رائے کے متعلق ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک انگریز کی رائے ہے، جسے وہ ہندی اخلاق کی پستی سے تعبیر کرتے ہیں، اور جسے ہم صرف ہندی مشتہرین کی لاعلمی کا نتیجہ سمجھتے ہیں تعجب ہے کہ انگریزی مشتہرین کی طرف سے جو روغنی چادریں شہر کے مختلف حصوں میں آویزاں کیجاتی ہیں، انھیں کیوں نہیں چرایا جاتا!

ہندوستان میں جہاں زندگی کے دوسرے شعبے، مذہب، رسم و رواج، ذات اور روایات کے پیچیدہ اثروں کے تابع ہیں، اسی طرح خرید و فروخت، تجارت وغیرہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، مثلاً اکثر ذاتیں خاص خاص اشیائے خورد و نوش کا استعمال مذہباً ناجائز سمجھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں ان چیزوں کے اشتہارات زیادہ کامیاب نہیں ہوتے اور دوسری اشیاء کے اشتہارات میں بھی اس کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ یہ کسی ذات یا فرقہ کے حسیات کے خلاف نہ ہوں، تعجب و افسوس کی بات ہے کہ اس معاملہ میں مغربی مشتہرین، ہندوستانی اشتہار بازوں سے زیادہ ہندوستانی فطرت کو سمجھے ہوئے ہیں، ایک انگریز مقرر کے الفاظ سنو،

"یورپ میں اشتہار بازی، ہندوستان کی بہ نسبت کہیں زیادہ آسان ہے، ذات کی تفریق، رسم و رواج، مختلف اقوام کا مختلف خوراک سے پرہیز کرنا، ان سب باتوں کی وجہ سے کچھ وہی ہندوستان کے لیے موزوں اشتہار تیار کر سکتے ہیں جو وہاں کا تجربہ اور مقامی حالات سے واقفیت رکھتے ہوں"

اشتہارات وہی کامیاب ہوتے ہیں جن کے تیار کرنے والے انسانی فطرت، اس کی خوبیوں اور کمزوریوں سے واقف ہوں، اور عملی نفسیات کی واقفیت کے ساتھ ساتھ وسیع نظر بھی رکھتے ہوں، اور نوعی اور انفرادی اختلافات طبائع کو بھی پیش نظر رکھتے ہوں، عام طور پر نفس انسانی بے شمار داخلی محرکات کے زیر اثر ہے، لیکن انہی محرکات میں سے بعض ایسے ہیں جن کا اثر کسی ایک قوم میں دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دیکھنے میں آتا ہے، اپنے گذشتہ صفحات میں ہم نے ان نفسیاتی خصائص سے بحث کی تھی جن پر اشتہار کی ترغیب منحصر ہے، لیکن کیا ہمارے مشتہرین ان سے واقف ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں؟ وہ صرف یہ کوشش کرتے ہیں کہ اشتہارات پر نظر پڑ جائے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے "عجائب پسندی" کے فطری شوق سے کام لیتے ہیں، اور صرف "عنوان" اور "سرخیوں" کے درپے رہتے ہیں، اس

تھوڑی دیر کے لیئے یہ مان بھی لیا جائے کہ "عجائب پسندی کا شوق" مشرقی اقوام میں مغربی قومون کی نسبت زیادہ ہی، پھر بھی صرف یہی ایک محرک اشتہار کی کامیابی کا ضامن نہین ہو سکتا، اِس شوق سے کام لیکر ہم ناظرین کے ذہن مین کسی سلسلۂ خیالات کا آغاز ضرور کر سکتے ہیں، لیکن اِس کے استمرار کی بھی کوئی سبیل ہونا چاہیئے؟ اِس حقیقت کو ابھی تک نہین سمجھا گیا ہے، مثلاً سطوت، یا شخصیت کے اثر ہی کو لو، ہر قوم اِس سے متاثر ہوتی ہے، لیکن نسبتہً اس کا چرچا ہندوستان مین زیادہ ہے، دوسرے ممالک کے مقابلہ مین یہان نام زیادہ بکتا ہے، اگر ایک مرتبہ عوام کی نظرون مین کسی کا اعتبار قائم ہوجائے تو اسکو آسانی کے ساتھ شہرت دوام حاصل ہوجاتی ہے، "راجرس" (Rodgers) کے چاقو چھریان، ہنکس کے لیمپ، ڈیٹز کی دستی قندیلین (Lanterns) لپٹن کی چائے "ہاتھی چھاپ" کاٹی کا تیل، ویسٹ اینڈ کمپنی کی گھڑیان، یہ سب کی سب اِس مرتبہ کو پہنچ چکی ہین، اِس کے برخلاف اگر ایسے ہندوستانی مشتہرین کو تلاش کرو جو ان ہی کی طرح مشہور و مقبول ہو چکے ہون تو تمھیں معدودے چند مثالیں نظر آئین گی، کیمر صاحب ہندی فطرت کی اِس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہین،

ہندوستان کے متعلق میرا تجربہ یہ ہی کہ وہاں انگلستان کی طرح پوری اثر تو نہیں ہوتا، لیکن نتائج مدور دیرپا ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے ہندوستان میں ایک دفعہ "ہوا" کا قایم ہوجانا انگلستان کے اتنے ہی بڑے "ہوا" سے کہیں زیادہ مفید ہوتا ہے، قدیم زمانے میں ہندوستان میں راجرس کے چاقو اور چھریاں بہت کچھ مشہور ہوئے تھے اور بساطیوں کے لئے ایسی چیزوں کو "راجرس" کے کارخانہ سے منسوب کرنا بہت آسان تھا، جو اس کے کارخانہ میں کبھی تیار بھی نہیں ہوئیں، مثلاً انگریزی ٹوپیاں ہندوستان میں کسی اچھے نام کو دیکھکر اوس کے ساتھ چمٹ جانے، کی ایک ادنیٰ مثال ہی،

کیا ہمارے ہندوستانی مشتہرین، ہندی فطرت کی اِس خصوصیت سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے؟ اگر وہ بااُصول اور صداقت آمیز تجارت و اشتہار بازی سے ایک دفعہ ایسا وقار قایم کرلین، تو ان کو روز روز عجیب وغریب اشتہارات دینے کی ضرورت نہ ہو،

دیمبلے کی "بین-قومی مجلس اشتہارات،، اِس غرض سے قایم ہوئی ہے کہ تمام ممالک مین اخباری اشتہارات کی اِصلاح کرے، یہ مجلس فن استہار بازی کے متعلق ایک کتاب کی ترتیب بھی کر رہی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے، ان لوگوں کے لیئے جو نفسیات سے واقف نہین ہین، یہ کتاب بہت مفید ہوگی، کیا ہمارے یہاں کے مشتہرین اب بھی پرانی روش پر پڑے رہیں گے، اور بالواسطہ، ہندوستانی تجارت کو نقصان پہنچاتے رہیں گے، ضرورت ہو کہ اُردو اشتہارات کو بھی اون کی موجودہ سطح سے بلند کیا جائے اور زمانہ کی بدلی ہوئی حالتون کے اعتبار سے اِنھیں بھی بدلا جائے، کسی زمانہ میں انگریزی استہار میں بھی "غوغائیت" (Barnumism)[1] کا دور دورہ تھا، آج کل کے ہندی اشتہارات کی طرح کبھی انگریزی اشتہارات بھی اپنی بلند آہنگی کے لیئے مشہور تھے، اڈنبرا کا ایک واقعہ ہے کہ وہان کسی بازار مین ایک مصور نے اپنی دوکان قایم کی اور اس پر لکھدیا:—

"یہاں اڈنبرا مین سب سے زیادہ اچھی تصویرین تیار کی جاتی ہین،،

اتفاق سے دوکان کو خوب فروغ ہوا، ایک اور مصور نے بھی وہین اپنی دوکان کھولی، اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لیئے اس پر یہ لکھوایا:—

---

[1] پی ٹی بارنم (۱۸۱۰ء-۱۸۹۱ء) ایک امریکی "مستہم" (Canvasser) تھے تجارت میں نمائش اور ہنگامہ آرائی کے سب سے پہلے مؤید تھے، انھیں چیزوں کو وہ تجارت کی کامیابی کا راز سمجھتے تھے، اِن کا اصول تھا کہ جو جتنا زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ اپنا مال مشتہر کرے گا وہی سب سے زیادہ کامیاب ہوگا لفظ بارنمزم (BARNUMISM) انھیں کے نام سے مشتق ہے ہم نے بجائے "بارنمیت،، کے "غوغائیت" کو زیادہ پسند کیا، ۱۲ وہاج الدین،

"یہاں تمام انگلستان سے اچھی تصویریں تیار ہوتی ہیں"

ان دونوں کے چلتے ہوئے کاروبار کو دیکھکر ایک اور مصور نے بھی وہیں دکان کرایہ پر لی اور عجیب ظریفانہ انداز میں اپنے پیشرودوں پر اپنی برتری کا اظہار کیا، اس نے صرف یہ عبارت استعمال کی،

"یہاں اس گلی میں سب سے اچھی تصویریں بنائی جاتی ہیں،"

لیکن آج کل اسم صفت کا استعمال پہلے کی طرح فراخ دلی کے ساتھ نہیں ہوتا، اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ اس قسم کے مشتہر صرف بدنام ہوتے ہیں، بلکہ عام طور پر لوگوں کو اشتہارات کی طرف سے بدظن کر دیتے ہیں، چنانچہ ہمارے یہاں اشتہاری کا لفظ عموماً تحقیر کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے اشتہاری حکیم، یا اشتہاری دوا، اشتہاری مدرسہ وغیرہ،

آج کل تجارت، اور اشتہارات کی کامیابی کے لیے صداقت بہت ضروری ہے، لنکان (Loncon) کا قول ہے:-

"تم کچھ لوگوں کو ہمیشہ بے وقوف بنا سکتے ہو، اور سب لوگوں کو تھوڑے عرصہ کے لیے دھوکہ دے سکتے ہو لیکن تم ہمیشہ سب لوگوں کی آنکھ میں خاک نہیں ڈال سکتے"

بڑے بڑے تاجر جیسے ٹامس بیرٹ (پیرس سوپ کے کارخانہ کے مالک) اب آجکل اس کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہیں کہ کوئی غلط بیانی نہ درج کیا جائے، اب رفتہ رفتہ اشتہار بازی کو بھی قعر مذلت سے باہر نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں تاکہ لوگوں کو مشتہرین کی خوش معاملگی کا تجربہ ہو جائے، اور اخباری اشتہارات کی طرف سے ان کا سوءظن جاتا رہے، ویبلے کی مجلس اشتہارات نے جن اصولوں کو مدنظر رکھکر اس اصلاح کی کوشش کی ہے، وہ اگرچہ مفصل طور پر اُسی وقت معلوم ہو سکیں گے جبکہ اون کی مکمل روئداد شائع ہو تاہم مخلاً وہ حسب ذیل ہیں،

۱- اشتہار اس اعتماد کا مظہر ہوگا جو کسی مشتہر کو اپنے مشتہرہ اسباب کی عمدگی پر ہوا کرتا ہے۔

گویا کہ تقریری حیثیت سے قطع نظر اس کی حیثیت آیندہ ایک ایسے صداقت نامہ کی سی ہوگی جو عام طور پر قابل قبول ہو،

(۲) یہ دیانت اور صدقیت کا ضامن ہوگا، اگر کوئی اشتہار ایسا نہ ہو تو اس کے مشتہر کو ضرور ناکام رہنا پڑے گا،

۳- اشتہار کا کام یہ ہوگا کہ وہ لوگوں مین "طلب" پیدا کر کے بڑے پیمانہ پر تیاری اشیاء کا محرک ہو،

۴- اشتہار بازی کی ایک مین، قومی مجلس کے قیام سے لوگون مین ایک طرح کا اعتماد ہوگا، اور مجلس کی کوشش یہ ہوگی کہ اس اعتماد مین روز بروز اضافہ ہوتا رہے،

یہ ہین وہ اُصول جن کی اشاعت کا ذمہ دیمبلے کی مجلس نے لیا ہے، کیا ہندوستانی مشتہرین بھی اس قسم کی مجلس کا خواب دیکھ سکتے ہیں، ہم اسے ناممکن نہین سمجھتے، لیکن انفرادی اصلاح اور بیداری کے بغیر اس قسم کی مشترکہ جد وجہد دشوار ضرور ہے۔ ہم بشرط فرصت اس چیز کے متعلق اپنے خیالات عنقریب ایک کتاب کی صورت مین پیش کریں گے السعی منی والاتمام من اللہ،

اشتہارات، **اشتہارات کی** ترغیب جن اصولون کی بنا پر ہوتی ہے اور جن طریقون سے اس کا ناجائز استعمال کیا جا سکتا ہے، ان سب کا اطلاق صحت کے ساتھ اخبارات کی ترغیب پر بھی ہو سکتا ہے، اس موقع پر ان کا اعادہ نہ کیا جائے گا اور صرف انھیں باتوں سے بحث کی جائیگی جو اخبارات کی ترغیب کے لیے مخصوص ہیں،

اخبارات کا وجود ہماری موجودہ زندگی کی ضروریات میں سے ہے، بے شمار فوائد سے ہم انکار نہیں کر سکتے، آلۂ ترغیب کی حیثیت سے دیکھو، تو اون کا حلقۂ اثر بہت بڑھا ہوا ہے، نشر واقعات کے علاوہ اہم الناس کے سامنے مسائل حاضرہ پیش کرنا، اور اون کو کسی نہ کسی خیال کی تائید پر اُبھارنا

یہ بھی چندان معیوب نہین کہا جا سکتا، یہ سب کچھ تو ہی لیکن اگر تصویر کے دوسرے رُخ پر نظر ڈالو، اخبارات کی باطل ترغیب کے طریقے دیکھو، تو تمھین اون مین یہ خرابیان اشتہارات سے بھی کہیں زیادہ نظر آئین گی، موجرالذکر مین قلت گنجایش مختصر عبارت چاہتی ہے، لیکن اخبارات مین سنسنی خیز واقعات کے علاوہ، غلط استدلال اور ناقص تمثیلات سے کام لیکر ترغیب باطل کا حلقۂ اثر زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہی، حماقتون کی باطل ترغیبات کے کرشمے بھی اون مین نظر آتے ہین،

ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے اخبارات حقیقی معنون مین ہندوستان کے اخبارات کہے جا سکتے تھے، اور کُل ملک کے متحدہ نقطۂ خیال کو ظاہر کرتے تھے، لیکن فرقون کے (سیاسی اور مذہبی) وجوہ نے اِس چیز کو باقی نہ رکھا، جیسے جیسے کہ افراد آزاد خیالی سے دست بردار ہو کر مخصوص حلقون مین سمٹتے گئے، ویسے ویسے اخبارات بھی خاص خاص فرقون کے خیالات کی نمایندگی کرنے لگے، حتیٰ کہ آج اِس وسیع ملک مین ایک اخبار بھی ایسا نہین ہے جسے حقیقی معنون مین متحدہ ہندوستان کی آواز کہا جا سکے، برخلاف اِس کے ہم دیکھتے ہین کہ ہر اخبار نے ایک خاص حلقۂ اثر اور ایک مخصوص نقطۂ خیال کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے، اور اوس کے وجود کا انحصار اِس پر ہے کہ جب کبھی آزادانہ اظہار رائے کی ضرورت ہو، تو اپنی پارٹی کا گراموفون بنے، اور اوسی کے خیالات کو ظاہر کرے، لبرل پارٹی کا اخبار، ماڈریٹ پارٹی کا اخبار، سوراج پارٹی کا اخبار، غرضکہ اسی طرح فرقہ وار اخبارات نظر آتے ہیں،

ہر اخبار کا اصلی طغرائے امتیاز یہ ہونا چاہیے کہ مسائل متنازعہ فیہ پر آزادانہ اظہار خیال کرے، ہمارے یہان کے اخبارات اپنے اغراض و مقاصد میں سب سے پہلے اِسی آزادانہ اظہار خیال کا دعویٰ کرتے ہین، لیکن آزادانہ اظہار خیال سے مراد کیا ہے، ظاہر ہے کہ صرف گورنمنٹ کے مقابلہ مین آزادی کے ساتھ رائے دینا اس مقصد پر حاوی نہیں ہے، اِس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ

ہر مسئلہ پر صداقت کا پہلو ہاتھ سے نہ دیکر استدلال اور متانت سے بحث کی جائے، پھر دیکھو کہ فرقہ وار اخبارات کہاں تک یہ کرتے ہیں؛ اپنی جماعت کے خیالات و معتقدات کی روشنی مین کسی مسئلہ کا حل نہ تو آزادانہ کہا جا سکتا ہے، اور نہ مبنی بر صداقت، ایسے اخبارات کی ترغیب بالکل وہی اثر کرتی ہے جو جماعات کی باطل ترغیب، اور جس سے ہم تیسرے باب مین مفصل بحث کر چکے ہیں، ایسے اخبارات بھی ہین جن کو اس بیان سے مستثنی کیا جا سکتا ہے،

ہندوستان مین تو خیر ابھی نہین لیکن امریکہ میں اور یورپ مین اخبارات کی حیثیت بالکل تجارتی ہوگئی ہے، اگر کوئی اخبار کسی سرمایہ دار یا پارٹی کا ترجمان ہے، تو صرف اسی جماعت کی آرا کی ترجمانی کو اپنا فرض سمجھتا ہے، مضامین کے طبع کرنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کا شایع کرنا کمپنی کے ڈائرکٹرون کے خلاف تو نہ ہوگا، بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ کوئی ذی اثر اقتدار پسند شخص کئی اخبارات خرید لیتا ہے، اور اون سے اپنے منشا کے مطابق کام لیتا ہے، اخفائے واقعات مین بھی تامل نہیں کیا جاتا، غلط بیانیاں بھی ہوتی ہین، لارڈ نارتھ کلف (LORD NORTHCLIFFE) جن کا انتقال ۱۹۲۳ء میں ہوا ہے، انگلستان مین خبروں کے بادشاہ کہلاتے تھے، تین سربرآوردہ اور کثیر الاشاعت اخبارات اُن کی ملک تھے، جو اون کی مرضی کے موافق ہر مسئلہ پر عوام الناس کی رایوں کو متأثر کرتے تھے،

کبھی یہ ہوتا ہے کہ متعدد اخبارات متحد ہوکر کسی خاص مقصد کی اشاعت کو اپنا فرض بنا لیتے ہین، اس کے اثر سے ابھی تک ہندوستان بچا ہوا ہے، لیکن اخبار فروشی، یہاں بھی ہوتی ہے، اخبارات ایک مالک کے قبضہ سے نکلکر دوسرے کے قبضے میں برابر منتقل ہوتے رہتے ہیں، اس کا لازمی نقصان یہ ہے کہ ان مین یکرنگی، اور ان کی پالیسی مین یکسانیت کا فقدان ہوتا ہے، یہ چیزین مختلف مالکون کے ساتھ ساتھ

۱۹۲۰ء سنہ میں لارڈ چمبرلین کی ایک تقریر کے اقتباسات دیئے گئے ہیں انکا مطلب لارڈ نارتھ کلف ہی سے تھا ۱۲ مؤلف

بدلتی رہتی ہین، تجارتی نقطۂ نگاہ سے دیکھو تو کسی اخبار کے اِس طرح فروخت کیئے جانے پر کوئی اعتراض نہین کیا جا سکتا، لیکن کسی قوم کی دماغی ترقی کے اعتبار سے، یہ بیع و شرح قابل تعریف نہین معلوم ہوتی، بازار طباعت مین آزادی رائے کا سودا کچھ خوش نہین آتا،

اخبارات کی خانگی اور ذاتی ملکیت تو جو عیوب رکھتی ہو وہ ظاہر ہے، لیکن جب کبھی کوئی حکومت اپنے ملک کے پریس کو اپنے قبضۂ اختیار مین لے لیتی ہو، تو اِس سے بھی زیادہ مُضر نتائج پیدا ہوتے ہین، سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ عوام الناس فطرتی طور پر بدظن ہوجاتے ہین، اخفائے واقعات کتمانِ حق، یک طرفہ اظہار رائے، یہ سب عیوب پیدا ہوجاتے ہین، اور حاکم و محکوم کے تعلقات مین فرق پیدا کر دیتے ہیں، انڈین پریس ایکٹ کے نفاذ نے ملک مین جو بے چینی پیدا کر دی تھی وہ ہر شخص جانتا ہے، ہمارے یہاں کے سرکاری اور نیم سرکاری اخبارات کو عام رائے جس نظر سے دیکھتی ہو وہ بھی محتاج بیان نہین، ایک خاص طبقہ سے قطع نظر، بقیہ تمام ہندوستان اِن اخبارات کی خبرون کو بلا تصدیق مزید صحیح نہین جانتا،

ضرورت اِس بات کی ہو کہ ہم اپنے ملک کے اخبارات کو جماعتی اثر سے نکالکر، ایسے اُصولون پر چلائین جن سے مفاد عامہ مدنظر ہو، اِس ضرورت کی اہمیت سے تو شاید کسی کو انکار نہ ہو، لیکن یہ سوال کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہو، آسانی سے حل ہوتا ہوا نہیں معلوم ہوتا، جب تک جماعات ایسا اقتدار برقرار رکھیں گی اوس وقت تک اخبارات پر یہی رنگ غالب رہے گا، جماعتون کے ناجائز اور مُضر اقتدار توڑنے کے لیئے ہم کو ان اصولون پر کاربند رہنا چاہیئے، جو باب چہارم میں بتائے جا چکے ہین،

باب ہفتم

ترغیب لفظی۔ کتابوں اور تقریروں کی ترغیب

کتابوں، اور تقریروں کی ترغیبی حیثیت، سہ گانہ عناصر ترغیب کا اون مین استعمال، دلائل، توضیحات، ظرافت، خوش طبعی، تشنیع وغیرہ، ترغیب کا موضوع

کتاب اور تقریروں کی ترغیب،

ابتک ہماری بحث ترغیب لفظی کی اون مختلف صورتون سے رہی ہے، جو اگرچہ مفہوم اور ساخت کے لحاظ سے ترغیب و تشویق کے کام تو ضرور آتی ہین، لیکن پھر بھی عام طور پر اون کو آلۂ ترغیب نہین کہا جاتا ہے، مثلاً اشتہارات، اخبارات، فن بیع وغیرہ وغیرہ، اس باب مین ہماری بحث ترغیب لفظی کے اون بڑے بڑے شعبون سے ہوگی، جو عرف عام مین "ترغیب" کہے جاتے ہین (مثلاً کتابوں اور تقریرون کی ترغیب) اور خاص خاص مقاصد کے لیئے استعمال ہوتے ہین، مثلاً سیاسی، یا معاشی، اخلاقی یا قانونی، اور مذہبی خیالات کی نشر و اشاعت، اس کا لحاظ رہے کہ جس طرح بحیثیت ایک نفسی عمل ہونے کے، ترغیب کے عناصر ترکیبی، ذہن، تخیلہ اور جذبہ ہوتے ہین اسی طرح سے کتب اور تقاریر کی ترغیبات میں بھی یہی تینون عامل رہتے ہین اور ایک دوسرے کی وساطت سے ترغیب کو مؤثر بناتے رہتے ہین، کسی مصنف یا

مقرر کی مثال لو، تم دیکھوگے کہ اوس کی ترغیب اوس وقت تک باا ثر نہین ہوسکتی، جب تک کہ
وہ اپنے خیالات مخاطبین کے سامنے مدلل، یا کم از کم دلیل کا پیرایہ مین پیش نہ کرے، ساتھ ہی ساتھ
اوس کے لیئے یہ بھی ضروری ہی کہ سامعین یا ناظرین کی قوت متخیلہ کو بھی تحریک دے اور جذبات اور وجدانات
سے اپیل کرکے اون کو بھی ہم آہنگ بنانا ضروری ہی، اس باب مین ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ
ذہن، تخیل، اور جذبہ کا یہ ایتلاف ثلاثہ کتابوں اور تقریروں کی ترغیب مین کسطرح عامل ہوتا ہی سب سے پہلے عنصر ذہنی کو لیتے ہین

عنصر عقلی کا استعمال کتب اور تقریرون مین

عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل و براہین کی صورت مین ہوتا ہے، ان سے
کام لیکر دوسرون سے اپنے مجوزہ طریق کار کو منوایا جاتا ہی، یوں تو دلیلین کئی قسم کی ہوتی ہیں لیکن
عام طور پر ان سب کو صرف دو اقسام پر منقسم کرسکتے ہین، یعنی دلیل استقرائی اور دلیل استخراجی،
ہر مصنف یا مقرر کے لیئے اِن دو طریقوں میں سے کسی ایک کا استعمال ناگزیر ہے، یا
تو وہ عوارض و واقعات سے نتائج اخذ کرے گا، یا پھر کلیات اور عام اصولون کی بنا پر خاص خاص
نتائج کا استنتاج کرے گا، کوئی بھی واقعہ ہو، اگر تم اوسے دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو، تو بہترین
طریقہ یہ ہے کہ پہلے اِس پر غور کرو کہ کس دلیل کا استعمال کیا جائے، آیا استقراء کیا جائے، یا
دلیل استخراجی کو کام میں لایا جائے، فرض کرو کہ تم کسی جلسہ مین کوئی تقریر کررہے ہو، یا کسی کتاب
مین دلائل سے کوئی بات ثابت کرنا چاہتے ہو، تو اوس کے ثبوت مین تم اِن میں سے کسی ایک، یا دونوں
کا استعمال ضرور کروگے، مثلاً اسی کتاب مین یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ "عمل ترغیب، ایک جذباتی عمل
ہے"، میں دونوں طریقوں سے کام لے سکتا ہوں، اگر مین یہ کہوں،

(۱) عمل ترغیب کا آغاز معتقدات سے ہوتا ہی،

(۲) معتقدات، دلائل کی بنا پر نہین، بلکہ جذبات کی شہ سے قائم ہوتے ہین،

(۳) عمل ترغیب جذبی عمل ہے،

تو یہ استخراج ہوا، (۱) کلیہ ہے یعنی ایک عام نتیجہ اسے منطق مین مقدمۂ صغریٰ کہتے ہین، (۲) مقدمہ کبریٰ ہے اور (۳) نتیجہ

دوسری صورت یہ ہوگی کہ مین متعدد مثالین پیش کرون، مثلاً

(۱) جذبہ سے لوگ اپنی رائے بدل دیتے ہین، ترغیبات کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے،

(۲) جذبہ کو شہ دیکر لوگون کو زیادہ آسانی سے ترغیب دی جا سکتی ہے،

(۳) بغیر جذبہ کی تحریک کے عمل ترغیب کا آغاز نہین ہوتا،

(۴)

(۵)

(۶)

لہذا عمل ترغیب جذباتی عمل ہے،

اِس صورت مین اِستقرار کیا گیا، یعنی خاص خاص واقعات، اور صورتون سے کوئی عام نتیجہ یا کلیہ نکالنا،

عام طور پر ان ہردو اقسام دلائل کے متعلق یہ ہدایت کی جا سکتی ہے کہ اگر اس کا یقین ہو کہ مخاطبین، پیش کردہ کلیات، و مسلمات کو قبول کر لین گے تو دلیل استخراجی کا استعمال کیا جائے لیکن اگر کلیات ہی کو لوگ تسلیم نہین کرتے تو اِس صورت مین قائل کرنے کا بہترین طریقہ دلیل استقرائی کا استعمال ہے، کیونکہ ثبوتی واقعات اور مثالون کے پیش کر دینے کے بعد تمھاری حسب خواہش نتیجہ نکالنے سے کوئی انکار نہین کر سکتا، یہ جو کچھ کہا گیا، برسبیل تذکرہ تھا، ورنہ اصلیت یہ ہے کہ خوا

کلیات ہوں، یا متفرق مثالیں، ایک دوسرے پر نہایت منحصر ہے، عام طور پر ہر دو اقسام دلائل کا ساتھ ساتھ استعمال کیا جاتا ہے

دلیل استخراجی، ترغیب میں اسکا استعمال | اب سے کچھ ہی زمانہ قبل لوگوں کا رجحان دلیل استخراجی کی طرف زیادہ تھا، اور آج بھی جب کبھی معاملات انسانی پر بحث آپڑتی ہے، تو اسی دلیل کا استعمال زیادہ تر کیا جاتا ہے، ماہران سیاست، عالمان معاشیات، مصلحانِ قومی، مشیرانِ قانونی، علمائے دین، غرضکہ ہر گروہ کے پاس اوس کے حسب حال کلیات کا ایک ذخیرہ موجود رہتا ہے، اور انہی کلیات کی روشنی میں مسائل حاضرہ حل کیئے جاتے ہیں، اِس طریقہ کو اگر محدود و مخصوص طور پر استعمال کیا جائے تو کسی کو بھی مجال اعتراض ہو، اسلیئے مباحثہ اور نظام خیالات کی ہر صف میں کچھ نہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بجا طور پر کلیات کا مفہوم پورا کرسکتی ہیں، اور ان میں تعمیم بھی ہوتی ہے لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ لوگ دلائل پیش کرنے کی زحمت سے بچنے، اور کفایت وقت کے خیال سے بغیر سوچے سمجھے کلیات پیش کرنے لگتے، اور ان کی بنا پر اپنے منشاء کے مطابق نتیجہ اخذ کرلیتے ہیں، اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ مسائل متنازعہ فیہ پر فی الحقیقت اِس کلیہ کا انطباق ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، مثلاً ارباب سیاست میں قدامت پسندوں ہی کے فرد کو لو، یہ حضرات بجائے اس کے کہ کسی جدید تجویز پر غور و خوض کریں، دلائل و براہین سے حالیہ واقعات اور تغیرات حالات کی روشنی میں اوسے دیکھیں، سرے سے اوسکو مسترد کردیتے ہیں، اور جواب میں یہ کلیہ پیش کردیتے ہیں "گزشتہ نظام عمل بہت کچھ کامیاب رہا ہے، ہر جدید تجویز قدیم نظامِ سیاست کے خلاف ہے، لہذا یہ بھی اوسی زمرہ میں ہے،"

اِس قسم کے متعرضات میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ عوارض و حالات کی تبدیلی کو قطعاً نظر انداز کردیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ فلاں کلیہ، جو آج سے دس یا بیس برس

پہلے صحیح تھا، حالات کے بدلنے سے آج بھی قابل قبول ہے یا نہین؟ آنکھ بند کرکے ماضی کی حال پر
تطبیق کی جاتی ہی، سیاست پر موقوف نہیں، بلکہ حیات انسانی کے ہر شعبہ مین جہان رسم ورواج
کی بندشیں، اور قدیم رواج کی کورانہ تقلید ترقی کی راہ میں مُحل ہوگی، تم کو یہی کیفیت نظر آئیگی،
قائدین جماعات، یا ججان عدالت کی تقریروں کو سُنو تو تقدیرات ((HYPOTHESIS
اور کلیات کی یہ گرم بازاری وہاں بھی نظر آئے گی، دلائل اول تو ہونگے ہین، اور اگر کچھ ہوں، اور
تمھارا تجسس اون کے سرچشمہ کی تلاش کرے تو دیکھوگے کہ جن اٹل مسلمات پر اونھون نے دلیلون
کی عمارت کھڑی کی ہی، وہ آج سے ۲۵ یا ۵۰ برس پہلے تو ضرور عاِلم وصحیح تھے، لیکن آج زمانہ کے بدل
جانے کی وجہ سے ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں رہی، ناظرین ہمیں معاف کریں ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ
جو شخص کسی سلسلۂ بحث مین دعویٰ کرے کہ میرے قائم کردہ مقدمات اٹل ہین، وہ ہرگز قابل اعتبار
نہیں، ہمارے نزدیک اوس کا دعویٰ محض ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے، جو اس کی ذاتی ناقابلیت استدلال
و استقرائے نتائج کی کافی پردہ پوشی نہیں کرتی۔

کلیات کا استقرا واقعات اور امثلہ سے کیا جاتا ہے، دلیل استقرائی مین یہ
کلیات قایم کیئے جاتے ہیں، اور دلیل استخراجی مین کسی کلیہ کو مقدمہ بناکر اوس سے کوئی خاص
نتیجہ نکالا جاتا ہے، مثالین اور واقعات جیسے کچھ تغیر پذیر ہین ظاہر ہی ہے، پھر اب اگر زمانہ قدیم
کے بعض کلیات آج قابل وقعت نہ سمجھے جائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہی، اون کی تردید سے
اون کے واضع پر کوئی حرف نہیں آتا، اوس کے علم وقیاس میں وہ یقیناً مسلمات کی حیثیت رکھتے
تھے، لیکن آج واقعات بدل گئے ہین تو وہ کلیات بھی بدلنا چاہئیں، قدیم زمانہ میں خیال رائج تھا
کہ "آفتاب سیارہ ہے جو زمین کے گرد گھومتا ہے"، اس قیاس کی حیثیت اوس وقت کے علوم
ہیئت وہندسہ میں بے شک کلیہ کی تھی، لیکن اگر آج کوئی شخص اسی قدیم کلیہ کو مقدمہ بناکر

بناکر کوئی نیا نتیجہ نکالے، یا نظریہ پیش کرے تو تم کہان تک اوسے صحیح سمجھوگے؟ یہی حال تمام کلیات کا ہے،
بہت سے یقیناً ایسے بھی ہیں جو آج اپنی قدیم حالت پر قایم ہین، ان کی تغلیط کا نفیا نے کوئی سبب
تلاش نہین کیا، لیکن کچھ ایسے بھی ہین جو اب صحیح نہین رہے ہیں، پس اون کو استعمال کرکے مخاطبین
کو کوئی ترغیب دینا، باطل ترغیب کہلائے گا، اور کسی شخص کا ان کلیات کی بنا پر کسی ترغیب کو قبول
کرلینا، ترغیب کی فریب دہی مین داخل ہوگا، انتخاب کونسل مین عورتوں کے حق الرائے کا مسئلہ جب
پیش تھا، تو اوس وقت اِس تجویز کے مخالفین کا عام ترین طریقۂ استدلال یہ تھا کہ وہ اپنی تقریر کو
عورتون کی ناقص العقلی کے اظہار سے شروع کرکے، حاضرین کو اپنے حسب منشا، ترغیب دیتے
تھے، اون کی دلیل بے شک صحیح ہوتی بشرطیکہ وہ اپنے اِس کلیہ کو بھی ثابت کردیتے کہ "عورتین
ناقص العقل ہوتی ہین"، کلیہ ہی ثبوت طلب تھا، تو اس کی بنا پر اخذ کردہ نتیجہ کب صحیح ہوسکتا تھا، لیکن
بہت کم لوگ تھے جو اسے سمجھتے، اور جو سمجھ گئے، اونھوں نے اون کی ترغیبات سے متأثر ہونا چھوڑ دیا،

اگر تھوڑی دیر کے لیے حیّات، اور جذبات کے دائرہ سے الگ ہٹکر ٹھنڈے دل سے قومون
کے زوال اور فنا کی وجہ تلاش کرو، تو اکثر صورتون میں تم دیکھوگے کہ اون کی بربادی میں دو زبردست
ترین عوامل روایات اور سند (AUTHORITY) رہے ہین، کسی قوم نے اوس وقت تک
ترقی نہین کی جب تک روایات کے دائرہ سے نکلکر مطابقت ماحول، کے اصول پر کاربند نہ ہوئی ہو،
اور بدلی ہوئی حالت کے اعتبار سے اپنے طرز عمل اور خیالات کو نہ بدلا ہو، واضح رہے کہ ہم متلون
المزاجی کی تلقین نہین کررہے ہیں، بلکہ استمرار حیات انفرادی و ملی کی زبردست ترین شرط بتارہے ہین

دُر مع الدہر کیف ما دارا

اور — اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

اِسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہین کہ:-

روایات کی مقبولیت کی وجہ تلاش کرو، تو یہی نظر آئیگی کہ انسان دلائل استخراجی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، اور یہ اسلئے کہ دوسروں کے بنائے ہوئے مسلمات اور کلیات، کو قبول کر لینا، استقرار، تلاشِ واقعات تحقیقِ امثلہ، فراہمی ثبوت، اور بہت سی دوسری زحمتوں سے بچا دیتا ہے، اور ترغیب دہندہ، اور اس ترغیب کے دینے والے دونوں اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اس استخراج پسندی کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد، ومعتقدات منجمد اور مرکوز ہو کر مجرد اصطلاحات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور سکۂ رائج الوقت کی طرح عام گفتگو میں دخل پا لیتے ہیں، اس قسم کی اصطلاحات کثرت سے اخباروں اور عام تقریروں میں استعمال کی جاتی ہیں اور باعتبار زمانہ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے، فی زمانہ کسی تحریک کے لیئے یہ کہدینا کہ اس میں استبدادیت، کی بُو آتی ہے یا کسی طریقۂ تعلیم کے لیئے یہ کہدینا کہ غلامی سکھاتا ہے، ان دونوں کے مردود ماننے کو کافی ہے، اور کسی مزید ثبوت لانے کی ضرورت نہیں رہتی، تقاضائے عقل تو یہ ہونا چاہیئے، لیکن ثبوت کی زحمت کون گوارا کرے، اور اسی لیئے ان اصطلاحات کو کلیہ کی حیثیت دیدی جاتی ہے، فاضل مصنف "فلسفۂ اجتماع" نے بھی اپنی اس کتاب میں جماعتوں کے خصائص سے بحث کرتے وقت اس قسم کی مجرد اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں،

"کسی شے کی برائیاں، یا خوبیاں تفصیلاً بیان کرنے کے بجائے، اوس کا محض ذکر ایسے الفاظ سے کرنا جو اندر نفرت یا رغبت کے جذبات پوشیدہ رکھتے ہیں، تخیل کے متاثر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے"

عبارت بالا میں تشریح طلب جملہ یہ ہے کہ "اصطلاحات نفرت یا رغبت کے جذبات کیوں پوشیدہ رکھتے ہیں؟" اس کا جواب ہمارے گزشتہ بیان سے مل جاتا ہے، استبدادیت، حریت، نوکرشاہی، قوم پسندی، دفتری اقتدار، ایسے بہت سے الفاظ جو اخباروں میں نظر

آتے ہین، لکھنے والے، اور پڑھنے والون کے معتقدات اور آراسے مبہر ہیں، اِن الفاظ کے کہدینے کے بعد، کہنے والے اور سننے والے، بخیال خود، کسی مزید توضیح و ثبوت کے محتاج نہین رہتے، اور بہت سے دلائل سے نجات پا جاتے ہین، بغیر سمجھے ہوئے محض ایک لفظ کا اطلاق کسی شے پر ہوتے دیکھکر اوس کو بُرا تصور کر لیا، اور یہ نہ غور کرنا کہ اس کا لفظ کا یہ اطلاق صحیح ہی یا غلط، بداہتہً جذبہ کے تسلط اور دلیل کی قوت کے فقدان کا ثبوت ہی،

ترغیب میں دلائل استقرائی، اور اون کے اقسام کا استعمال،

اب تک ترغیب مین دلیل استخراجی کے استعمال سے بحث کی گئی، اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل استقرائی کا استعمال جو عام طور پر لوگوں کو سمجھانے کے لیئے کیا جاتا ہے، کہاں تک صحیح ہوتا ہے اور کس حد تک اوس مین غلطی کا اندیشہ ہی،

(۱) **دلیل استقرائی** کا عام ترین استعمال تو اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک یا کئی مثالین پیش کرنے کے بعد کسی قضیہ کا بیان کر دیتے ہیں، مثلاً کسی پالسی کو مضرت رساں اور قابل تنسیخ قرار دینے کے لیئے پہلے خاص خاص مثالین اوس کے مضر اثرات کی بیان کی جاتی ہین، اور پھر بحیثیت مجموعی اوس کا مُضر ہونا مخاطبیں پر ثابت کر دیا جاتا ہے،

(۲) دوسری قسم دلیل استقرائی کی وہ ہوتی ہی جب مختلف اشیاء یا واقعات میں علاقۂ سببیت کی موجودگی کی بنا پر، کوئی استنتاج کیا جائے، اِس کی ایک صورت تو یہ ہی کہ علت سے معلول کا استنتاج کیا جائے، اور دوسری یہ کہ اس کے برعکس ہو، اول الذکر کی مثال تو یہ ہوسکتی ہی کہ چونکہ "درآمد سامان پر محاصل بڑھا دیئے گئے ہیں، لہذا ملکی تجارت کو فروغ ہوگا"، اور ثانی الذکر کی مثال یہ ہی کہ "ملک میں اجناس گراں ہیں اسلئے شاید اون کی برآمد آزادانہ طور پر ہو رہی ہے"،

(۳) دلیل استقرائی کی تیسری قسم مین تمثیلات و تشبیہات کے ذریعہ سے اِستدلال کیا جاتا ہے اور مشبہ بہ سے مشبہ کے متعلق استنتاج کیا جاتا ہے مثلاً یہ شعر ؎

موج ہے دریا مین اور بیرون دریا کچھ نہین — فرد قایم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

اِس قسم کے استدلال تمثیلی کی اچھی مثال ہی، اکثر مقررین تاریخ سے مثالیں پیش کرتے ہین، اون کی طرز استدلال بھی اِسی قسم کی ہوتی ہے، چنانچہ مشہور انگریزی خطیب برک (BURK) نے جب پارلیمنٹ کے سامنے امریکہ سے صلح کرنے کی تائید مین تقریر کی، تو اُس نے مثال مین آئرلینڈ اور ویلز کو پیش کیا، اور یہ کہا کہ جس طرح ہنری ہشتم کے عہد سے پہلے یہ دونون حصے ہمیشہ انگلستان سے برسرپیکار رہے" لیکن جون ہی کہ ان کو حقوق آزادی عطا کیئے گئے، جنگ وجدل بھی موقوف ہوگئی، اِس طرح امریکی نوآبادیات کو دوست بنانے کا بہترین طریقہ ان کو آزادی، اور انتظامِ سلطنت مین دخل دینا ہے،،

اِن ہرسہ اقسام استقرا سے کسی واقعہ کا قطعی ثبوت اوس وقت تک نہین بہم ہوسکتا جب تک کہ ان مین سے ہر ایک کے متعلقہ شرائط کی پیروی نہ کی جائے، مثلاً قسم اول مین مثالوں کا ناکافی یا ناقابل اطلاق ہونا، دلیل کو غلط کر دیتا ہے قسم دوم مین علاقۂ سببیت کا پایا جانا ہی کافی نہین ہے بلکہ علت قریب یا بعید، مستقیم یا غیر مستقیم کو بھی دیکھنا ہوتا ہی، اِسی طرح سے قسم سوم مین استدلال کے صحیح ہونے کا دارومدار کل وجہ تشبیہ کے تام اور کامل ہونے پر ہی، یہ تو خیر ایسی خامیان ہیں جن کا احتمال ہر دلیل استقرائی مین ہوتا ہے، لیکن سب سے اہم نقص اِس کا یہ ہے کہ واقعات اور حالات انسانی سے بحث کرتے وقت تم حکماً اور حتمی طور پر کسی قسم کا استقرا نہین کر سکتے، ہان مسائل سائنس یا موجودات غیر ذی حس سے بحث کرتے وقت اس کا استعمال البتہ قطعیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ترغیب کا موضوع سیاسی، معاشی، اخلاقی، غرضکہ کچھ ہی کیوں نہو، مگر بہت پیچیدہ ہی، علاوہ برین فطرت انسانی کے مظاہرات اِس قدر تغیر پذیر اور غیر قطعی ہوتے ہیں کہ اون میں کسی خالص علمی یا عقلی ثبوت کی گنجایش ہی نہین، معاملات انسانی پر جو لوگ اظہار خیال کرتے ہین، اون سے تم صرف اِسی قدر صحت استدلال اور ثبوت کی توقع رکھ سکتے ہو، جس کی اون کا موضوع بحث اجازت دے، کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی

مدبر سلطنت یا سیاست دان، قانون سلطنت وضع کرتے وقت عام طور پر فطرت انسانی کے متعلق کوئی دعویٰ کر سکے، ہرگز نہین، اوس کے دعودن مین تعمیم اور جامعیت ہو ہی نہیں سکتی، ہاں یہ بے شک ممکن ہے کہ کچھ افراد یا عالب تعداد افراد کے لحاظ سے اوس کا دعویٰ بے شک صحیح ہو، اس ایک مثال کو پیش نظر رکھو، تو معاملات انسانی میں دلیل استقرائی کے محدود، اور غیر جامع ہونیکی ایک اور وجہ بھی نظر آتی ہے، کسی عالم طبیعیات کے پاس ثبوت کا ایک اور وسیلہ اختبار (EXPRIMENT) ہے، لیکن اگر کسی سیاست دان کی حالت پر غور کرو تو اوس کے موضوع میں اس کا امکان ہی نہیں پایا جاتا، فطرت انسانی پر تجربہ کرنا آسان نہین ہے، تاریخ آج تک محمد تغلق، چارلس اول، اور لوئس شاہ فرانس کی خام خیالی کا ماتم کر رہی ہے، ہماری تحریک عدم تعاون، ہجرت وغیرہ کا سبق بھی، بالخصوص اس باب میں کچھ کم عبرت آموز نہین ہے،

قصہ مختصر یہ کہ کسی ترغیبی عمل میں دلائل استقرائی کو آنکھ بند کر کے قبول نہ کرنا چاہیئے، ایسا کرنا، اور ظاہری معقولیت سے مرعوب ہوجانا فریب دہ ہوگا، تم شاید یہ اعتراض کرو کہ جب ہر دو اقسام استدلال (استقرائی، اور استخراجی) مین غلطیوں کا اتنا احتمال ہے، تو پھر عنصر ذہنی کی وساطت سے جائز طور پر ترغیب دینا کس طرح ممکن ہے؟ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "ہر معاملہ کے دو رُخ ہوتے ہین" یہ واقعی صحیح بھی ہے، ترغیب دہندہ کا کام صرف اسی قدر ہے کہ جس "رُخ" کو وہ سمجھتا ہے اور پسند کرتا ہے اوسے حتی الوسع واضح اور مدلل بنا کر اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کرے، اور قطعیت کے ساتھ حکم لگانے سے باز رہے، استدلال کا استعمال قیاسی، اور اعتباری حیثیت سے تو ترغیب مین البتہ ہو سکتا ہے لیکن دعوی کے ساتھ ممکن نہین،

کتابون اور تقریرون مین عنصر تخیلی کا استعمال

ترغیب مین عنصر ذہنی کا جو کچھ حصہ ہوتا ہے، وہ اور نیز اوس کے استعمال سے ہم بحث کر چکے

اب ترغیب کے دوسرے عنصر یعنی تخیل، کو لیتے ہیں،

توضیحات | جس طرح عنصر ذہنی کا عام ترین استعمال دلائل کی صورت مین ہوتا ہے، اوسی طرح عنصر تخیلی کا استعمال توضیحات کی صورت میں کیا جاتا ہے، اِن توضیحات مین زیادہ تر صنائع لفظی کا استعمال ہوتا ہی، مثلاً تمثیل، استعارہ، تضاد، مبالغہ وغیرہ، کہنے کو تو توضیحات اور دلائل علیحدہ علیحدہ الفاظ ہین، لیکن مشتراں میں کوئی زیادہ تفاوت قایم نہین کیا جاسکتا، کتابوں اور تقریروں مین بہت سے دلائل ایسے نظر آتے ہیں، جن کی ثبوتی حیثیت منطقی اعتبار سے، توضیحات سے زیادہ نہین ہوتی، بات دراصل یہ ہے کہ توضیح کا خواہ زبانی ہو، یا تحریری، اشیائے محسوسہ کے ذریعہ سے کی جائے یا لفظی مثال دی جائے، مقصد اولی یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دماغ مین کسی مسئلہ کے متعلق جو تصورات وخیالات دھندلے اور مبہم ہوں، اون میں وضاحت پیدا کردی جائے، ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت، یا کسی طرز عمل کی پیروی کے لیے وضاحت خیالات ناگزیر ہی، توضیحات سے چونکہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے اسلئے اکثر اوقات ان کا اثر وہی ہوتا ہے جو دلائل کا ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہی کہ جتنا زیادہ جو خیال ہمارے دماغ مین واضح اور صاف ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ سہولت کے ساتھ وہ عملی صورت بھی اختیار کرلیتا ہے، اِس اعتبار سے بھی ترغیب میں توضیحات کی اچھی خاصی اہمیت ہی، ان کی وساطت سے ترغیب دہندہ اپنے حسب منشا افعال کرا سکتا ہی، تیسری بات توضیحات میں یہ ہوتی ہے کہ وہ مخاطب میں ایکطرح کی فرحت اور خوشنودی کا تاثر پیدا کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے اون میں اخذ اور قبول کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے، اِس نقطۂ نظر سے دیکھو، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنصر جذبی کی بھی ہم آہنگ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ توضیحات، دلائل اور جذبات کی ہمنوائی کرتی ہیں، لیکن اصلیتہً اس کی حیثیت تخیلی ہے نہ کہ عقلی یا جذبی، عام طور سے یوں کہہ سکتے ہو کہ جس طرح سے کہ ترغیب مین عنصر عقلی دلیلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہی اسی طرح سے عنصر تخیلی توضیحات کی وساطت سے اپنا کام کرتا ہے،

ذیل کے اقتباس سے توضیح کا عنصر تخیلی ہونا بخوبی ثابت ہوجائے گا، یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ترغیب مین اِس کا استعمال کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، یہ اقتباس جان برائٹ[1] کی تقریر سے لیا گیا ہے، مقرر کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ حکومت کی حریفانہ خارجی پالیسی کی قربان گاہ پر رعایا کی "گاڑھی کمائی"، اور ملک کی ثروت کس طرح نذر کی جارہی ہے، اوس کی توضیح مین آپ کہتے ہین۔

"مین بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اِس چھلاوہ (توازن اقتدار۔ آزادی یورپ) کی عبث تلاش مین ہمارے اِس چھوٹے سے بے بضاعت جزیرے سے، اور رعایا کی گاڑھی کمائی سے حاصل کیئے ہوئے کم از کم ۲ ارب پونڈ بے دریغ خرچ کردیئے گئے ہیں، میں اِس رقم کا خیالی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا، اِسی لیئے میں آپ حضرات کو بھی کوئی اندازہ نہین بتا سکتا کہ یہ رقم کس قدر ہوتی ہے، لیکن جب کبھی میں اِس رقم کا خیال کرتا ہون تو میری آنکھوں کے سامنے ایک عجیب وغریب مرقع آجاتا ہے، میری نظر کے سامنے آپ کے ملک کا شریف کسان زمین کھودتا اور ہل چلاتا ہوا معلوم ہوتا ہے، فصل بوتا ہے، پھر اُسے کاٹتا ہے، گرمیون کے سُورج کی تیز شعاعین اوسکو پسینہ مین تر بتر کیئے دیتی ہیں، یا شدید جاڑے اُسے قبل از قبل ضعیف بنائے دیتے ہیں، پھر میرے خیال مین آپ کے ملک کے شریف اور مضبوط دست کار کی تصویر آتی ہے، اوس کا مردانہ چہرہ، اوس کی مہارت فن میری آنکھوں میں گھوم جاتی ہے، میں دیکھتا ہوں کہ وہ بنچ پر بیٹھا ہوا دیدہ ریزی کر رہا ہے، یا بھٹی کے پاس موجود ہے، اِس کے بعد میرے پیش نظر آپ کے ملک کے شمالی حصہ کے کارخانے آتے ہیں، مجھے ایک کام کرنے والے کی دھندلی تصویر اب بھی نظر آتی ہے، لیکن تصویر جب زیادہ صاف ہوتی ہے تو عورت کی شکل معلوم ہوتی ہے، عورت کیا ملکہ یون کہیئے کہ ایک شریف اور باحیا دوشیزہ جیسی کہ میری یا آپ کی بہنین اور بیبیان ہیں، دیکھتا ہوں کہ یہ غریب لڑکی چرخہ

[1] جان برائٹ، (JOHN BRIGHT)

چلانے مین ہمہ تن مصروف ہی، جس کی گردشون کے سامنے اس کی آنکھ تھک تھک جاتی ہے،

اِس جگر خراش منظر کے بعد میرے خیالی مرقع مین آپ کے ملک کے ایک اور فرقۂ آبادی کی تصویر آتی ہے۔ مین غریب کان کنوں کو اپنی آنکھون کے سامنے دیکھتا ہون، جن کو زیر زمین رہتے ہوئے اتنی مدت گزری کہ آفتاب کا وجود اون کے لیئے خیالی شے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، یہ بیچارے زمین کا جگر شق کرکے اس ملک کے تمول اور اس کی کثرت کے عناصر نکالتے ہیں، مین یہ سب نظارے دیکھ چکا ہون تو بھی مجھے ڈیڑھ ارب پونڈ کا تصور ٹھیک طور سے نہین ہو سکتا، ہان ایک بات کا تصور البتہ واضح تر ہو جاتا ہی، اور وہ کیا؟ آپ کی حکومت کی شدید ترین غلطی جس کی مہلک پالیسی کی بدولت اِس ملک کی آدھی دولت کم از کم ایک ثلث ہر سال فضول خرچ ہو جاتی ہے، خداوند تعالیٰ کا منشا تو یہ تھا کہ کثیر رقم جو آپ لوگون کی محنت سے حاصل کی جاتی ہے، اِس ملک کی بہبود اوس کی سرسبزی، اور زرخیزی مین کام آئے لیکن یہی رقم دنیا کے ہر گوشہ مین ہر سال کمال بے دردی سے لٹا دی جاتی ہے، جس سے اہل انگلستان کو کسی طرح کا کوئی فائدہ نہین،،

مقابلہ وموازنہ، **مقابلہ اور موازنہ سے بھی** اکثر اوقات کتابون اور تقریرون مین واقعات کی توضیح کی جاتی ہے، دیگر اقسام توضیحات کی طرح اِن کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ واقعات مین وضاحت پیدا کر دیں، اور ساتھ ہی ساتھ دلچسپی اور جدت بھی ہوتی رہے، مقابلہ اور موازنہ سے ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی وساطت سے کوئی مقرر یا مصنف ایک ہی واقعہ کو تکرار بیں کر سکتا ہے، لیکن اس تکرار سے مخاطبین کی دلچسپی مین فرق نہیں آنے پاتا، حالانکہ عام طور پر تکرار اور دلچسپی مین نسبت معکوس ہے یعنی اول الذکر مین اضافہ دوسرے مین کمی کو مستلزم ہی، دوسری بات یہ کہ مقابلون اور موازنون کے ذریعہ سے کتابون اور تقریرون مین زندہ دلی اور ظرافت کی جھلک بھی پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ دونون باتین ترغیب کی کامیابی مین بہت کچھ ممد و معاون ہوتی ہین، ہر مقابلہ مین مشترک اُصول یہ ہوتا ہے

کہ دقیق الفہم چیزون کو سہل اور معلوم چیزون کے ذریعہ ذہن نشین کیا جاتا ہے، یا تجریدی خیالات کو سمجھانے کی غرض سے، تجربات حسی اور اشیائے محسوسہ کو استعمال کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے موازنون اور مقابلون مین موجودات قدرت، حیات نباتی وحیوانی، اعمال نشو ونما، مشاغل اور تفریحات انسانی وغیرہ کا استعمال نہایت لطافت کے ساتھ کیا جاتا ہے، مقابلون کی توضیحات مین وہی حیثیت ہوتی ہے، جو تمثیلات کی دلائل مین، اور کبھی کبھی تو ان دونون مین فرق کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے، اگر ان دونون کو عمیق نظر سے دیکھو تو پتہ چلتا ہے کہ جسے تمثیل کہتے ہین اوس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اصل واقعہ یا اصل حالت سے ملتے جلتے واقعات اور حالات کا بیان کر دیا جائے، واقعات، اور حالات سے یہ مراد کہ جو در حقیقت کسی وقت مین پیش آچکے ہون، اس کے بالکل برعکس، مقابلہ مین کسی واقعہ کو سمجھانے کے لیئے کوئی فرضی مثال یا اختراعی واقعہ استعمال کیا جاتا ہے، واقعیت کا پایا جانا اوس مین ضروری نہین سمجھا جاتا، تمثیلات اور توضیحات مین دوسرا فرق یہ ہے کہ تمثیل کو دلائل مین استعمال کرتے وقت اس کا خاص لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ ممثل اور ممثل لہ خاص خاص باتون مین ایک دوسرے سے انتہائی مشابہت رکھتے ہون، برخلاف اس کے مقابلہ کو بحیثیت توضیح استعمال کرتے وقت صرف سطحی مشابہت یا ظاہری فرق پر اکتفا کی جاتی ہے، ذیل کی مثال کو غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزون کا مقابلہ یا موازنہ محض سطحی فرق یا مشابہت کی بنا پر کس طرح کیا جاتا ہے، یہ اقتباس رائٹ آنریبل رابرٹ لو کی اوس تقریر کا ہے جو صاحب موصوف نے ۲۶ اپریل ۱۸۶۶ء مین دارالعوام انگلستان مین کی موضوع بحث "اصلاح پارلیمنٹ" تھا، صاحب موصوف کے مخالفین نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر حق الرائے جو اس وقت خاص اہلیت کی بنا پر لوگون کو حاصل ہے عام کر دیا جائے، تو رائے دہندگان کی خرابیاں، مثلاً رشوت ستانی وغیرہ خود بخود مٹ جائین، اس کی مخالفت کرتے ہوئے صاحب موصوف نے حسب ذیل مقابلۂ توضیحی سے کام لیا۔

"ہمارے مخالفین کا بیان ہے کہ موجودہ بیماری کا علاج یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد کو حق رائے دیکر اِس رہبر کی قوت کو کم کر دیا جائے، جس طرح سے کہ تیزاب مین پانی ملانے سے اوس کا اثر کم ہو جاتا ہے،

اگر بیماری کی طرح صحت بھی متعدی ہوا کرتی، اور اس کا سریان بھی ممکن ہوتا، تو ہم اس برائی منطق کے سے تک قائل ہو جاتے، لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے، اگر میرے پاس نصف درجن بیمار مویشی ہوں، اور مین ۱۰ عدد تندرست مویشیوں کو اُن کے ساتھ رکھوں تو میری اِس تدبیر سے صحیح مویشی تو البتہ بیمار پڑ سکتے ہیں، لیکن پہلے کے بیمار مویشی کسی طرح اچھے نہین ہو سکتے"،

غور سے دیکھو کہ رشوت ستان، رائے دہندگان پر بیمار مویشی کی تطبیق کس حد تک درست کہی جا سکتی ہے نیز رشوت ستانی، کو مرض متعدی، بنا کر اس کی بنا پر استدلال کرنا کس قدر سطحی اور غیر حقیقی مقابلہ ہے، لیکن مقابلہ میں یہ چیزین جائز ہین، تمثیل مین نہیں،

قصہ گوئی، روایت، حکایت،

توضیح کی ایک اور قسم جس کی بنا منطق کے اصول مشابہت پر ہے، کسی قصہ یا روایت کا بیان کرنا ہے، جو قصے جائز طور پر استعمال کیئے جاتے ہین، اون مین کسی ایسی ہی صورت حالات کا بیان ہوتا ہے جیسی کہ موضوع بحث مین موجود ہے اور جس سے موخر الذکر پر روشنی پڑتی ہے، فرضی اور غیر متعلق قصے ترغیب کو ناجائز بنا دیتے ہین، اور مخاطبین ان کے دھوکے میں آسانی آجاتے ہین،

قصّون کا استعمال کتابوں اور تقریروں میں بہت عام ہے، شروع مضمون میں ان سے تمہید کا کام لیا جاتا ہے، اور مخاطبین کو آیندہ خیالات کے سمجھنے کے لیئے تیار کیا جاتا ہے، دوران مضمون مین اِن سے تفہیم میں مدد ملتی ہے، مذہبی مباحث میں قصّون کا استعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے

اِس کی وجہ یہی ہے کہ روحانیت، حقانیت، عقائد اور اعمال کی تجریدی بحثین بغیر اس قِسم کی توضیح کے عام لوگون کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں، کتب الہامی مین کثرت سے قِصے ہوتے ہیں، اور اُن سے پیچیدہ باتوں کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے،

ہر توضیحی قِصہ کی صِفت خصوصی یہ ہونا چاہیے کہ معاملۂ زیر بحث پر اوس کا حقیقی مفہون میں اطلاق ہو سکے محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیئے ایسے قصے بیان کرنا جنمیں اور موضوع بحث میں کوئی اتحاد اور رابطہ ہی نہو، ترغیب باطِل کا پتہ دیتا ہے، توضیحات عام طور پر جالب توجہ ہوتی ہیں اور دلچسپی پیدا کرتی ہیں، اسی وجہ سے اکثر اوقات مقرروں اور مصنفوں کو اون کے استعمال کی خاص خواہش ہوتی ہے، اسلیئے نہیں کہ مضمون زیر بحث پر اوس سے روشنی پڑے، بلکہ محض اسلیئے کہ لوگون کی توجہ کو اپنی طرف مائل کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ نام نہاد خطیب اور بازاری زعما اپنی تقریروں مین ایسی مثالین بیان کرتے ہین، جو دائرۂ بحث سے باہر، اور بے ربط ہوتی ہیں، یا ایسے موازنون اور تصوون کا استعمال کرجاتے ہین جن کا تعلق نفس بحث کے ساتھ سطحی اور غیر حقیقی ہوتا ہے، اور جن کی حیثیت تلبیسات سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی، ہر اخبار بین، ذراسی کوشش اور تلاش سے اِس قِسم کی مِثالیں سیاسی تقریروں سے ڈھونڈھ سکتا ہے،

عُنصرِ جذبی کا استِعمال کتابوں اور تقریروں مین

ترغیب کے لیئے جذبہ کا دخل لازمی ہے؛ **جس طرح** عنصرِ ذہنی کا عام ترین اظہار دلائل اور عنصر تخیلی کا توضیحات کی شکل مین ہوتا ہے، اسی طرح سے عنصر جذبی کا اظہار چند خاص خاص صورتوں مین کیا جاتا ہے، مثلاً استفہامیہ جملے کہنا، یا کلمۂ حیرت کا استِعمال (اللہ- اللہ آج وہ دن ہے کہ . . . . .) مخاطبت یا ندا " بھائی مسلمانو!، دیش بندھوو، وغیرہ، پیش رائے مثلاً (وہ دن دور نہیں ہے کہ جب . . وغیرہ وغیرہ) تفصیح (جیسے اون لوگوں پر خدا کی مار ہو وغیرہ) خدا وند تعالیٰ کو مخاطب کرنا جیسے

خدایا تیرے ہاتھ بڑے ہیں ...)

اگرچہ فی زمانہ متانت اور سنجیدگی کے مواقع پر جذبات کو تحریک دینا خطابت کا کمال متصور نہیں ہوتا، بلکہ اونھیں مخفی رکھنا اور استدلال کا پہلو لئے ہوئے بحث جاری رکھنا جزوِ فصاحت ہوگیا ہی تاہم مذکورۂ بالا صورتوں مین سے بہت سی آج کل بھی رائج ہیں، ایسی تحریرین ناظرین کو الہلال کی مجلدات - اور بالخصوص مقالات افتتاحیہ میں بہت کثرت سے نظر آئین گی، تقریری ترغیب مین تو اون کا استعمال بہت ہی زیادہ ہوتا ہی، تحریرون پر فرصت کے مواقع پر غور کیا جاسکتا ہی، لیکن مقررون کو اتنی فرصت کہان کہ مدلل بحثون سے اپنا مقصد حاصل کرین، لہذا وہ زیادہ تر جذبات سے بحث کرتے ہیں، اور سامعیں کو متاثر کرنے مین کامیاب ہو جاتے ہین،

جذبات کی اپیل اگرچہ بہت سے نقائص رکھتی ہی تاہم ترغیب کی کامیابی کے لیئے ان کا استعمال ناگزیر ہی، جذبہ بمنزلہ ایک قوت محرکہ کے ہی، جو ترغیب دہندہ کی ذات سے گزر کر اوس کے مخاطبیں پر بھی اثر کرتی ہی، اور ان سے کسی مجوزہ طرزِ عمل کی پیروی کراتی ہی، اُسکے بغیر ترغیب ہو ہی نہین سکتی، جب ہم کسی روش یا نقطۂ خیال کی مخالفت کرنا چاہتے ہین تو ہمارے دل مین رنج، شرم، خوف، توہین وغیرہ میں سے کسی ایک جذبہ کا تسلط ہونا ضروری ہی، اور اسی کو ہم اپنے مخاطبین میں پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہین، یعنے جب ہمارا مقصد یہ ہوتا ہی کہ لوگون کو کسی طرزِ عمل کی طرف مائل کیا جائے تو اوس صورت مین ہم اون جذبات سے مدد لیتے ہین جس سے تقویت یا تحریک ہوسکے، مثلاً امید، حبُّ الوطنی، رشک، غصہ، ان دو صورتون کے علاوہ کچھ اور جذبات ایسے بھی ہوتے ہین جو اگرچہ بذاتِ خود تحریک یا تردید کی صلاحیت نہین رکھتے، لیکن پھر بھی مذکورۂ بالا قسمون مین سے کسی ایک کے ساتھ ملکر کام کرسکتے ہین، انکی مثالین

یہ ہین۔ خوشی، محبت، قدر، ہمدردی وغیرہ،

ترغیب مین جذبات کو بالواسطہ تحریک دی جاتی ہے،

یہ ایک عجیب بات ہی کہ باوجودیکہ ہر ترغیب کا جزو لاینفک جذبہ ہی ہوتا ہی، لیکن پھر بھی ترغیب دہندہ کا مقصد لوگون پر یہی ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ گویا دلائل کے ذریعہ سے یقین دلایا جارہا ہی، دوسرون کو ترغیب دیتے وقت اِس بات کی ممکن کوشش کی جاتی ہی کہ اون کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ ہم اونکے جذبات پر اثر ڈال رہے ہین، اسی وجہ سے ترغیب مین براہِ راست جذبات کو تحریک نہین دی جاتی بلکہ عقل یا متخیلہ کی ریشہ دوانیون سے اون کو بیدار کیا جاتا ہی، کسی موضوع سے بحث کرتے وقت ہم دلچسپ اور واضح ترین طریقہ پر اس کا احضار کرتے ہین، اور اس ترکیب سے مخاطبین کی کسی خواہش یا جذبہ کو تحریک دیتے ہین، اِس کا بھی خاص التزام کیا جاتا ہی کہ مخاطبین کہین یہ خیال نہ کرین کہ ہم عمداً اون کے تاثرات یا جذبات کو برانگیختہ کر رہے ہین، اِس احضار کے لیئے مضمون کو اس طرح پیش کیا جاتا ہی کہ ناظرین کو یہ یقین ہوجائے کہ اون کے جذبات کو بجا طور پر استعمال دیا گیا ہے، اور وہ یہ محسوس کرلین کہ ہماری ترغیب کے بموجب عمل کرنے سے اِن جذبات کی تشفی ہوسکے گی،

جذبہ کو بالواسطہ ترغیب دینے کے طریقے،

(۱) **کِسی شئے کو ممکن الوقوع ثابت کردکھانا،** دلیل کی اگرچہ باعتبار اسکی حیثیت کے تمامتر اپیل قوت عقلی سے ہوتی ہی، لیکن جذبات کے برانگیختہ کرنے مین اسکا بھی اچھا خاصہ حصّہ ہوسکتا ہے، یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ فراہمی ثبوت، اور دیگر شواہد عقلی ونقلی کی بنا پر لوگون کے ذہن مین کسی چیز کے متعلق تیقن کی کیفیت پیدا کردی جاتی ہی، یا کم از کم اوسکا امکان اون پر ثابت کردیا جاتا ہی، یہ امکان تیقن کی اور تیقن رفتہ رفتہ معتقدات کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہین سے جذبات کا عمل شروع ہوجاتا ہے، فرض کرو کہ کسی مقدمہ کی سماعت کے وقت وکیل استغاثہ، جج اور جوری کو ملزم کے جرم کا یقین دلادے، تو اس تیقن کی کیفیت کے ساتھ ہی ساتھ

ایک طرف تو اِن اصحاب مین احساس فرض کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور دوسری طرف جرم اور اوس کے مضر اثرات کا تصور ان کے جذبہ غضب کو اشتعال دیتا ہے، اِن ہر دو جذبات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر ملزم کے مجرم ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے، اسی مثال مین دیکھو کہ وکیل کی تقریر سے قبل، جج یا جوری کے قلوب پر کسی جذبہ کا اثر نہ تھا، جس سے اون کے فیصلہ پر اثر پڑتا لیکن وکیل کے دلائل نے یقین اور یقین نے جذبات پیدا کر دئے، مختصر یہ کہ کسی واقعہ یا صورت حالات کو اس اسلوب سے پیش کرنا کہ وہ ممکن معلوم دینے لگے، بالواسطہ تحریک جذبات مین بہت کچھ کارگر ہوتا ہے،

(۲) کسی شے کو صداقت نما بنا کر پیش کرنا:- مذکورۂ بالا مقصد حاصل کرنے کی ایک دوسری سبیل یہ ہے کہ احضار واقعات مین بجائے امکان کے صداقت نمائی پیدا کر دی جائے، عام طور سے کسی شے کو ممکن الوقوع ثابت کر دکھانے اور اسے صداقت نما بنانے مین کوئی فرق نہیں کیا جاتا، یہ دونون چیزین جذبات کی تحریک مین معاون ہوتی ہین اور اس اعتبار سے اونھیں ایک کہہ سکتے ہو لیکن کسی شے مین امکان پیدا کرنا، وکیل چاہتا ہے، اور فاعل کی قوت استدلال پر منحصر ہے، مگر صداقت نمائی واقعات کی صفت ہوتی ہے، جو اپنی ساخت یا رنگ آمیزی کی وجہ سے لوگوں میں توجہ اور شوق پیدا کرتے ہین، جس طرح سے اول الذکر کا تعلق ترغیب کے عنصر عقلی سے ہے، اوسی طرح سے مؤخر الذکر عنصر تخیلی سے علاقہ رکھتی ہے، کسی بیان کو صداقت نما اس صورت میں کہا جاتا ہے، جب اوس کی ظاہری حالت کو اس طرح بنا دیا جائے کہ واقعات، اون کی ترتیب اور اون کے باہمی رشتے بالکل قدرتی اور ناگزیر نظر آئیں، اور ہمارے عام تجربات سے اون کی تصدیق ہوتی ہو، اس قسم کے بیانات کو ذہن بخوشی سنتا ہے، اور اونھیں حقیقی اور واقعی مان لینے کے لیے جلد آمادہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی بیان میں ایسے مجموعۂ خیالات کا

اظہار کیا جائے جس کی تائید و توثیق عام تجربات نہیں کرتے، تو ذہن کو اوسکے سمجھنے میں دقت کا سامنا ہوتا ہے، اونھیں خلاف فطرت۔ ناقابل یقین۔ یا باطل سمجھکر مسترد کر دینے کا میلان طبیعت مین پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی بیان میں خواہ امکان پایا جائے یا نہ پایا جائے، محض صداقت نمائی، کی صفت ہی مخاطبین میں ایک طرح کی فرحت پیدا کر دیتی ہے، اور ترغیب دہ ثابت ہوتی ہے مثلاً اگر راستہ مین کوئی فقیر تم سے اپنی مصیبتون کی داستان دلچسپ اور صداقت نما پیرایہ مین بیان کرے تو خواہ تم اوس کے بیان کی صداقت مین شبہہ ہی کیون نہ کرو۔ لیکن اس کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے ہو۔ اِس صورت مین ترغیب کا کل و جز عمل صداقت نمائی کے اثر سے ہے، چونکہ یہ متخیلہ سے اپیل کرتی ہے اور ایک قسم کی تفریح و تاثر پیدا کرتی ہی۔ اسلئے کہہ سکتے ہین کہ ترغیب کے معین و مؤید جذبات کو بیدار کرنے مین یہ امکان، سے کہین زیادہ کارگر ہوتی ہی، لیکن جب واضح اور مقررہ واقعات سے بحث ہو رہی ہو، یا فیصلہ کی نوعیت پر بہت سی ضروری باتون کا انحصار ہو (مثلاً کسی مقدمہ مین) تو اوس وقت امکان، کو زیادہ موثر خیال کرنا چاہیئے، ایسی صورت مین صداقت نمائی پر نہ جانا چاہیئے،

۳۔ مضمون زیر بحث کی اہمیت پر زور دینا **ذہن اور تخیل** کے واسطہ سے جذبہ کو بیدار کرنے کی ایک تیسری ترکیب یہ ہی کہ مضمون ترغیب کی اہمیت پر زور دیا جائے۔ اِس ترکیب سے اول تو توجہ زیادہ مرکوز ہوتی ہی، دوسرے خیالات کی قوت اور اونکی وضاحت مین اضافہ ہوتا ہے، یہ دونون باتین مل جل کر جذبات کی قوت کو زیادہ کر دیتی ہین، مثلاً اگر تم کسی فرد یا قوم کے کسی فعل کو بدترین صورت مین اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کرو، یا کم از کم اونھین اس کا یقین دلا دو کہ اِس فعل کے مضر اثرات کی اہمیت بہت کچھ ہو گی تو تم اپنے مخاطبین مین غصہ کے جذبات کو بہت کچھ شدت کے ساتھ اشتعال دے سکتے ہو۔

۴۔ ترغیب دیتے وقت ایسے واقعات کا بیان کرنا جو حال ہی مین رونما ہوئے ہین، یا جن کے متعلق یہ پیش گوئی کی جاسکے کہ عنقریب رونما ہونے والے ہین (اون واقعات کی بہ نسبت جو بہت زمانہ قبل وقوع مین آچکے ہین) جذبات کو کہیں زیادہ تحریک دیتا ہی، جذبات کے مشتعل کرنے مین قرب زمانی کی بہ نسبت قرب مکانی بھی کہین زیادہ مفید ہوتا ہی، ہم ایسے واقعات سے جو دور دراز ملکون مین وقوع پذیر ہوئے ہون، اتنے زیادہ متاثر نہین ہوتے جتنا کہ خود اپنے ملک یا اپنے قبیلہ کے واقعات سے، اگر آج امریکہ مین کوئی عالمگیر اثر رکھنے والا حادثہ پیش آئے۔ اور آج ہی حیدرآباد مین کوئی معمولی حادثہ ہو جائے تو کل کا صحیفہ پڑھتے وقت سب سے پہلے مین مقامی، حالات مین اس واقعہ کے حالات پڑھنے کی خواہش کرون گا۔ اور اس کے بعد دنیا کی اہم ترین باتوں کی طرف توجہ کرون گا،

(۵) ترغیب مین جذبات کے حصہ سے بحث کرتے وقت ایک اور بات جس کا لحاظ ضروری ہے، یہ ہی کہ مصنف یا مقرر (ترغیب دہندہ) اور اُنکے موضوع ترغیب کا مخاطبین سے کتنا گہرا تعلق ہے، جب حیدرآباد دکن مین ایک عام جلسہ مین مولنٰا حالی مرحوم نے اپنی نظم "چپ کی داد" کا آغاز اس طرح کیا ؎

اے ماؤن، بہنو، بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے

تو سامعین نے اس کا بہت کچھ اثر لیا۔ اونھون نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم کی نظم کا ان سے قریب ترین تعلق ہی، برخلاف اس کے اگر وہ تخاطب کا یہ طریقہ نہ اختیار کرتے تو شاید اتنا اثر نہوتا اسی طرح جب مارک انٹونی، جولیس سیزر کے قتل کے بعد مجمع سے ان الفاظ مین خطاب کرتا ہی

"دوستو! رومیو!! ہم وطنو!!!"

تو اس کا اثر مجمع پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی ترتیب پر غور کرو۔ دوسرا پہلے سے زیادہ

اور تیسرا دوسرے سے زیادہ مقرر کو مخاطبین کی ہمدردی کا مستحق ثابت کرتا ہی۔ ظالم کے حامیون
مین غصہ اور انتقام کے جذبات جو کسی ظالمانہ فعل کی خبر سے پیدا ہوتے ہین، وہ اتنے شدید نہیں ہوتے جتنے کہ مظلوم سے
تعلق رکھنے والون کے دلون میں، سمرنا مین ترکون کا کشت و خون دنیائے اسلام مین تہلکہ ڈالدیتا ہی
لیکن ہندوستان کے ہنود اوس سے اتنے زیادہ متاثر نہین ہوتے جتنے کہ یہان مسلمان۔ اگر
کوئی مقرر اپنے سامعین کو یہ باور کرا سکے کہ فلان فعل اون کو بھی متاثر کرے گا۔ تو وہ اُن کے
جذبات کو یقیناً زیادہ کامیابی کے ساتھ برانگیختہ کر سکیگا۔ طبع انسانی کچھ اس طرح پر واقع ہوئی ہی کہ
غیر متعلق اثرات کی بہ نسبت اپنی ذات تک پہونچنے والے نتائج کا کہیں زیادہ اثر لیتی ہے
یہ جو کسی نے کہا۔ ع۔

گزرتی ہے جو دل پر مبتلا کے مبتلا جانے

واقعی سچ بھی ہی، سیدھی سی بات ہی کہ جب تم کسی شخص کا ناجائز طور پر نقصان ہوتے دیکھتے ہو، تو
تمھین غصہ تو ضرور آتا ہی، لیکن خود اس شخص کے غصہ کی سی شدت تم مین نہین پیدا ہوتی، تمھارا
غصہ یہ چاہتا ہی کہ نقصان رسان سے کسی طرح کا تاوان لیا جائے۔ یا اوسے منفعل اور شرمندہ کیا
جائے۔ لیکن اوس شخص کا غصہ (جس کا نقصان ہوا ہی) بعض وقت اتنا شدید ہوتا ہے کہ انتقام کی
شکل اختیار کر لیتا ہی، اسی طرح سے دیکھو کہ کسی مخیر المزاج سخی کی فیاضی کا حال سنکر تم مین صرف
مسرّت اور امتنان کی کیفیّات پیدا ہوتی ہین، لیکن جو شخص کہ فی الحقیقت اِس فیاضی کا مرہون
منت ہو اوس کے جذبات مسرّت اور امتنان سے گزر کر، تشکر و احسانمندی کی شکل اختیار کر لیتے ہین

مذکورۂ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہی کہ اگر کوئی مقرر اپنے مخاطبین کے جذبات کو قوی تر بنانا
چاہے تو اس کی ترکیب یہ ہی کہ وہ کسی فعل کو ایسے پیرایہ مین پیش کرے کہ یہ مخاطبین بھی اوس کے
اثرات اپنی ذات پر محسوس کر سکین۔ مثلاً پہلی مثال مین اگر تمھین یہ باور کرا دیا جائے کہ جو

نقصان فلان شخص کو پہونچایا گیا ہی، اوس کے اثرات تم تک بھی پہونچتے ہین۔ تو لا محالہ تمہارے جذبات بھی انتقام کی شکل اختیار کرلیں گے۔ فروری ۱۹۲۶ء میں بہار مین زبردست سیلاب آیا تھا جس سے کئی گانوٴن تباہ، اور ہزاروں لوگ بے خانمان ہوگئے تھے، دوسرے صوبوں کے باشندوں نے بھی اِس مصیبت کا حال پڑھا تھا، اون کے قلوب مین یہ پڑھکر ایک سرسری رنج وہمدردی کی کیفیت ضرور پیدا ہوئی تھی، لیکن اس کیفیت میں کسی طرح کی شدت نہ تھی، بات یہ تھی کہ یہ لوگ یہ محسوس کرسکتے تھے کہ اس طوفان کے اثرات خود اون کی ذات پر کیا ہین۔ لیکن جب چند جادو بیان مقرر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اونھون نے ہندوستان کے تمام حصّوں میں دورہ لگاکر ایسی تقریر سے لوگون کو اِس کا احساس کرادیا تو سب نے چندہ دینا شروع کردیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ بعد مکانی، عدم واقفیت۔ اور بے تعلقی کی وجہ سے پہلے لوگون کے جذبات صرف سرسری ہمدردی اور رنج کے تھے، لیکن جب چشم دید حالات سنائے گئے، تباہ شدہ علاقون کی تصویرین دکھلائی گئیں، اور لوگوں کو یقین دلایا گیا کہ وہ بھی بحیثیت انسان اور ہندوستانی ہونے کے اِس سے متاثر ہوتے ہین تو اون کے جذبات شدید اور ارادی ہمدردی مین منتقل ہوگئے، اور چندہ دینے کے محرک ہوئے۔

ظرافت، اور خوش طبعی، ترغیب مین اکثر اوقات ظرافت، اور خوش طبعی بھی بہت کچھ موٴثر ہوتی ہین، یہ تو عام تجربہ بتاتا ہی کہ وہی ایک بات جب فلسفیانہ خشکی اور مدبرانہ متانت کے ساتھ کہی جاتی ہی، دماغ پر اتنا اثر نہین کرتی، جتنا کہ اوس صورت مین ہوتا ہی جب یہی بات ظریفانہ اور خوش طبعی کے پیرایہ مین بیان کی جاتی ہی، اول الذکر صورت مین دماغ تجریدی بحثون سے پریشان ہوتا ہے، ثانی الذکر صورت مین سریع الفہم ہونے کے علاوہ ایک طرح کا خوشگوار تاثر بھی پیدا ہوتا ہے۔ دلیل اور منطق کے خشک ٹکڑے عام طور پر قابلِ قبول نہین ہوتے، لیکن جب ان مین

ظرافت اور خوش طبعی کی چاشنی دیدی جاتی ہے، تو یہ ہر شخص کے پسند خاطر ہوتے ہیں علم دین و تقوی

کی ناقدری پر ہندوستان کے متعدد فاضل علمائے مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ آیات قرانی اور دلائل سے

اون کی ضرورت کو واضح کیا، اوس کو اکبر مرحوم نے ایک ظریفانہ پیرایہ میں پیش کیا۔ ہر پڑھنے

والے کے دل پر اثر ہوا۔ وہو ہذا۔

کچہریوں میں ہے پرستش گرہ پتلیوں کی ... سڑک یہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی

ہمیں جو پوچھو تو بس علم دین و تقوی کی ... خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

یا

سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے ... شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسہ نہ ملا

اکبر مرحوم کی شاعری اور سجاد حسین مرحوم کے اخبار اودھ پنچ کی مقبولیت کی یہی وجہ ہے، انگلستان میں

سالہا سال سے پنچ، جو اثر عام رائے پر ڈال رہا ہے وہ صرف ماہران سیاست کی مدلل تقریروں

سے ہرگز نہ پیدا ہو سکتا تھا،

ظرافت اور خوش طبعی حقیقت میں علحدہ علحدہ چیزیں ہیں۔ لیکن ان کے درمیان

کوئی ممتاز حد فاصل قایم نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ اون کی مختلف اشکال میں باہمی تمیز ہو سکتی ہے

کہ یہ ظرافت کی شکل ہے۔ اور یہ خوش طبعی کی، ان دونوں کی مشترکہ صفت یہ ہے کہ ہماری فطرت کے ہر سہ عناصر

ذہنی، تخیلی اور جذبی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ جب تیقن کی کیفیت پیدا کریں۔ تو ان کا تعلق

عنصر ذہنی سے ہوتا ہے جب خیالی موازنوں سے کام لیا جاتا ہے، اور خوشگوار تاثر پیدا کیا جاتا ہے،

تو اس کا عمل عنصر تخیلی پر منحصر ہوتا ہے۔ اور جب احساسات کو بیدار کیا جاتا ہے، تو جذبی عنصر کا

لگاؤ ہوتا ہے،

ظرافت ہو یا خوش طبعی، ان کے اثر کی وجہ تلاش کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں

نظاہرے تعلق، اور بے سروپا خیالات کو اس طرح سے مخلوط کر دیا جاتا ہی۔ کہ تعجب اور خوشی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، خوش طبعی مین "تعجب"، کا تاثر اتنا نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ ظرافت مین۔ وہ زیادہ تر حد بی ہوتی ہی اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اوس کا لازمی جز ہے، بقول تھیکرے "خوش طبعی نام ہی محبت اور ظرافت کے مجموعہ کا" کارلائل کہتا ہی کہ "خوش طبعی مہید ہ طبیعت اور کل موجودات کے ساتھ پُر جوش خلوص اور محبت چاہتی ہی"، یہی وجہ ہے کہ خوش طبعی کی استدلالی اہمیّت کچھ زیادہ نہیں ہوتی، ہان خدمات کا لگاؤ البتہ بہت کچھ ہوتا ہے اور خوش طبع شخص کی طرف ہر شخص کا دل خود بخود مائل ہوتا ہے،

ترغیب مین ظرافت کا اثر خوش طبعی کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اور موضوع ترغیب سے اس کا تعلق بھی بہت کچھ گہرا ہوتا ہے۔ ظرافت کے معنی مین تعقل اور استدلال بھی داخل ہے اور ظرافت کے ہر نمونہ مین تم کو دلیلون کا شائبہ زیادہ نظر آئے گا۔ خوش طبعی کی بہ نسبت اسمیں تعجب کی کیفیت کو کم دخل ہوتا ہے، اس کا حربہ زیادہ داڑھ دار ہوتا ہے، اور گہرا کاٹتا ہی خوش طبع شخص معصومیت کے ساتھ ہنستا ہی، اور دوسرون کو ہنساتا ہی، ظریف آدمی دانتوں کے نیچے ہونٹ دبا کر مسکراتا ہی، اوسکی آنکھون مین شرارت کی چمک ہوتی ہی، یہ غیر متعلق لوگون کو ہنساتا ہی، لیکن جن پر اِسکا وار ہوتا ہی وہ دل مین روتے ہین۔ جب ظرافت، کنایہ یا تمسخر، طنز یا ہجو ملیح کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ تو اس کا وار زیادہ سخت ہوجاتا ہی، خوش طبعی، کی مثال مین ہم کلام اکبر کو پیش کرسکتے ہین۔ اس کا بیشتر حصہ ہجو ملیح سے پاک ہے اور پر لطف پیرایہ میں اظہار خیالات کرتا ہے ظرافت کی مثالیں زیادہ تر اودھ پنچ کی پُرانی مجلدات مین نظر آئینگی، اور اس کی مذکورہ بالا اقسام بھی نظر آئینگی،

ہم ذیل مین کچھ اقتباسات دیتے ہین جن سے متین اور سنجیدہ تحریرون میں طنز اور ہجو ملیح کا استعمال بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے،

سنہری گراموفون سے ایک نیا نغمہ
لیڈری کا طوطی کہنہ مشق

(اس مضمون میں ہز ہائنس آغا خان کی اس تجویز پر کہ ترکوں کو جنگ بلقان سے کنارہ کش ہو کر صلح کر لینی چاہیئے۔ اعتراضات کیئے گئے ہیں)

انھوں نے[1] اون کا مشورہ ہے کہ اسلام کو اب اپنے یورپین مقبوضات سے فوراً جلاوطن ہو جانا چاہیئے صرف ایشیا ہی پر قناعت کرنا چاہیئے، ایسا کرنے سے ایک نعمت گراں مایہ یعنی "دولت علیہ برطانیہ" کی سرپرستانہ اعانت اور اسلام نوازانہ مہربانیوں کی دولت لازوال حاصل ہو جائے گی۔

یہ ایک ماسٹر" کی نئی "حکایت" یا "گراموفون" کا نغمۂ تازہ ہے۔ جو ہز ہائنس کے ساز وجود سے منتقل ہو کر، سامعہ نواز بزم دانش ہو رہا ہے،

بعض ظاہر بین زمزمہ ہو رہے ہیں کہ یہ آواز تو کچھ خوش آیند نہیں، لیکن باطن شناسان حقیقت کہتے ہیں کہ ملامت بے فائدہ ہے، تم اون تاروں کو دیکھتے ہو جن سے آواز نکلتی ہے، اور ہماری نظر اون انگلیوں پر ہے جو اون پر دوڑ رہی ہیں!

نغمہ از نائیست، نے از نے" بدان!

ہز ہائنس نے اس ایک چٹھی میں اپنے "باطنی" کمالات کے کتنے نقش بدلے ہیں! آغاز تحریر میں ترکوں کی ہمدردی کرتے ہوئے اپنے تئیں "مسلمان" ظاہر کرتے ہیں، کچھ دیر بعد اون کو اس خیال سے سخت پریشانی ہوتی ہے کہ "جنگ دوبارہ جاری کر دی جائے" یہاں آکر وہ موجودہ مسیحی جہاد کے مقدس علم بردار شاہ (فرڈیننڈ) کے ہاتھ بیعت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ صوفیا سے بعینہ یہی آواز دہرائی گئی ہے کہ ترکوں کو جنگ جاری رکھنے کا مشورہ نہ دیا جائے،

[1] منقول از الہلال مورخہ ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۳ء

آگے چلکر اون کا چہرہ زیادہ صاف نظر آتا ہے، وہ بے تکلف مشورہ دینے کے لیئے بڑھتے ہین کہ

اُسلام کے لئے بہتر ہو کہ یورپ کو خالی کردے" اب اون کا لباس بلغاری وضع کی جگہ اون کی اصلی

انگریزی وضع اختیار کرلیتا ہو، کیونکہ اس مذہب کے اولا مسٹر گلیڈاسٹون نے بھی ۱۸۷۶ء

مین یہی رائے دی تھی کہ

"بس اب ترکی کے لیئے صرف ایک ہی کام رہ گیا ہے، یعنی فوراً اپنے مدیروں، بک

باشیوں، قائمقاموں، اور باشی بزوقوں کو ساتھ لیکر اپنی گٹھری اور بقچے سمیت باسفورس

کے پار ایشیا میں چلی جائے"

البتہ گلیڈاسٹون کا یا تنا سخ نستۂ اچھے لفظوں میں ہوا ہے،

اِس مثال سے طنز اور ہجو ملیح کے معائب اور محاسن بحسب محرکات ترغیب بخوبی ظاہر

ہوجاتے ہین۔ جس چیز کی مخالفت کی گئی ہو وہ البتہ ایسی ہے کہ اوس کی مخالفت اوس وقت کی

حالت کا لحاظ کرکے کرنا چاہیئے تھی۔ لیکن استدلال کا شائبہ اس مین بہت کم ہے۔ صرف اس چیز

کی کوشش کی گئی ہے کہ ناظرین کے دل میں استدلال سے نہیں بلکہ نفرت کے جذبات برانگیختہ

کرکے اِس تحریک کی مخالفت پیدا کی جائے۔ جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے، اون پر غور کرو اون کا منشا

بس یہی ہے کہ کسی طرح سے تحریک اور محرک دونوں کی طرف سے لوگون کو بدظن کردیا جائے "جلاوطن" کا

لفظ اسوجہ سے استعمال کیا گیا ہو کہ ترکون کی طرف سے ہمدردی، اور محرک کی طرف سے غصہ کے جذبات

پیدا کیئے جائیں "نعمت گران مایہ" طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ مقصود اس پر حاشی کا اظہار ہے۔

جو برطانیہ کو ترکوں کے ساتھ ہو۔ "ہماری نظر اون انگلیون پر ہو . . . . پڑ رہی ہین"

اِس کنایہ سے یہ بتلانا مقصود ہو کہ ہز ہائنیس انگریزی دباؤ سے متأثر ہوکر ایسی تحریک پیش کررہے

ہین "مسلمان" طنزاً استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو خاص طور سے ان ورڈ کا مین اس پر جہ سی رکھا گیا ہو،

کہ لوگ ہر ہائنس سے ہمدردیِ اِسلام کی توقع نہ کریں: اون کی اصلی انگریزی وضع" یہ بھی ایک حملہ ہی، اور محرک کی انگریزپرستی، کا ذکر کرکے لوگون کو اون کی طرف سے بدظن کرنا مقصود ہی گلیڈاسٹون کا نیا تنا سخ" یہان پر مضمون نگار نے محسوس کیا کہ گلیڈ اسٹون کی پالیسی کا ہر ہائنس آغاخاں سے انتساب حقیقت نہین ہی، اون کے خیالات کچھ اور ہین، لہذا بجائے ان الفاظ کو ظاہر کرکے جو ہز ہائنس نے استعمال کئے طنزاً یہ کہا گیا کہ "ساتناسخ نسبتہً اچھے لفظوں میں ہوا ہے"، انصاف کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اون کے اصلی خیالات پیش کردیئے جاتے۔ مگر ایسا کرنے سے گلیڈاسٹون کی پالیسی سے اون کی مشابہت ثابت نہ ہوسکتی تھی، اور مضمون نگار کا مدعا یہی تھا کہ گلیڈاسٹون کا ذکر کرکے ناظرین کے جذبات تیز اور شدید کردیئے جائیں، ساتھ ہی ساتھ اپنا پہلو بچانے کے لئے یہ حملۂ معترضہ بھی طنزیہ پیرایہ میں لکھدیا گیا۔

اگر ناظرین مذکورۂ بالا اقتباس کو پڑھتے وقت ہمارے بتائے ہوئے حملوں کی اصلیت پر غور کریں، تو شاید وہ اِس تحریر سے زیادہ متأثر نہون۔ لیکن جب کسی چیز کو استدلال کی تیز اور صاف روشنی کی بجائے، تخیل ظرافت اور خوش طبعی کی رنگ برنگ کی روشنیوں میں دیکھا جاتا ہے، تو ناظرین ایسی فرحت اور خوشی کے تاثر سے لبریز ہوکر خالص عقلی نقطۂ نظر سے اوسے نہین دیکھتے، طنزاً، اور تمسخر عام طور سے لوگوں کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان سے ناظرین یا سامعین کے دلوں میں اپنی فوقیت و برتری کا احساس پیدا ہوتا ہی۔ "گلیڈاسٹون کا نیا تناسخ" ایک طرف تو لوگوں کو ہنساتا ہی لیکن دوسری طرف ہز ہائنس پر ایک طرح کی برتری بھی ظاہر کرتا ہی، وہ اپنے آپ کو اس قسم کی رکیک، حرکات سے ارفع محسوس کرتے ہیں، چونکہ مختلف اقسام ظرافت مثلاً کنایہ، ہجو تلمیح وغیرہ مخاطبین مین اِس طرح فوقیت کا تاثر پیدا کرتے ہیں، لہذا ترغیب میں اِن سے بہت کچھ مدد لی جاتی ہی،

ہمارے ناظرین نے شاید یہ خیال قایم کرلیا ہو کہ ترغیب مین ظرافت اور خوش طبعی کا

استعمال سراسر نمائشی اور مصنوعی ہی، اور اس سے صرف ادنیٰ درجہ کے جذبات کو تحریک دی جاتی ہی، یا مسئلۂ زیر بحث کو مبہم سا کر پیش کیا جاتا ہی، ترغیب کے دوسرے وسائل کی طرح اِن کا استعمال بھی دھوکہ دہی کے لیے ہوسکتا ہی لیکن ہمیشہ یہ حالت نہیں ہوتی، اگر ان چیزون کا ماموقع اور مناسب استعمال کیا جائے تو اِس سے موضوع پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہی، طبائع انسانی کی فطری خامیوں اور جبلّی کمزوریوں مثلاً حیلہ بازی، دو فضلہ پن۔ بحوت، نمود کا شوق وغیرہ کے اظہار میں تو اس سے مفید تر دوسرا ذریعہ ملنا مشکل ہے، اِن کا ناجائز استعمال جب ہی ہوسکتا ہی کہ یہ محض ہنسنے ہنسانے کے لیے استعمال کی جائین۔ اور کوئی گہرا مقصد پنہاں نہ رکھتی ہوں۔ یا مضمون زیر بحث پر ان کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو، لیکن جب ظریفانہ اور تمسخر آمیز پیرایہ میں مسئلۂ متنازعہ فیہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، اور ناظرین کو اس کے معائب، یا محاسن سے لطیف اندازمین واقف کرایا جاتا ہے، تو اوس صورت مین اِن کا استعمال ناجائز نہین کہا جاسکتا، بیہودہ تمسخر اور سنجیدہ ظرافت مین یہی فرق ہے۔ اودھ پنچ کے پرانے فائل اُٹھا کر دیکھو، تم کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے ادق مباحث (سیاسی اور معاشرتی) پر ظریفانہ اندازمیں تبصرہ کیا گیا ہی۔ اور نا وٹ کے ناصحانہ اندازمین بڑے بڑے والیان ریاست اور انگلستان کے وزراء کو کیسی کیسی قابل قدر نصیحتین کی گئی ہین،

تمسخر کی ایک خاص قسم جس کا استعمال بہت کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جاتا ہی، ہجو ملیح ہی۔ ہجو ملیح اوسے کہتے ہین کہ واقعات کے بالکل برعکس بات کہی جائے۔ تاکہ موازنہ اور ضد سے یہ واقعات بہت زیادہ منکشف ہوجائین۔ ایک تو کسی قدر ہلکے رنگ کی ہجو ملیح ہوتی ہی۔ اور اِس کا استعمال اکثر گفتگو میں ہم کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کسی دوست سے جب ہم راستہ مین ملتے ہیں۔ اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملاقات کا وعدہ کرکے جو وعدہ خلافی کی گئی ہی اوس کی طرف اُسے متوجہ کرائین، تو ہم کہتے ہیں "آپ وعدہ کے بہت پابند ہین، مین نے سُنا ہے کہ آپ کل مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

لیکن اِس کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہجو ملیح کی ہی، اور یہ ذرا زیادہ تلخ اور مکمل ہوتی ہی، سخت برہمی اور غصہ اسکے وجود کے لیئے لازمی ہیں۔ اور اِس کا استعمال زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہین۔ جو دلی ناراضی کے ساتھ ساتھ بلند تخیل بھی رکھتے ہون، ایک صاف دل شخص انتہائی غیظ و غضب کی حالت مین اون لوگوں کو جنھوں نے اسے ناراض کیا ہی بُرا بھلا کہتا ہے، اور اپنے غصہ کے حدت کو صاف صاف ظاہر کر دیتا ہی، لیکن ایک رسا اور بلند تخیل رکھنے والا شخص، اِس سے بھی شدید غصے کے جذبات کو پوشیدہ رکھتا ہے، اور اون کے اوپر ایک نقاب ڈالدیتا ہے تاکہ اپنی فرحت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی تفریح ہوتی رہے، اور جو شخص اوس کے غصہ کا نشانہ ہی، وہ نقصان اور شماتت ہمسایہ کا مصداق بنے، جہان تحریر یا تقریر میں ہجو ملیح کا سلسلہ دور تک برقرار رکھنا پڑتا ہے، وہان یہ تمسخر اور مذاق کی نقاب کہیں کہیں سے ذرا سی ہٹا دی جاتی ہی، تاکہ مخاطبین اصلی رنگ کو دیکھ سکین، اکثر اسپیچوں مین یہ ہوتا ہے کہ کوئی ظریف شخص کسی نقطۂ خیال کی مخالفت کرنے کے لیئے اوٹھتا ہی، لیکن اپنی تقریر مین اوس کے حامیون کی حمایت کرتا ہی، اور آخر میں مصنوعی طور پر خود قائل ہوجاتا ہی۔ یہ ترکیب سامعین کو اوس نقطۂ خیال کا مخالف بنانے مین بہت کچھ کارگر ہوتی ہی،

ظرافت اور خوش طبعی سے ترغیب کے اساسی اصول، اور اوس کے طریقوں پر کافی روشنی پڑتی ہی، اسلیئے کہ ان میں ترغیب کے خاص اجزائے ترکیبی، ذہن متخیلہ اور جذبہ تینون کے تینوں باہمی طور پر عمل کرتے رہتے ہین۔ ترغیب لفظی میں یہ تینون عناصر ہمیشہ ساتھ ساتھ عمل پیرا رہتے ہین۔ دلائل اور توضیحات میں کوئی ممتاز حد فاصل قایم نہین کی جاسکتی، اسی طرح سے جذبہ کو بھی متخیلہ، اور ذہن کی وساطت سے تحریک ہوتی رہتی ہے۔ غرضکہ ان تینون عناصر کا باہمی امتزاج لازمی ہی، لیکن یہ مختلف طریقوں پر ہوسکتا ہی، اور مختلف اقسام کی ترغیب

پیدا کرتا ہے بعض اقسام مین، مثلاً مدلل تقاریر عنصر ذہنی کی زیادتی ہوتی ہے، بعض مین تخیلہ کی اپیل کا زیادہ حصہ ہوتا ہے، بعض مین جذباتی عنصر خاص الخاص اساس ترغیب ہوتا ہے، یہ سوال کہ ان ہرسہ عناصر مین کونسا عنصر کس ترغیب مین زیادہ یا کم ہوگا، ترغیب دہندہ کی شخصیت، اور ایک بڑی حد تک موضوع ترغیب پر بھی منحصر ہے،

کتابون، اور تقریرون کی ترغیب کے موضوع

(۱) سیاسی (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشریحی،

عام طور پر، موضوعات ترغیب چار طرح کے ہوسکتے ہین (۱) سیاسی (ان مین معاشی اور معاشرتی مباحث بھی داخل ہین) (۲) قانونی (۳) مذہبی (۴) تشریحی (۱) و (۲) و (۳) توصاف ہین لیکن (۴) تشریح طلب ہے، اس مین وہ جملہ مباحث داخل سمجھے جانا چاہئین جو پہلے تین اقسام مین شریک نہین ہین، لیکن ان سے عام طور پر بحث کی جاتی ہے، اور ان مین ترغیب کے عناصر پائے جاتے ہین، ماضی کے سبق آموز نتائج، واقعات حالیہ کی تعبیر، نئی تحریکات کی ابتدا، مشہور آدمیون کی یادگار قائم رکھنے کی تدبیرین، یا تفریح آور مباحث، یہ سب اسی عنوان کے تحت مین آتے ہین، انکو تشریحی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ان مین خیالات کا اظہار اور انکشاف اور ان کی تحقیق وغیرہ کا زیادہ دخل ہوتا ہے، تم دیکھو گے کہ ہم نے خالص علمی مباحث کو ترغیب کا موضوع نہین قرار دیا ہے، یہ اسلیے کہ عام طور پر ان کا استعمال طرز عمل اور معتقدات کو متأثر کرنے کے لیے نہین کیا جاتا، ہان جب ایسی صورت ہو، تو اوس وقت اونکی اہمیت بھی ترغیبی ہوجاتی ہے،

انسانی طرز عمل پر مذکورہ بالا موضوعات کا مختلف اثر ہوتا ہے

ہر عمل ترغیب کا ایک مشترک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اوس مین اوّلاً تو انسانی طرز عمل سے بحث ضرور ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے، کہ

مستقبل کی طرف اشارہ بھی ضرور ہوتا ہے، ہر سہ عناصر مین سے کسی ایک کا زیادہ یا کم ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس مین انسانی طرز عمل اور مستقبل سے کم بحث کیگئی ہے، یا زیادہ، سب سے پہلے ہم شق اول کو لیکر یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے کہ ہمارے بتائے ہوئے موضوعاتِ ترغیب مین سے ہر ایک اسے کس حد تک متاثر کرتا ہے،

مدبر سلطنت، سیاست دان، اور وکیل، ان تینون کی ترغیب کا ماحصل یہ ہوتا ہے کہ لوگون کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کرین، مثلاً پہلے دو حضرات اس کوشش مین رہتے ہین کہ اپنی ترغیبانہ تحریرون اور تقریرون سے لوگون کو کسی خاص پارٹی یا شخص کو "ووٹ" دینے کے لئے تیار کرین، یا کسی خاص پالیسی کا ان کو موافق یا مخالف بنائیں، وکیل کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ جج اور جوری کو اپنی جادو بیانی سے متاثر کرکے، اپنے مقدمہ کی کامیابی کی صورت پیدا کرے، ان تینون کے برخلاف (جنکا مقصد کسی خاص طرز عمل کی پیروی ہے) مذہبی واعظون کی ترغیب جس طرز عمل کے متعلق ہوتی ہے وہ خاص نہین، بلکہ عام ہوتا ہے، ان کا مقصد عام حالت کی درستی ہوا کرتا ہے، اور اسی لیے اگرچہ اونکی بعض ترغیبات کسی خاص طرز عمل سے متعلق ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر ان مین طرز عمل، کا حلقہ وسیع ہوتا ہے،

تشریحی، موضوع ترغیب مین، بقیہ تین موضوعون کے برخلاف، طرز عمل کی طرف بہت کچھ مبہم اشارہ ہوتا ہے، اور اکثر اوقات تو یہ عمل، سے بحث ہی نہین کرتین، مثلاً اگر کسی مشہور عالم کی سوانحعمری، خالص علمی بنیاد پر مرتب کیجائے، تو یہ صرف "ذہن" کو تحریک دے سکتی ہے اور جذبہ یا تخیل سے اپیل نہین کرتی، اس قسم کی علمی اور اصطلاحی بحثون کو ہم "ترغیب" کے مفہوم مین شامل نہین کر سکتے، لیکن اگر یہی سوانحعمری اس طرح تیار کیجائے کہ اس مین ناظرین کو کسی خاص طرز عمل یا کسی خاص بطل (ہیرو) کی مثال کی تقلید کی ترغیب دی گئی ہو، یا کم از کم اونھین یہ شوق

پیدا کر دیا جائے کہ اس موضوع پر اور اضافہ خیالات کرین، تو اس صورت مین اس کتاب کی حیثیت بھی اچھی خاصی ترغیبی ہو جائے گی،

مستقبل کی طرف اشارہ | ہم دیکھ چکے ہین کہ ہر ترغیب مین انسانی طرز عمل سے بحث لازمی ہے، اسی طرح سے بالواسطہ، یا بالراست ہر عمل ترغیب کا تعلق مستقبل سے بھی ہوتا ہے، ترغیب دہندہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے اعتبار سے اپنے مخاطبین کے موجودہ طرز عمل کو بدلے، صرف موجودہ حالت سے بحث نہین کیجاتی، مثلاً جو چار موضوع ہم اوپر بتا چکے ہین، ان مین دیکھو، تو مستقبل بالواسطہ یا بالراست بحث ضرور پاؤگے، مدبر سلطنت، اور سیاست دان زیادہ تر مستقبل کو سامنے رکھکر ترغیب دیتے ہین، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حالات کی خامی دکھا کر اپنے مخاطبین کو آئندہ ان خامیون سے پاک کر دین، ہندوستان مین جتنی سیاسی جماعتین دیکھوگے یہی نظر آئے گا کہ ہر ایک اپنے خیال کے موافق مستقبل کی تاسیس مین مصروف ہے، ترک موالاتی "مستقبل کی سوراج" کو سامنے رکھکر جد وجہد کی تلقین کرتے ہین، لبرل فرقہ مستقبل کا "اقتدار" اور عہدہ سامنے رکھکر اپنی تبلیغ و اشاعت علحدہ کرتا ہے، یہی حال مذہبی ترغیبات کا ہے، مخاطب کو آئندہ اعمال صالح کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے، اور صرف مستقبل ہی نہین، بلکہ حیات بعد الممات کو بھی سامنے رکھکر موجودہ طرز عمل کی درستی کی نصیحت ہوتی ہے، دوسری دنیا، کا ذکر تقریباً ہر مذہب کی ترغیبون مین ہوتا ہے، وکیل جج، اور جوری کو اس خیال سے ترغیب دیتا ہے کہ مستقبل قریب مین وہ اس کے موافق مقدمہ کا فیصلہ کرین، "تشریحی" موضوع ترغیب مین البتہ مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ نہین کیا جاتا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس مین زیادہ تر تعریف یا الزام کا دخل ہوتا ہے، طرز عمل سے بھی (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین،) اس مین بحث نہین ہوتی، لیکن پھر بھی تھوڑا بہت خیال آئندہ کا اس مین بھی داخل ہے،

ترغیب مین، جہان ایک طرف مستقبل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، وہان ماضی اور حال کو بالکل نظرانداز بھی نہین کیا جاتا، عدالتون مین وکلا، ماضی کے قصص پارینہ چھیڑتے ہین، نظائر کی تلاش کیجاتی ہے، مقدمات کا حوالہ دیا جاتا ہے، سیاست دان بھی ماضی کی تنقید و تمثیل سے باز نہین رہتا، اور ماضی کے خراب اثرات کی طرف اشارہ کرکے موجودہ خراب حالت کی توجیہہ کرتا ہے، مذہبی واعظ بھی گذشتہ سے بحث کرتے ہین، گذشتہ بداعمالیون کے موجودہ مضر اثرات، یا گزشتہ صالح اعمال کے موجودہ اچھے اثرات سے لوگون کو واقف کرکے انھین ترغیب دیتے ہین،

سیاسی اور مذہبی موضوعات ترغیب مین بقیہ دو کی بہ نسبت مستقبل کی طرف زیادہ اشارہ پایا جاتا ہے، اسکی ہم ابھی ابھی تشریح کر چکے ہین یہی وجہ ہے، کہ ان اقسام ترغیبات مین توضیح، مقابلہ، موازنہ، مثالون کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہے، کیونکہ یہ چیزین گزشتہ سے موجودہ، اور موجودہ سے آئندہ تک ہماری رہبری کرسکتی ہین، بیان کا حصہ ان دونون اقسام مین ذرا کم ہے، اور وہ اسلیے کہ مستقبل کے متعلق بیان ذرا مشکل ہے، تاہم گذشتہ و موجودہ حالات کی بنا پر جب مستقبل کی تعبیر کیجاتی ہے، تو اس مین قوت بیانیہ کا اچھا خاصہ دخل ہوتا ہے

جذبی عنصر سے بھی ان دونون مین اچھی طرح کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص سیاسی مباحث مین تو جذبات کا بہت کچھ دخل ہے، متعدد جذبات کو شہ دیجاسکتی ہے، اس لیے کہ کسی خاص طرز عمل کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن مذہبی مباحث مین چونکہ مقصد ترغیب بہت کچھ گہرا ہے، اور متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بحث کرنا پڑتی ہے، اس لیے جذبات کا حلقہ اس موضوع مین ذرا تنگ ہے، ظاہر ہے کہ ایک سیاسی مقرر کے پاس اپنی کامیابی کے لیے تمسخر، تضحیک، طعن، طنز، ہجو ملیح وغیرہ سبھی حربے موجود ہین، لیکن مذہب مین ان کا استعمال

اوسکی حرمت اور شان کے منافی ہے، استدلال کے استعمال کے لحاظ سے بھی یہ دونون مختلف ہین، ہر سیاسی مقرر اپنی تقریر کو واقعات سے ثابت کر سکتا ہے، مشاہدات بھی ممکن ہین، تجربات مین اضافہ بھی ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن مذہبی بحثون مین جہان معاد، حشر، روحانیت حیات بعد الممات، اور اس طرح کے دوسرے مابعد الطبیعی مسائل درپیش رہتے ہین، تجربہ اور مشاہدہ کی گنجائش نہین رہتی، اور ایک مذہبی مقرر ہمیشہ روایات سند کی بنا پر بحث کرتا ہے، مذہب کی جو مخالفت، جدید "تعلیم یافتہ" طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، لیکن کسی قدر مقام شکر ہے کہ زمانہ جدید مین روشنخیال علمار، علوم جدیدہ اور مذہب دونون مین کامل دستگاہ رکھنے لگے ہین، اور بہت سے مافوق الفہم مسائل کو ایسے دلائل کی رو سے سمجھا سکتے ہین جنہین تنگ نظری کا لگاؤ نہین ہوتا،

قانونی اور **توضیحی** مباحث مین زیادہ تر گذشتہ اور حال سے بحث کیجاتی ہے، قانونی ترغیبات زیادہ تر ماضی پر مبنی ہوتی ہین، اسی لیے قوت سیانیہ کا ان مین زیادہ حصہ ہوتا ہے تشریحی مباحث مین توضیح اور تخیل آرائی لازمی شرطین ہین، استدلال کا قانونی بحثون مین زبردست حصہ ہوتا ہے، کیونکہ ماضی کے نظائر سے حال کے واقعات کا اندازہ لگانے مین دلیل کی بہت گنجائش ہی، ہر دو اقسام کے دلائل استعمال کئے جاتے ہین، لیکن زیادہ تر دلیل استقرائی سے کام لیا جاتا ہے، خاص خاص مثالون اور واقعات کا بیان کرنے کے بعد، وکیل ایک عام نتیجہ اخذ کرتا ہے، اور اس عام نتیجہ کا مقدمۂ زیر بحث پر اطلاق کر کے، جج اور جوری کو ترغیب دیتا ہے، تشریحی مباحث من دلائل کا اتنا استعمال نہین ہوتا، جذبات کی اپیل بھی ان دونون مین بہت کم ہوتی ہے، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ وکیل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم کو کسی خاص طرز عمل کی طرف راغب کیا جائے، لہذا قانونی بحث مین

خدمات سے اپیل ضرور ہونی چاہیئے، اکثر بحثون مین جذبات سے اپیل کی بھی جاتی ہے، جن لوگون نے محترم مولانا محمد علی کی وہ تقریر جو انھون نے اپنے مقدمہ میں یونا کے جج کے سامنے کی تھی، پڑھی ہے وہ اس مین کسی قدر جذبات کا شائبہ پائین گے، خاصکر وہ حصہ جہان پائیلیٹ (ROMAN PILATE) اور حضرت عیسیٰ کی مثالین دیگئی ہین، جذبات سے لبریز ہے، ہم اس تقریر کو مثالاً اس لیے پیش کر رہے ہین کہ قانونی حیثیت سے یہ تقریر فاضل سے فاضل وکیل کی بحث کے مقابلہ مین رکھی جاسکتی ہے، ایسا بہرحال شاذونادر ہوتا ہے، اور مدتون تک قانونی عدالتوں مین جذبات کی بحث سننے مین نہین آتی، قانونی بحثون مین جذبات سے بحث نہ لینے کے متعلق ذیل کے وجوہات پیش کیئے جاسکتے ہین،

۱- عدالت مین مخاطبین، چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہین، اور سیاسی جلسون کی طرح بڑی بڑی اور مختلف خیالات کے لوگون کی جماعت نہین ہوتی،

(۲) بہت سے معاملات کا حسب دلخواہ تصفیہ صرف قانونی اصطلاحات استعمال کرکے ممکن ہے،

(۳) جج کو ٹھنڈے دل سے اظہار خیال کرنا پڑتا ہے، جذبات سے متاثر ہونا اوسکی کمانہ حاشان کے منافی ہے، اس سے ناجائز طرفداری پیدا ہوسکتی ہے،

(۴) وکلا کو اس بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اونکا مخاطب جج ہے، جو ہر بات کو قانونی عینک سے دیکھتا ہے، اور صرف جذبات کی اپیل پر کان نہین رکھ سکتا،

اب تک ترغیب کے جن جن اقسام کو ہمنے دیکھا ہے، ان مین سے ہر ایک کا ناجائز استعمال ممکن ہوسکتا ہے، اس کے ذریعہ سے زعما اپنی مقصد برآری بالکل ناجائز طریقون سے کرتے ہین، غلط استدلالات کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسی ایسی مثالون اور توضیحات سے کام

لیا جاتا ہے جو مخاطبین کی توجہ اصل موضوع سے ہٹا کر دوسری طرف مائل کردین، صداقت نمائی کے پیرایہ مین جھوٹ باتین بیان کیجاتی ہین، مخاطبین مین فوقیت کا اظہار پیدا کرنے اور اپنے مخالف کو ذلیل کرنے کے لیے ہجو ملیح کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسے ایسے جذبات سے اپیل کیجاتی ہے، جو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق ہی نہین رکھتے، واقعات کو غلط روشنی مین پیش کیا جاتا ہے، مخاطبین کے جذبات خوف، رشک، خواہش اقتدار، اور مخفی تحریکات سے ناجائز طور پر کاربرآری کیجاتی ہے، یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن اگر ہم خود اپنی حالت پر غور کرین، تو ان کا شائبہ ہم کو اپنی ذات مین بھی نظر آئیگا، جونہی ہم کسی بحث پر منھ کھولتے ہین یا قلم اٹھاتے ہین، ہم بھی زعیم بنجاتے ہین، کوئی مقرر کیسا ہی صاف دل کیون نہ ہو پھر بھی جب وہ اپنی ترغیب کا آغاز کرتا ہے تو تہدید یا خوشامد کو کسی نہ کسی شکل مین، غیر شعوری طور پر استعمال کرہی جاتا ہے، خواہ یہ استعمال بے غرضانہ ہی کیون نہ ہو،

ترغیب مین، ع

ہرچہ برخود نہ پسندی، بہ دیگران مپسند

کے مقولہ پر عمل ہونا چاہیئے، جو ذہنی کیفیات خود ہمارے دماغ مین پیدا ہو چکی ہون، دوسرون کو ترغیب دیتے وقت اونھی کیفیات کو ان مین بھی پیدا کرنا چاہیئے، جو خیالات ہم مین موجود نہ تھے انھین دوسرون مین بھی پیدا نہ کرنا چاہیئن، جو دلائل خود ہم نے استعمال نہین کئے ہین، انھین دوسرون کے سامنے بھی استعمال نہ کرنا چاہیئے، اگر ایسا کیا جائے، تو خود ہماری ترغیب منطقی نقطۂ نگاہ سے غلط ہی کیون نہ ہو، لیکن کم از کم صاف دلی تو اس مین ضرور پائی جائیگی، لیکن سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اچھی طرح نہین جانتے اور ہماری ذاتی ترغیبات بھی غیر شعوری خواہشات اور تحریکات پر مبنی ہوتی ہین، ان کے فریب سے بچنے

کی ترکیب یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی ان تحریکات کو ذہن اور شعور کی روشنی مین دیکھین، اگر
یہ کیا جاے تو البتہ ہماری ترغیبات زیادہ باطل اور پر فریب نہ ہو سکینگی، بلکہ غیر شخصی اور
موضوعی ہونگی، ذاتیات سے اون مین بحث نہ ہوگی،

بابِ ہشتم

مستقبل کی ترغیبات،

زمانہ جدید کا رجحان، شخصیت کی عظمت، آئندہ ترغیبات کا رخ

چند حالیہ تغیرات

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فطرت انسانی کبھی تبدیل نہین ہوتی، ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے، اس بیان سے اگر یہ مراد لیجائے کہ انسانی فطری خامیان، اور جبلی کمزوریان زمانہ کے ساتھ تبدیل نہین ہوتین، تو یہ البتہ کسی قدر صحیح ہے، لیکن انسانی دماغی رجحانات ضرور تغیر پذیر ہین، زمانہ کی گردش نے جو اثر افراد، اور اقوام کی دماغی حالت پر کیا ہے، اوسکی مثالین ہر طرف نظر آرہی ہین، جاپانی قوم کی خصلت مین تھوڑے ہی سے زمانہ مین کیا کچھ تبدیلیان نہ ہوگئین، ہندوستانیون کے نقطۂ خیال کی تبدیلی، افغانی قوم کی وسیع النظری اور قدامت پسندی کو چھوڑ کر جدید باتون کی طرف ان کا میلان، یہ سب باتین بھی بہت تھوڑے ہی عرصہ مین ظہور پذیر ہوئی ہین، افراد کی ترغیبات بھی اسی طرح بدلتی رہتی ہین، زمان اور مکان کی خاص خاص تبدیلیان ان کو بھی اپنے ہی رنگ مین رنگ دیتی ہین،

ابھی کچھ دنون پہلے تمام متمدن اقوام مین ایک عام رجحان یہ پیدا ہوگیا تھا کہ علوم صحیحہ کے مسائل و نتائج کا انطباق، انسانی مباحث، امور معاشرت، سیاست، وغیرہ پر بھی کیا جائے ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ انسان بے جان پتلی اور آہنی کل پرزون کا مجموعہ نہین، بلکہ احساسات

جذبات، اور خیالات کا پتلا ہے، موجودات غیر ذی حس کی تم حسب دلخواہ تقسیم و تبویب کر سکتے ہو، اپنی مرضی کے مطابق ان پر تجربات کر کے ان کے متعلق کلیات قائم کر سکتے ہو، لیکن معاملات انسانی مین ایسا ہونا قطعاً ناممکن ہے، جو کوئی شخص اپنے متعلق یہ حکم نہین لگا سکتا کہ فلان حالات و عوارض مین وہ فلان طرز عمل اختیار کرے گا، جب اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا تو خفیہ دباؤ اور انتفاع ناجائز کا ظہور ہوا، جماعتی امتیازات و خصوصیات پہلے سے زیادہ معین ہو گئین اور ہر شخص اپنی جماعت کی فکر کرنے لگا، بجائے انفرادیت اور شخصیت کی عظمت کے، سب کو ایک ہی قانون کے ماتحت فرض کر لیا گیا، متمول سرمایہ دارون کی دولت مین ذرا سے اضافہ کی خاطر انسانی ہستیون کا بے جان آلون کی طرح استعمال کیا گیا، اور ان کے جذبات و احساسات کو بکمال خود غرضی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا،

کسی قدر مقام شکر ہے کہ اب اس حالت کا رد ہونا شروع ہوا ہے، لوگ محسوس کرنے لگے ہین کہ اس نقطۂ خیال کی پابندی جماعتون، اور قومون کی لڑائی کا باعث ہوتی ہے، جنگ نے ہماری آنکھین کھولدی ہین، اور ہم صاف طور پر دیکھ رہے ہین کہ کیسی ہی قوی سے قوی سلطنت کیون نہ ہو، اگر دوسری سلطنتون یا قومون کو مطلب برآری کے آلہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیگی تو نقصان اٹھائیگی، شخصیت کی عظمت کا سبق جنگ ہی نے ہم کو سکھایا ہے، اب خود وہ شخصیت افراد کی ہو، یا قومون کی اعلیٰ ہو یا ادنی، اگر انسان افراد، اور فرقون کی ترقی کی خواہش رکھتا ہے، تو اسے اپنی آئندہ ترغیبات مین اس اصول کی پابندی کرنی چاہیئے، زندگی کے ضروری شعبون مثلاً، فن تعلیم و تربیت، سائنس، سیاسیات، معاشیات وغیرہ مین ہم کو اس تبدیلی کے آثار بھی نظر آنے لگے ہین،

فن تعلیم اور سائنس پر ان تغیرات کا اثر

آج کل "فن" کا خاص الخاص معیار یہ مانا جاتا ہے کہ انسانیت کے عمیق اور پوشیدہ پہلوؤن پر نظر ڈالی جائے، صرف مظاہرات سے قیاس نہ کیا جائے، بلکہ

عورتون اور مردون کے انفرادی خیالات، تخیلات اور جذبات کو ظاہر کیا جائے، جدید ترین ناولون
مین یہ بات خاص طور پر مد نظر رکھی جاتی ہے، بجائے فتح و شکست کے کارنامون، یا حسن و محبت
کے افسانون کے آج کل کی ناولین طبع انسانی کے نفسیاتی مطالعہ پر بہت زور دیتی ہین، فرضی
کے بجائے اصلی اور حقیقی زندگی سے بحث کیجاتی ہے، انسانی طبیعتون مین جو انفرادی اختلافات
پائے جاتے ہین، انھین ظاہر و روشن کیا جاتا ہے، اس تبدیلی سے ظاہر ہے کہ اس مخصوص شعبہ مین
لوگون کو شخصیت کو پامال کرنے کے بجائے اسے اس کے مناسب حال عظمت، دینے کا خیال پیدا
ہو چلا ہے، یہ خیال جائز ترغیب کی ضروریات مین سے ہے، شفقت، تحمل، جبر و طاقت کا استیصال
یہ باتین اسی خیال سے ظاہر ہو سکتی ہین،

فن کی طرح کسی ملک کا رائج الوقت نظام تعلیم بھی اس وقت کے ملکی اور قومی رجحانات کا اچھا
خاصہ مظہر ہوتا ہے، چنانچہ تعلیم مین بھی ہم کو انفرادیت کا میلان نظر آتا ہے، آج تک جماعتی تعلیم ہر
قومی نظام تعلیم کا بڑا جز تھی، کئی کئی طلبا اپنی ظاہری مساوات استعداد کے لحاظ سے ایک جماعت
مین شریک کر دیئے جاتے تھے، اور ایک ہی طریقۂ تعلیم سے ان کو فیض حاصل کرنے کا موقع حاصل تھا،
لیکن پیمائش ذہنی (Intelligence Test) اور دوسرے جدید ترین نفسیاتی وسائل کی مدد سے اب معلوم ہو گیا ہے، کہ
لڑکون کو اس طرح جماعتون مین تقسیم کرنا درست نہین ہے، ہر لڑکا مختلف استعداد ذہنی، اور
صلاحیت رکھتا ہے، جماعت بندی، کی بدولت قابل طلبا اپنی قابلیت کے اندازہ کے موافق ترقی
نہین کرنے پاتے، اور جو ناکارہ ہوتے ہین ان کی درستی کی کوئی خاص ترکیب نہین کیجاتی، امریکہ
اور انگلستان مین جدید نظام تعلیم انہی اصولون کی بنا پر مرتب کیا جا رہا ہے، انفرادی کوشش
اور سعی کو زیادہ قابل ترجیح خیال کیا جاتا ہے، نئے نئے تعلیمی طریقے ایجاد کئے جا رہے ہین جس سے
کہ انفرادی طور پر ہر لڑکے کی اس کے ذہنی اور دماغی استعداد کے اندازہ سے تعلیم و تربیت کیجا سکے

اب تک مدرس جماعت کو بحیثیت مجموعی پڑھاتا تھا، سوالات و جواب کے علاوہ کوئی اور ذریعہ انفرادی جد وجہد کے مستقل کرنے کا نہ تھا، اب استاد بہت کم گفتگو کرتا ہے، اور طلباء انفرادی طور پر زیادہ کام کرتے ہیں، شخصیت اور انفرادیت کی عظمت کی یہ دوسری روشن مثال ہے،

شعبہ سائنس کے بعض جدید انکشافات، اس میں بھی مذکورۂ بالا رجحانات کی موجودگی کا پتہ دے رہے ہیں، نفسیات میں جسکی حیثیت آج تک علوم صحیحہ کی سی مانی جاتی تھی، اب انفرادی اختلافات اور تغیر پذیر شخصی و ذاتی عوامل پر بہت کچھ زور دیا جارہا ہے منطق استقرائی کا حلقۂ اثر بھی بہت کچھ وسیع ہو گیا ہے، کسی نتیجہ کا استقرار کرتے وقت صرف مادی اور طبیعی واقعات کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ نفسیاتی واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے، بالخصوص جذبات، الہامات فطری، جبلی رجحانات کا لحاظ ہر انسانی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ضرور کیا جاتا ہے، ان مادی حالات و عوارض کے علاوہ جسکے ماتحت ہمارے افعال سرزد ہوا کرتے ہیں، ان احساسات اور تاثرات کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے، جو ان افعال کے محرک ہوتے ہیں، یہ چیز بھی شخصیت کی طرف ہمارے میلان کا کافی ثبوت ہے، سیاسیات میں لوگون کے سیاسی رجحانات، مدنیت کی طرف ان کا میلان، خواہش اقتدار، حب الوطنی، غرور، جنگ پسندی، ذاتی محبت ان سب باتون کو مدنظر رکھا جاتا ہے، اور انسانی معتقدات اور افعال پر ان کے اثر کو تسلیم کیا جاتا ہے،

ہر اہم مسئلہ میں انسانی طبیعت اور اسکے متعلق جو کچھ معلومات ہوتی ہیں، اسے بھی اہمیت دیجاتی ہے، اس کی توضیح ذیل کے واقعات سے بخوبی ہوتی ہے،

۱۔ جنگ کے شروع میں انگلستان میں ایک کثیر تعداد انسداد مے نوشی کی حامی تھی، عقلی اور استدلالی لحاظ سے اس تجویز کے موافق دلائل بھی بہت کچھ قوی تھے، اور سب کو یقین تھا کہ عنقریب شراب فروشی کو بند کرنے کا قانون جاری ہونے والا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا،

زبردست سیاست دانون نے محسوس کیا کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے دلون مین اس خیال نے اعتقاد کی شکل اختیار کرلی ہے، کہ شراب نوشی سے اون کی کارکردگی مین اضافہ ہوتا ہے، اور اس کا انسداد انفرادی آزادی پر حملہ ہوگا، ان لوگون کے جذبات کا لحاظ کرکے مدبران سلطنت نے اپنی تجویز کو بدلدیا، اور کہتے ہین کہ جتنی زیادہ آمدنی شراب فروشی سے دوران جنگ مین ہوئی اتنی پہلے کبھی نہین ہوئی تھی،

۲-انگلستان مین جب جبریہ فوجی خدمت کا زور شور تھا اس وقت آئرلینڈ کو بھی اس مین شامل کرنے کی تجویز کیگئی تھی، تجویز معقول بھی، آئرلینڈ حکومت انگلستان کا جز تھا، اس کی حمایت سے فائدہ اٹھاتا تھا، اور انگلستان کو لڑنے والون کی بہت کچھ ضرورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ تجویز بھی مسترد کردی گئی، آئرلینڈ کی کیتھلک آبادی کے جذبات کا لحاظ کیا گیا، اور جبریہ فوجی خدمت سے وہان کے لوگ بری کردیئے گئے،

۳-ذیل کی مثال سے معلوم ہوگا کہ رجال عدالت بھی جو عام طور پر نظائر، اور سند پر اعتماد کامل رکھتے ہین اور ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہین کرتے، کس طرح وقتیہ رجحانات، اور جذبات سے متاثر ہوکر وسیع النظری سے کام لیتے ہین،

دارالامرا کے سامنے ایک وراثت نامہ کو منسوخ قرار دینے کے متعلق اپیل پیش ہوئی، ایک شخص نے کچھ جائداد Secular Society کے نام چھوڑی تھی، اور اس کا مصرف یہ بتایا گیا تھا کہ "وقتاً" فوقتاً مختلف طریقوں سے اس اصول کی حمایت کیجائے کہ انسانی طرز عمل کی بنیاد طبعی معلومات پر ہو نہ کہ مابعدالطبعی، اور حیات مابعدالممات پر، اور بجائے اس کے کہ لوگون کو یہ ہدایت کیجائے کہ "اپنی زندگی" دوسری دنیا کی زندگی کو پیش نظر رکھکر بسر کرین، ان کو یہ تلقین ہونا چاہیئے کہ خیالات اور اعمال کا منتہی انسانی بہبودی کو قرار دین" وصی کے وارث قانونی نے اس

دقف کی منسوخی کی درخواست اس بنا پر دی کہ یہ خلاف قانون ہے، اور اس سے عیسویت، اور دوسرے مذاہب کا ابطال ہوتا ہے،

جسٹس Joyce جوئیس نے اس درخواست کو مسترد کر دیا، اور محکمۂ اپیل سے بھی یہ نامنظور ہوئی، لیکن جب اپیل دارالامرا کے سامنے پیش ہوئی تو لارڈ چانسلر نے اپیل کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، اون کا استدلال یہ تھا کہ زمانہ کے رجحان کی وجہ سے اصول قانونی کیون بدلے جائین، اگر ایک کام قانوناً برا ہے، تو حالات کی تبدیلی اوسے اچھا کس طرح بنا سکتی ہے، یہ اور بات ہے کہ جو وہ قانون ہی جو اس فعل کو برا قرار دیتا ہے بدل دیا جائے" اس استدلال سے عدالتون کا قدامت پسندی کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن جب رائے لینے کی نوبت آئی، تو غلبۂ آرا سے اپیل مسترد کر دیگئی، اور وہ زمین وقف کے قبضہ ہی مین رہی،

کیا ہندوستان کی حکومت بھی وسیع النظری، اور احساسات کے پاس و لحاظ کی ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے ؟

کسی مسلمہ اصول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کارآمد نہ فرض کر لینا، اور یہ سمجھنا کہ بعض حالات کے اضافہ یا واقعات کی تبدیلی سے اس مین تبدیلی کا امکان ہے، ترغیب جائز، کا محرک ہوتا ہے، وہ اصول ہی غلط ہے کہ جس مین تمام ضروری متعلقہ باتین شامل نہ کر لی گئی ہون، یا ان کا لحاظ نہ کیا گیا ہو، یہان تک تو کسی کو بھی کچھ اعتراض نہین ہو سکتا، لیکن اگر معاملہ کی دوسری سمت نگاہ ڈالو تو یہ بھی ممکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی اصول کو جو حقیقی معنون مین سچا اور قابلِ عمل ہو، محض اس وجہ سے مسترد کر دیا جائے کہ بعض عارضی اور فرضی نئے حالات رونما ہوئے ہین جنپر اس اصول کا انطباق نہین ہوتا، بعض حاکمانِ عدالت جو جذبات کی اپیل سے مرعوب ہو جاتے ہین، ایسا ہی کرتے ہین، اور انسانی جذبات کے پاس و لحاظ مین اس حد تک مبالغہ سے کام لیتے ہین کہ اصول کی صداقت

کو قربان کر دیتے ہیں، مثلاً کوئی سپاہی جنگ پر چلا گیا، وہاں وہ چھ یا سات سال تک رہا، وہاں سے واپس آکر اس نے اپنی بیوی کو بے وفا پایا اور جوش رقابت میں کوئی خلاف قانون جرم مثلاً قتل عمد یا ضرب شدید وغیرہ اس سے سرزد ہوا، اکثر جج صاحبان نے ملزم کو ایسی صورتوں میں رہا کر دیا ہے، اور انسانی جذبات (جوش رقابت، انتقام وغیرہ) کی قربان گاہ پر ایک اہم قانونی اصول (قتل عمد کی سزا موت ہے) کو نذر کر دیا، اکثر اوقات ایسے فیصلوں کے جواز کی کوشش ان الفاظ میں کیجاتی ہے کہ یہ "قانون غیر منضبط" (UNWRITTEN LAW) پر مبنی ہیں، یہ ایک صریح تلبیس ہے اس سے انکار نہیں کہ بہت سے مسلمہ اصول، ضروری واقعات و حالات کو فرو گذاشت کر دیتے ہیں، اور ان میں ضرور تبدیلی ہونا چاہیئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے اصول ایسے بھی ہیں جو فی الواقع مسلمہ ہیں، اور جن کے وضع کرتے وقت تمام ضروری باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، صداقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی اصول کو مسترد کرتے وقت، یا اسے آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے پہلے مذکورۂ بالا باتوں کا ضرور لحاظ کیا جائے،

ترغیب میں کمی (Quantitative) طریقوں کا استعمال،

جہاں ایک طرف، عصر جدید کا تقاضا یہ ہوتا جاتا ہے کہ ترغیبات میں وسیع النظری کو دخل دیا جائے، وہاں ساتھ ہی ساتھ ترغیب کے کمی یا مقداری طریقوں کے استعمال کا رجحان بھی پایا جاتا ہے، صرف عام اصول اور کلیات لوگوں کی تشفی کے لیے کافی نہیں رہے ہیں، وہ واقعات چاہتے ہیں اور واقعات بھی کیسے؟ جو اتنے واضح اور معین طور پر بیان کئے گئے ہوں کہ اخذ نتائج میں ان سے مدد ملے، اس رجحان کا عام ترین نتیجہ ترغیب میں اعداد و شمار کا استعمال ہے، حکومت کا ہر شعبہ ان کا استعمال کثرت کے ساتھ کرتا ہے، اور اگر نہ کیا جائے، تو اخبارات اسکی طرف توجہ دلاتے ہیں، اور گورنمنٹ کو تفصیلی حالات ظاہر کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اس قسم کے اعداد و شمار سے صحیح اندازہ لگانے میں

بہت کچھ مدد ملتی ہے، گذشتہ زمانہ مین اعداد و شمار کا وجود نہ تھا، اور معطیات (Data) کی طرف سے مجبور ہو کر لوگ صحیح نتائج کا استقصار نہین کر سکتے تھے۔ آج یہ کمی بڑی حد تک پوری ہو گئی ہے،

اعداد و شمار کی اہمیت ترغیب مین بہت کچھ ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم کسی حالت کا صحیح صحیح تصور کر سکتے ہین، اور اسے وضاحت کے ساتھ اپنی آنکھون کے سامنے دیکھ سکتے ہین، ساتوین باب مین عنصر تخیلی کے استعمال سے بحث کرتے وقت ہم نے جو اقتباس، جان برائیٹ صاحب کی تقریر کا دیا وہ اسی قسم کی ترغیب کی بھی ایک مثال ہے، ۲۰ارب پونڈ کا تصور دلانے کی کوشش کس قدر واضح طور سے کیگئی تھی، ذیل کی مثال بھی اسی قسم کی ترغیب کی ہے:

"دوران جنگ مین جب ہر شیڈمین (Herr Scheidemann) ریشتاگ (Reichstag) کے سامنے یہ سوال پیش کر رہے تھے کہ باہمی مراعات دے کر صلح کر لیجائے تو آپ نے فرمایا۔

"فرض کرو کہ باہمی سمجھوتے کی بنا پر صلح کرنے کا دن گزر گیا، اور اس کے ۱۰۰ دن بعد تک لڑائی جاری رہی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ۵ کرور پونڈ زائد صرف ہو جائینگے، اس زائد صرف مین مقامی طاقتوں کا مارا معاشی زندگی کے ناقابل تلافی صدمات اور ان قربانیون کا شمار نہیں کیا گیا، جو بے شمار خاندانوں کو اپنے اراکین کے مصروف جنگ رہنے کی وجہ سے برداشت کرنا پڑیگی، اگر روزانہ ۱۲ ہزار مقتول اور ۳ مجروح ہون تو سو دن کا نتیجہ ۳ لاکھ مجروحین اور ایک لاکھ بیس ہزار مقتولین ہوتا ہے، فتحمندی کی یہ کیسی خوشنما تصویر ہے؟"

اعداد و شمار کے علاوہ ترغیبانہ خیالات کے کمی یا مقداری اظہار کی اور صورتین بھی

ممکن ہین، بقول ایک انگریزی مصنف کے بعض اوقات ایک تصویر، اعداد کی کئی قطارون کی نسبت
کہین زیادہ وضاحت سے اصل صورتِ حالات کا اظہار کرسکتی ہے، اور زیادہ آسانی سے حافظہ
مین محفوظ رہ سکتی ہے، آغازِ جنگ سے ۱۹۱۹ء تک مصروفِ پیکار ملکوں کی سالانہ آبادی ترسیم
(Diagram) کی شکل مین ظاہر کیجائے تو وہ گھلک ہندسون کی قطارون سے کہین زیادہ
آسانی کے ساتھ آبادی کی کمی کو ظاہر کرسکتی ہے، اخراجاتِ جنگ کے متعلق 'پنچ' کا کوئی
ظریفانہ کارٹون جس مین ترازو کے ایک پلڑے مین ایک گولا ستیل رکھا ہو، اور دوسری طرف پونڈ
کا انبار ہو، دیکھنے والون کو مختلف اعداد وشمار سے کہین زیادہ روشن تصور اخراجاتِ جنگ کا دلاسکتا ہے
ترغیب مین کمی طریقون کا استعمال بہت کچھ محدود ہے، مثلاً اس طریقہ سے کہ تم ایک ہی طرح
کی ذہنی حالتون کے مختلف درجہ معلوم کرسکتے ہو، کسی شخص کی قوتِ حافظہ یا تیزیِ مشاہدہ کو ناپ
سکتے ہو، لیکن جس وقت ایک دوسرے سے بالکل الگ جذبات اور وجدانات کا سوال درپیش ہو،
وہان یہ طریقہ تم کو زیادہ مدد نہین دیسکتا، ترغیب مین چونکہ یہی دیکھنا ہوتا ہے، کہ کونسے وجدانات
وجذبات کی تشفی کے لیے کونسا طرزِ عمل انتخاب کیا جائے، اسلیئے اس مین یہ طریقہ زیادہ کارآمد نہین
اگر کوئی مدبرِ سلطنت یہ فیصلہ کررہا ہو، کہ فلان سلطنت سے جنگ کیجائے یا نہین، تو اسے ایک طرف
تو روپیہ کی بچت اور صلح سے حاصل ہونے والے مادی وسائل کا خیال کرنا پڑے گا، اور دوسری
طرف جنگ نہ کرنے کی صورت مین قومی نفوذ مین کمی، وقار مین فرق وغیرہ کو دیکھنا پڑے گا،
اب یہ دو صورتین ایک دوسرے سے مختلف ہین، ان کا توازن ممکن نہین، اور ان مین کمّی طریقہ
کی گنجائش نہین، مسٹر گریہم ولیس (Graham wallace) اپنی کتاب موسومہ
'سیاسیات مین فطرتِ انسانی کا حصہ' (Human Nature in Politics)
مین کمّی طریقہ کے محدود وناقص العمل ہونے کو تسلیم کرتے ہین، لیکن مذکورۂ بالا اعتراض کا

وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ مدیرانِ سلطنت کو عملی طور پر کام کرنا پڑتا ہے اور جو شخص کام کرتا ہے، وہ اپنے پیش نظر تمام ممکنہ صورتون کا کسی نہ کسی طرح سے توازن کرہی لیتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ "ممکنہ صورتون کا توازن؛ کوئی کمی عمل نہین ہے، بلکہ ان ممکنہ صورتون کے کیف، اور ماہیت پر بہت کچھ منحصر ہے، جب کبھی بھی ہم کو دو یا زائد مختلف افعال مین سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے تو ہم لازماً 'مقدار' اور 'کم' کو چھوڑ کر معاملات کے 'کیف' پر اترآتے ہین،

باوجود ان **نقائص**، کے کمی طریقے کا استعمال اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آجکل اصولون یا روایتون کو خواہ مخواہ قبول کرنے کے بجائے، آزادانہ اور بے غرضانہ تجسسِ واقعات سے کام لیا جاتا ہے، مسائل سے مبہم طور پر بحث نہین کیجاتی بلکہ واضح طور پر انفرادی حالات، ضروری عوامل وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس قسم کے تبصرہ مین کمی طریقہ سے بہت کچھ مدد ملتی ہے، یہ طریقہ، جدید زمانہ کی ترغیبات مین طرزِ استقرار کے وسیع استعمال کا کافی ثبوت ہے،

ترغیب کے دو اصول | **ضمنی اور ذیلی**، مباحث سے قطع نظر کرکے اگر ذرا غور کرو تو تم کو ترغیبات کے دو اہم اصول اس کتاب مین نظر آئینگے، (۱) ایک تو اصولِ استثنائیت ہے جسکی رو سے ہر گروہ اپنے آپ کو ہر دوسرے گروہ سے علیحدہ تصور کرتا ہے، اور اس خیال کو سامنے رکھکر باطل اور پرفریب ترغیبات سے کام لیتا ہے (۲) دوسرا اصول طبع انسانی کی عظمت کا ہے جسکی رو سے کسی فرد یا گروہ کو الگ اور سب سے جداگانہ حیثیت نہین دیجاتی، اور یہ خیال ہمہ وقت پیش نظر رہتا ہے، کہ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے، اس مین شک نہین کہ جب تک انسانی جذبات اپنی حالت پر قائم ہین، تب تک انسانی ترغیبات ان دو اصولون مین سے کسی ایک کے زیر اثر رہین گی، لیکن جہان تک قیاسات کا دخل ہے، ہمارے زمانہ کے رجحانات، اور اہم حالیہ واقعات بتلا رہے ہین

کہ دوسرے اصول پر زیادہ عمل کیا جائے گا، بالخصوص جماعتی ترغیبات مین تو اس کا اور زیادہ احتمال ہے، گذشتہ زمانے مین جماعتون کی تنظیم اصولِ استثنائیت پر ہوتی تھی، شاید مستقبل کی ترغیبات عظمت انسانی کے تصور پر منحصر ہون آج کل کی حالت کو دورِ تکون کہا جا سکتا ہے، اور اسکی مثالین بھی موجود ہین، انجمن ہائے اتحاد مزدوران (TRADES UNION) گذشتہ زمانہ مین جارحانہ حیثیت رکھتی تھین، اور آجر (Employer) اور مصرف (Consumer) دونون سے برسرِ پیکار رہتی تھین، لیکن آج کل ایسی کونسلون کے انعقاد کی ضرورت محسوس کیجا رہی ہے کہ جن مین سرمایہ دارون اور مزدورون کے نمائندے بحیثیت ایک ہی جماعت کے رکن کے داخل ہون، جنگ سے کچھ زمانہ قبل ایک تجویز پیش کیگئی تھی کہ مختلف انجمنین ایک طرح کے بین الاقوامی رشتہ اتحاد مین منسلک ہو جائین ظاہر ہے کہ یہ دوسری تجویز پہلے کی بہ نسبت کہین زیادہ وسیع النظری پر مبنی ہے، اور اگر منظور ہو گئی، تو انسانی زندگی پر اس کا معتد بہ اثر پڑے گا، بعض حالیہ واقعات کی بنا پر یہ بھی پیشینگوئی کیجا سکتی ہے کہ مستقبل مین ہمارے تمام معاشری، سیاسی، معاشی مسائل بین الاقوامی اہمیت اختیار کر لین گے لیگ آف نیشنز (انجمن اتحادِ اقوام) اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ سلطنت کے معاملات مین بھی بین الاقوامی عمل آج پہلے سے کہین زیادہ مقبولیت حاصل کئے ہوئے ہے، ان باتون کی بنا پر یہ امید شاید بیجا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ دنیا بین الاقوامی قانون کے ماتحت ہو جائے گی جو آجکل کے قوانین کی طرح خارجی حکومتون کا ادر بزورِ شمشیر منوایا ہوا قانون نہ ہوگا، بلکہ وہ انسانی ضروریات کے تقاضا سے وجود مین آئے گا، اور اس کی اساس انسانیت کی عظمت پر ہوگی، اور اسکا محرک یہ خیال ہوگا کہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

—تمت بالخیر—